وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝
سیرت
رسولِ ہاشمی سیدنا محمد
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
محمد یوسف کیفی ایم اے
نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

سیرت

محمد یوسف کیفی ایم اے
صدر شعبہ علوم اسلامیہ
پاکستان انگلش سکول و کالج ۔ کویت

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز
37۔ الحمد مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور ☏7322770

مولای صلّ وسلّم دائمًا ابدًا
علیٰ حبیبک خیرِ الخلقِ کلّھم

محمّدٌ سیّدُ الکونینِ والثّقلینِ
والفریقینِ من عُربٍ وّمن عجمٍ

نُوریہ رضویہ پبلی کیشنز
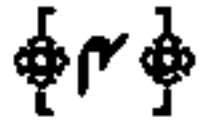
نام کتاب	———	سیرت رسولِ ہاشمی ﷺ
مصنف	———	محمد یوسف کیفی ایم۔اے
بارِ اوّل	———	اگست 2006ء
تعداد	———	500
کمپوزنگ	———	ورڈز میکر
ناشر	———	مکتبہ انوارِ مجیدیہ رحمٰن آباد ذبر کی' لاہور
تزئین واہتمام	———	سیّد محمد شجاعت رسول شاہ قادری
مطبع	———	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپیوٹر کوڈ	———	1N-116
ہدیہ	———	Rs150 روپے

ملنے کے پتے

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11 گنج بخش روڈ لاہور 7313885 / 37 الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور 7322770

مکتبہ انوارِ مجیدیہ رحمٰن آباد ذبر کی' لاہور

جلیب الشیوخ' الحساوی شارع خیاطین' کویت فون: 6744552

شرفِ انتساب

بنام

امام الانبیاء نبی اکرم نور مجسم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

و

جملہ خواجگان نقشبند

از حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تا خواجہ و مخدوم من فخر المشائخ قدوۃ العارفین، زبدۃ السالکین، قبلہ سیدی مرشدی حضرت خواجہ صوفی عزیز الرحمٰن صدیقی نقشبندی مجددی مدظلہ العالی دربار عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مجیدیہ، رحمٰن آباد ذبر کی لاہور۔

اور

اپنے والد گرامی چراغ دین ولد فضل دین رحمۃ اللہ علیہ اور اپنی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کے نام!

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا سبق مجھے انہی سے ملا۔ انہی کی دعاؤں کے صدقے احقر یہ کتاب لکھنے کے قابل ہوا۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ جو بھی اس کتاب کا مطالعہ فرمائے میرے والدین ماجدین کی روح طیبہ کے لئے دعا فرما کر مجھ عاجز و حقیر پر احسان فرمائے۔ اللہ تعالیٰ میرے والدین کریمین کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بابرکت قدموں میں جگہ عطا فرمائے۔

رب ارحمهما كما ربيني صغيرا

آمین بجاہ النبی الامین الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

خادم الفقراء۔

محمد یوسف کیفی ایم اے

بہ حُسنِ تصرف

قطب العارفین، غوث المحققین، برہان الولایت المحمدیہ، محبوب صمدانی، قیوم زمانی، امام ربانی، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

جن کی نگاہِ تصرف کے صدقے یہ کتاب بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی۔

بہ فیضانِ کرم

زبدۃ الاصفیاء، مخزن علم و حکمت، مرجع علماء و صوفیاء، واقفِ اسرارِ شریعت و رموزِ طریقت، منبع رشد و ہدایت، اوتادِ زماں، خزینۃ العرفان، اوحدِ زماں، ثانی علی ہجویریؒ

حضرت الحاج خواجہ صوفی عبد المجید صدیقی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

کیونکہ ع دین و دنیا میں جو پایا اُنہی سے پایا

جن کا ہر فرمان ؎ گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

کے مصداق تھا۔

بہ فیضانِ نظر

فخر المشائخ والعلماء، قدوۃ العارفین، زبدۃ السالکین، پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، زینت القراء قبلہ

حضرت الحاج خواجہ صوفی عزیز الرحمٰن صدیقی نقشبندی مجددی مدظلہ العالی

یہ سب آپ کی نگاہِ کرم کا فیض ہے کہ احقر راقم الحروف یہ چند حروف لکھنے کے قابل ہوا۔

ع گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم ۔

حرفِ آغاز

رسول ہاشمی وعربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک ایک ایسا موضوع ہے جس پر بے شمار لوگوں نے لکھا اور قیامت تک اس سعادت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ موضوع ہی کچھ ایسا ہے کہ چاہے اس پر جتنے لوگ لکھیں اور جتنا کچھ لکھیں کبھی مضمون کی خشکی اور عدم دلچسپی کی شکایت پیدا نہ ہو سکے گی۔ محسنِ انسانیت، رسولِ رحمت، نبی مکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے اتنے گوشے ہیں اور ہر گوشے کے اتنے تقاضے کہ کبھی کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے اس موضوع کا حق ادا کر دیا۔

مجھ سے تو ہو نہ سکے پیکرِ دلبر کا بیان
یہ الگ بات ہے دیتا رہوں اظہار کو طول

سیرت نبوی ﷺ مسلمانوں کی روایت علم کا اہم ترین مرکز ہے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام سے آج تک ہر عہد نے سیرت پاک ﷺ کے چشمۂ صافی سے فیضیاب ہونے کی اپنے اپنے طور پر کوشش کی ہے اور اس کے نتیجے میں آج سیرت پر لکھی گئی کتابوں کا ایک ایسا ذخیرہ موجود ہے جو پوری دنیا میں بے مثال ہے۔

اردو زبان میں اس موضوع پر بہت سی کتابیں موجود ہیں، مشکل بھی، مختصر بھی اور طویل بھی۔ لیکن ایک عرصے سے دل میں یہ خلش تھی کہ کوئی کتاب اردو زبان میں ایسی بھی ہوتی جس میں سرور کائنات آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی تفصیل کچھ اس طرح پیش کی جاتی کہ پڑھنے والے کے سامنے سیرت کے ساتھ ساتھ عملی ترغیب بھی پیدا ہوتی چلی جاتی اور قاری کا فکر عشقِ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز ہو جائے۔ عشق رسالت مآب ﷺ سے لبریز اسی فکر کی نشاندہی کرتے ہوئے حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشہ دامانِ اوست

قارئین محترم! میرے جیسے سیاہ کار کیلئے اپنے آقا و مولا تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر چند حروف لکھنا بھی آسان کام نہیں ہے۔ اس کیلئے وسیع علم، عمدہ تصنیفی صلاحیت، ضروری کتب کی خاطر خواہ فراہمی اور کافی فرصت کی ضرورت ہے۔ سیرت نگاری اپنے فن اور لوازم کے اعتبار سے پل صراط پر چلنے کا نام ہے۔ عاجز مؤلف نے یہ چند حروف اس لئے لکھے ہیں کہ قیامت کے دن شاید نبی رحمت، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو سکے اور یہی تمنا، آرزو اور خواہش دل میں لئے اس سفر پر روانہ ہوا ورنہ میری بساط ہی کیا ہے کیونکہ میری زبان پر یہ شعر بار بار آتا رہا۔

ہزار بار بشویم دھن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ اس خدمت کی تھوڑی سی سعادت اپنے کس بندے کو عطا فرمائے اور پھر زبان سے یہی گزارش شروع ہو جائے۔

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا
کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

موضوع کا حق کہاں تک ادا ہو سکا اس کا اندازہ مطالعہ کرنے والوں کو تو کتاب کے مطالعہ سے ہی ہو جائے گا۔ البتہ لکھنے والے کو پورا پورا احساس ہے کہ اس موضوع کا حق ادا کرنے کی اس میں اہلیت تھی اور نہ اس کیلئے اسباب فراہم تھے۔ اس کے باوجود کچھ امیدیں تھیں جن کی بنیاد پر اس کام کے کرنے کی ہمت ہوئی اور بفضل ایزدی اسے کر لیا گیا۔ آقا و مولا ﷺ کا بیان کیا کروں؟

تیری صورت، تیری سیرت، تیرا نقشہ، تیرا جلوہ
تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

قارئین با تمکین! سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہر مسلمان کے لئے، خواہ وہ مشرق میں بستا ہو یا مغرب میں ہر دور میں منبع ہدایت و رہنمائی ہے اس لئے ایک مسلمان کی سی

زندگی بسر کرنے کیلئے ہر لحہ، ہر قدم پر اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معلومات نہایت ضروری ہیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر الفاظ کا یہ تانا بانا بُنا گیا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ یہ ادنیٰ سی کوشش دوسرے باصلاحیت اور اہل قلم حضرات کیلئے محرک بن جائے اور وہ اس کام کو کما حقہ پورا کرسکیں۔

آسان اردو میں (مختصر) سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سہل انداز میں لکھی ہوئی ایک کتاب کا اضافہ ہو جائے اور مؤلف، اسکے والدین، اساتذہ کرام، عزیز و اقارب اور مشائخ عظام کیلئے صدقہ جاریہ بن جائے۔

یہ امید کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمالے اور اس کے ذریعہ سے آج کے پریشان حال نوجوان اپنے سینے سے عشق و محبت مصطفیٰ ﷺ کے تیر پھر سے پار کرسکیں اور امت کے اس خزاں رسیدہ چمن میں پھر بہار آ جائے۔ اسلام کے مزاج اور اس کے طریقہ کار کی طرف رہنمائی ہو جائے اور اسلامی نصب العین اور محبت و عشق رسول ﷺ کی طرف بڑھنے کا ولولہ ابھر آئے۔

قارئین کرام! عین ممکن ہے کہ بہت سی خامیاں اور غلطیاں اس کتاب میں رہ گئی ہوں۔ اگر اس کتاب میں خامیاں ہیں تو ان کی تمام ذمہ داری مجھ پر ہے اور اگر کچھ خوبیاں ہیں تو وہ سب میرے پروردگار علیم و خبیر کی عطا کردہ ہیں۔

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا
ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے
جو ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

جملہ احباب کی خدمت عالیہ میں التماس ہے کہ وہ عاجز مؤلف، اس کے والدین و جملہ اقارب، اساتذہ کرام اور مشائخ عظام کیلئے دعائے خیر و مغفرت فرمائیں۔

فقیر حقیر سراپا تقصیر:

محمد یوسف کیفی ایم اے

اظہارِ تشکر

☆ خالق کائنات اللہ ربُ العزت وحدہٗ لا شریک کا وصف بیان کرنے اور سرورِ کائنات ﷺ سیدنا پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے بعد والدین کریمین کے نام جو میری پیدائش اور تربیت کا وسیلہ بنے۔ اللہ تعالیٰ ان کے آخرت میں درجات بلند فرمائے۔ امین

☆ سیدی مرشدی فخر المشائخ حضرت الحاج خواجہ صوفی عزیز الرحمٰن صدیقی نقشبندی مجددی مدظلہ العالی کے نام جن کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی سے مجھے یہ کتاب تالیف کرنے کا حوصلہ ملا۔

جملہ رفقائے محترم اور کرم فرماؤں بالخصوص جناب الحاج صوفی شکر الدین صاحب' جناب ڈاکٹر محمد مشتاق قادری صاحب' جناب حاجی عبدالرزاق صاحب' جناب انیس الرحمٰن بٹ صاحب' جناب محمد یوسف بختاور صاحب' جناب حافظ محمد شبیر صاحب' جناب سید محمد شجاعت رسول شاہ قادری صاحب' جناب فضیلۃ الشیخ السید یوسف ہاشم الرفاعی مدظلہ العالی' جناب محمد عرفان عادل صاحب' جناب حاجی مرزا محمد انور صاحب' پروفیسر مس عمرانہ افضل صاحبہ' جناب سید سلمان نذیر احمد صاحب' جناب محمد منیر قادری صاحب' جناب احسن رضا ہاشمی صاحب کے نام جن کی حوصلہ افزائی اور قدر شناسی کی بنا پر مجھے یہ کتاب تالیف کرنے میں آسانی پیدا ہوئی اور حوصلہ ملا۔

☆ ہم جناب الحاج محمد لطیف صاحب کے تعاون کے بھی بے حد شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دارین کی ہر نعمت سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔

☆ تمام قارئین کرام' ناظرین اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے' سمجھنے اور اس پر

عمل کرنے والے خوش نصیبوں کے نام جو اس کتاب سے استفادہ کر کے عملِ صالح کی راہ پر گامزن ہو کر اپنی زندگیوں کو سنواریں گے اور آخرت میں بھی کامیاب و کامران ہوں گے۔ (انشاءاللہ)۔

☆ تمام موجود اور مرحوم علماء کرام، سیرت نگاروں، مصنفین اور ادیبوں کے نام جن کی کتب اور تحریروں سے میں نے خوشہ چینی کی۔

☆ پسرانِ باسعادت محمد شہباز صاحب، ڈاکٹر محمد نعیم صاحب، محمد ابراہیم صاحب، دختران نیک اختران، رفیقہ حیات اور برادرم محمد یسین صاحب کے نام جو اس کتاب کی تیاری میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔

آخر میں بندہ تمام حضرات کی کرم فرمائیوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جنہوں نے اپنا قیمتی وقت حرج کر کے اس کتاب کی ترتیب و تصنیف اور تزئین و آرائش میں میری ہر ممکن مدد فرما کر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دلی محبت کا ثبوت فراہم کیا۔

پھول وعظ و نصیحت کے چنتا رہا
کوئی سمجھا رہا تھا میں سنتا رہا

☆ مالی تعاون واشتراک:

ہم
جناب محمد یوسف صاحب
جناب قاسم نعمان صاحب
جناب رضوان یوسف صاحب
کے شکر گزار ہیں کہ جن کے خصوصی تعاون و اشتراک سے کتاب ہذا کی طباعت میں سہولت میسر آ سکی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دین و دنیا کے کاموں میں آسانیاں اور برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

برائے ایصال ثواب (والدین کریمین جناب ابوقاسم محمد یوسف صاحب)

i- عنایت علی والد محترم و مرحوم

ii- اللہ رکھی والدہ محترمہ مرحومہ

اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو منور فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور تمام مومنین و مومنات کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

اے خدائے ہر بلند و پستی
شش چیز عطا بکن ز ہستی
ایمان و امان و تن درستی
علم و عمل و فراخ دستی

(سید ابو سعید ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ)

دعا گو:

فقیر حقیر سراپا تقصیر:

محمد یوسف کیفی (ایم اے)

تقریظ

☆ ازمشہوردانشور ماہرتعلیم محترم جناب سید سلمان پذیر احمد صاحب

وائس پرنسپل پاکستان انگلش سکول وکالج، الکویت

تخلیق کائنات کے بعد اللہ رب العزت اپنے بندوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے مختلف ادوار میں انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرما تا رہا جن کا کام اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچانا اور انہیں یہ ذہن نشین کرانا تھا کہ موجد وخلاقِ عالم فقط ایک ذات حق تعالیٰ ہی ہے جو ہر کمال کا منبع اور مخلوق کیلئے واحد مستحق عبادت ہے اور اسی سے محبت کا رشتہ استوار کریں اور ایمان والوں کی نشانی بتادی کہ "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ"۔ اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلۂ رسالت محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر اپنی انتہائے عروج واختتام کو پہنچا جو نہ صرف اس موجد وخلاقِ عالم کا مظہر اتم تھی بلکہ کمالاتِ الٰہیہ کا ایک ایسا آئینہ تھی جس کی مثال اس کائنات میں ممکن نہیں۔

رخِ مصطفیٰ ﷺ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

اللہ ربّ العزت کے بعد سب سے عظیم ہستی اور محبوب ترین شخصیت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ محبت کا فطری تقاضا یہ ہے کہ محبوب کا عزت وتکریم کے ساتھ کثرت سے ذکر کیا جائے اور محبوب کی اطاعت کی جائے۔

سکون قلب ملا لذت حیات ملی
درِ حبیب ﷺ ملا ساری کائنات ملی

قابل صدر شک ہیں وہ لوگ جن کے شب و روز قرآن و حدیث پڑھنے اور ان پر عمل کرنے میں صرف ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے بندۂ ناچیز ان کی کتاب تذکرہ نقشبندیہ مجددیہ مجیدیہ پر تقریظ لکھنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔ آج وہ میرے پاس ''سیرت رسول ہاشمی ﷺ'' کا مسودہ لے کر تشریف لائے اور اس پر تقریظ لکھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ میں اپنے آپ کو اس قابل تو نہیں سمجھتا لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں ان کو انکار بھی نہیں کر سکتا۔ وہ میرے کالج کے سینئر استاد اور صدر شعبہ اسلامیات ہیں۔ فاضل مؤلف اسلامیات اور تصوف کا نہایت پختہ اور گہرا انداق رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ اسلامی تاریخ کے تحقیقی مطالعہ نے ان کو اسلامی علوم کا رمز شناس بھی بنا دیا ہے۔ سیرت رسول ﷺ ایک ایسا موضوع ہے کہ قیامت تک اس پر لکھا جائے گا لیکن پھر بھی کوئی اس موضوع کا حق ادا نہ کر پائے گا۔

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آج مجھے ان کی نئی تالیف ''سیرت رسول ہاشمی ﷺ'' پر دوبارہ چند سطور لکھتے ہوئے بڑی راحت محسوس ہو رہی ہے۔ اگرچہ وقت کی کمی کے باعث لفظ بلفظ تو نہیں پڑھ سکا مگر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔

کتاب ''سیرت رسول ہاشمی ﷺ'' ایک ایمان افروز، روح پرور معلومات، شان رسالت مآب ﷺ کا سدا بہار مہکتا ہوا گلزار ہے اور اہل عشق و محبت، اہل علم حضرات اور عوام و خواص کیلئے ایک تاریخی، ایمانی، علمی اور روحانی ذخیرہ و سرمایہ ہے۔ ان کی دو کتابیں (خصوصی طور پر) ''عبرتناک قرآنی قصے'' اور ''تذکرہ نقشبندیہ مجددیہ مجیدیہ'' بھی علمی حلقوں اور عوام و خواص سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں اور مجھے امید ہے کہ کیفی صاحب کی یہ عظیم کاوش بھی اسی طرح قبولیت عامہ کا درجہ حاصل کرے گی کیونکہ یہ کتاب اپنے رنگ کی محققانہ بلکہ مختلف حیثیتوں سے لاجواب تالیف ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کے علم و عمل میں برکت دے۔ صحت و سکون کے ساتھ زندگی بسر کریں اور دین و ملت کی یونہی تادیر خدمات

انجام دیتے رہیں۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں کو اپنی اور اپنے رسول محبوب ﷺ کی سچی محبت عطا فرمائے اور انہیں عمل کی توفیق عطا فرمائے اور فاضل مؤلف کی اس کوشش کو قبول فرما کر ہم سب کے لئے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین۔ ثم امین بحرمۃ سید المرسلین علیہ وآلہ واصحابہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

دعا گو

سیّد سلمان پذیر احمد
(وائس پرنسپل)
پاکستان انگلش سکول و کالج کویت

”سیرت رسول ہاشمی ﷺ“ میری نظر میں

اسلام کی نعمت ہر زمانے میں انسان کو دو ہی ذرائع سے پہنچی ہے۔ ایک اللہ کا کلام' دوسرے انبیاء علیہم السلام کی شخصیتیں جن کو اللہ نے نہ صرف اپنے کلام کی تبلیغ و تعلیم اور تفہیم کا واسطہ بنایا بلکہ اس کے ساتھ عملی قیادت و رہنمائی کے منصب پر بھی مامور کیا تا کہ وہ اللہ کے کلام کا ٹھیک ٹھیک منشاء پورا کرنے کیلئے انسانی افراد اور معاشرے کا تزکیہ کریں اور انسانی زندگی کے بگڑے ہوئے نظام کو سنوار کر اس کی تعمیر صالح کر دکھائیں۔

یہ دونوں چیزیں ہمیشہ سے ایسی لازم و ملزوم رہی ہیں کہ ان میں سے کسی کو کسی سے الگ کر کے نہ انسان کو کبھی دین کا صحیح فہم نصیب ہو سکا اور نہ وہ ہدایت سے بہرہ یاب ہو سکا۔ کتاب کو نبی علیہ السلام سے الگ کر دیجئے تو وہ ایک کشتی ہے۔ ناخدا کے بغیر' جسے لے کر اناڑی مسافر زندگی کے سمندر میں خواہ کتنے ہی بھٹکتے پھریں۔ منزلِ مقصود پر کبھی نہیں پہنچ سکتے اور نبی علیہ السلام کو کتاب سے الگ کر دیجئے تو پھر کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔

قرآن اور سیرت محمدی ﷺ دونوں ہی بحرِ ناپیدا کنار ہیں۔ کوئی انسان یہ چاہے کہ ان کے تمام معانی اور فوائد و برکات کا احاطہ کرے تو اس میں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ البتہ جس چیز کی کوشش کی جا سکتی ہے وہ بس یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو آدمی ان کا زیادہ سے زیادہ صحیح علم حاصل کرے اور ان کی مدد سے روح دین تک رسائی پائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے واقف ہونا ہر ایک مسلمان پر فرض ہے کیونکہ سرور کائنات ﷺ حسبِ ارشادِ الٰہی مسلمانوں کیلئے واجب التقلید نمونہ ہیں۔ اسی واسطے حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال' اخلاق و عادات' حرکات و سکنات' وضع قطع' رفتار و گفتار اور طریق معاشرت وغیرہ سب کے سب بطریق اسناد نہایت صحت کے ساتھ محفوظ ہیں تا کہ وہ قیامت تک آپ ﷺ کے نام لیواؤں کیلئے دستور العمل بنیں۔

اسی دستور العمل میں رضائے مولیٰ کریم جل شانہ اور مسلمانوں کی ترقی کا راز مضمر ہے۔

مسلمان اگر اغیار کی غلامی سے آزادی چاہتے ہیں تو وہ محسن انسانیت ﷺ کی غلامی اختیار کریں اور جمیع امور میں آپ ﷺ کے ارشادات کی تعمیل۔ آپ ﷺ کے طرز عمل کا اتباع۔ آپ ﷺ کے قوانین کی پابندی۔ آپ ﷺ کے اطوار وعادات کی پیروی اور آپ ﷺ کی ذات منبع البرکات کی انتہائی محبت اور تعظیم وتوقیر ملحوظ رکھیں۔ حضور سرورِ دو عالم ﷺ تو یہاں تک فرمارہے ہیں کہ "تم میں سے کوئی مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کی نظر میں اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں"۔ کامل وحقیقی ایمان اسی کا نام ہے جہاں تک سیرت نبوی ﷺ کے واقعات قلمبند کرنے کا تعلق ہے تو ہر سیرت نگار کی حیثیت مصنف (AUTHOR) کی نہیں مؤلف (COMPILER) کی ہوتی ہے۔ سیرت نگار کی شخصیت کے جوہر واقعات کے انتخاب وترتیب اوران کو خاص اسلوب کے ساتھ پیش کرنے میں کھلتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب "سیرت رسول ہاشمی ﷺ" جناب محمد یوسف کیفی صاحب (ایم۔اے) کے ادب وانشا، اسلوبِ نگارش، اندازِ فکر، دینی رجحان، مؤرخانہ بصیرت اور ذوق انتخاب کا نہایت حسین تعارف ہے۔

فاضل مؤلف نے سیرتِ مقدسہ کے واقعات کے انتخاب میں بڑی دیدہ ریزی اور احتیاط سے کام لیا ہے۔ انہوں نے امکان بھر کوشش کی ہے کہ جو واقعہ بھی ان کی کتاب میں درج ہو وہ ہر طرح کے معیار پر پورا اترتا ہو۔

بندہ نے کتاب مستطاب "سیرت رسول ہاشمی ﷺ" مؤلفہ محمد یوسف کیفی کو نہایت شوق ومحبت سے دیکھا اور اس کے مطالعہ سے محظوظ ومسرور ہوا۔ حق تعالیٰ اپنے فضل ولطف سے مؤلف سلمہ کو جزائے خیر دارین عطا فرمائے۔ اس سے پہلے مؤلف کی دو کتابیں (خصوصی طور پر) "تذکرہ نقشبندیہ مجددیہ مجیدیہ" اور "عبرتناک قرآنی قصے" قارئین سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول اور بندگانِ خدا کو اس سے نفع پہنچائے اور ان کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے اور ان کی یہ حسین کاوش ان کیلئے آخرت میں ذریعہ نجات ثابت ہو۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔

دعا گو

سید محمد شجاعت رسول شاہ قادری

لاہور، پاکستان۔

سیرت رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆ جزیرۃ العرب:-

وہ سرزمین، جس میں محسنِ انسانیت، رحمت عالم، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، عرب کہلاتی ہے۔ اسے اسلام کا گہوارہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما اور سب سے زیادہ خشک خطہ ہے۔

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا
جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانہ سے پیوند جس کا جُدا تھا
نہ کشورستاں تھا نہ کشور کشا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایا
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

(مسدس حالی)

☆ وجہ تسمیہ:-

عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف آراء ہیں۔ ایک رائے ہے کہ عرب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں اور چونکہ اہل عرب کی زبان آوری اور فصاحت و بلاغت ایک مسلمہ حقیقت تھی اور خود انہیں اپنی اس زبان دانی پر اس قدر ناز تھا کہ وہ اپنی زبان آوری کے سامنے

تمام دنیا کو ہیچ تصور کرتے تھے چنانچہ اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو "عرب" (زبان آور) اور دنیا کی دیگر اقوام کو "عجم" (گونگا) کہہ کر پکارا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ عرب اصل میں "عربہ" تھا جس کے معنی دشت اور صحرا کے ہیں اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت وصحرا پر مشتمل ہے اس لئے تمام ملک کو عرب کہنے لگے۔

(سیرۃ النبی ﷺ۔شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص-104)

☆ عربوں کی اقسام:-

عرب کے تمام باشندے "سامی الاصل" ہیں یعنی وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے "سام" کی اولاد میں سے ہیں۔ جنہیں عام طور پر تین طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1-عرب بائدہ 2-عرب عاربہ یا بنی قحطان اور 3-عرب مستعربہ یا بنی عدنان

1- عرب بائدہ: عرب بائدہ سے مراد عرب کے وہ قدیم ترین باشندے ہیں جو دور تاریخ سے بھی قبل اس ملک میں آباد تھے۔ جو امتداد زمانہ سے تباہ ہو گئے۔ ان کے متعدد قبیلے تھے جن میں سے "عاد"، ثمود، عمالیق، امیم، طسم، جدیس، اور جرہم وغیرہ آج بھی مشہور ہیں، عاد اور ثمود کا ذکر قرآن حکیم میں بھی ملتا ہے۔

2- عرب عاربہ یا بنی قحطان: یہ لوگ عرب کے اصلی اور ٹھیٹھ باشندے ہیں جو یمن کے گردو نواح میں آباد تھے۔ ان کا دوسرا نام "قحطان" ہے سام بن نوح علیہ السلام کے ایک فرزند کا نام قحطان تھا اور یہ قبیلہ اُس کی اولاد سے تھا۔ ان کے مشہور قبیلے "حمیر"، کہلان اور اُزد تھے۔

3- عرب مستعربہ یا بنی عدنان: یہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ عدنان حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی چالیسویں پشت سے تھا۔ عدنان کا اصلی وطن مکہ تھا۔ قبیلہ قریش اس نسل کی ایک شاخ تھا۔ جس میں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

☆ عربی زبان:-

چونکہ اہل عرب حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد سے ہیں اس لئے ان کی زبان بھی سامی تھی۔ بعد میں یہ لوگ عرب اور گردونواح کے مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر رہنے

لگے۔ اس لئے ان کی زبان میں بھی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ چنانچہ نبی عابر کی زبان ''عبرانی'' کہلائی۔ ملک شام نے جس کو سوریا (SYRIA) بھی کہتے ہیں، اپنی زبان ''سریانی'' کہلائی۔ اس طرح بہت سی زبانیں بن گئیں۔ خاص عرب کے رہنے والے اپنی زبان کو عربی کہتے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان ''عرانی'' تھی۔ جب وہ مکہ آئے تو وہ بھی عربی بولنے لگے۔ اسی لئے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو مستعربہ کہنے لگے۔

عرب لوگ مختلف ملکوں اور شہروں میں تجارت کے لئے جاتے اور وہاں کے نئے نئے الفاظ اپنی زبان میں شامل کر لیتے یا ہر نئی چیز کا نام بنا لیتے۔ اس طرح عربی زبان نہایت وسیع زبان بن گئی۔ شعراء کی مدد سے اسے اور بھی شہرت اور وسعت حاصل ہوئی۔ قریش کی زبان تمام قبائل سے زیادہ وسیع اور فصیح تھی۔ اہل عرب کو اپنی زبان کی بلاغت اور فصاحت پر بڑا ناز تھا، چنانچہ وہ عرب کے علاوہ تمام دنیا کے لوگوں کو اہل عجم یا عجمی (گونگا) کہتے تھے۔ عبرانی اور سریانی تو مدت ہوئی زندگی کھو بیٹھیں مگر قرآن کی زبان ابھی تک زندہ اور مقبول ہے۔ یہی عربی زبان اہل جنت کی زبان ہوگی۔

☆ مکہ معظّمہ:-

عرب کے شہروں میں مکہ معظمہ کو سب سے نمایاں اور امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ دنیا کا مقدس ترین مقام خانہ کعبہ (بیت اللہ) اسی شہر میں واقع ہے۔ بقول حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ۔

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

مکہ کا قدیم اور اصلی نام بکہ ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس مقدس شہر کا ذکر یوں فرمایا ہے: ''اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا'' (سورہ آل عمران۔ آیت 96)

ترجمہ: بے شک سب سے پہلا برکت والا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر ہوا وہ بکہ (مکہ) میں ہے۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مسلمانوں کے نزدیک بہت مقدس ہیں۔ انہیں ''الحرمین الشریفین'' کہا

98132

جاتا ہے یعنی دونہایت عزت اور حرمت والے مقام۔ یہ دونوں شہر ساری دنیائے اسلام کی آنکھوں کے تارے ہیں۔

ہے حرم اللہ کا لیکن محمد مصطفےٰ ﷺ
تاقیامت حکمِ ربی سے ہیں سردارِ حرم

یہ شہر جدہ کی بندرگاہ سے تقریباً پچاس میل مشرق کی جانب واقع ہے۔ یہ وہی قدیم مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ[1] اور اپنے ننھے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو آباد کر گئے تھے۔ بالفاظ دیگر یہ خطہ ایک بوڑھے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنا، ایک نوجوان پیغمبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہجرت گاہ اور یتیم پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ پیدائش ہے۔

خاندان قریش:۔

بنو قریش حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا وہ ''نضر کنانہ'' تھا جمہور کا قول ہے کہ قریش ایک دریائی جانور کو کہتے ہیں جو سب دریائی جانوروں سے قوی ہے اور سب اس سے ڈرتے ہیں۔ چونکہ نضر عرب کے سردار تھے اور بہت قوی تھے اس وجہ سے ان کو یہ لقب ملا۔ بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا اور اُنہی کی اولاد قریشی کہلائی۔ قریش کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ قریش ''تقرش'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی تجارت کے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ قریش ''قرش'' کی تصغیر ہے اور قرش اُس بڑی مچھلی کو کہتے ہیں جو سمندر کے دوسرے جانوروں کو کھا جاتی ہے۔ ایک دوسرے قول کے مطابق قریش کے معنی جمع کرنے والے کے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے آل جرہم کی ایک خاتون سے شادی کی اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بارہ بیٹے دیے جن میں سے ایک کا نام ''قیدار'' تھا اسی قیدار کی اولاد میں سے ''عدنان'' تھے جن کے نام پر اولادِ اسماعیل علیہ السلام کی ایک شاخ ''بنو عدنان'' کہلاتی ہے۔ اسی

[1] حضرت ہاجرہ مصر کے بادشاہ ''رقیون'' کی بیٹی تھیں۔

عدنان کے بیٹے ''معد'' کی اولاد سے ''فہر بن مالک'' تھا جس کے نام سے خاندان قریش منسوب ہے۔ قریش میں کئی خاندان تھے بعض ممتاز خاندانوں کی سرسری کیفیت یہ ہے۔

۱۔ بنوہاشم: پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی خاندان سے ہیں۔

۲۔ بنو تیم: قصی کے چچا کی اولاد۔ اس خاندان کے آفتاب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

۳۔ بنو عدی: قصی کے دادا مرہ کے ایک بھائی کی اولاد۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسی خاندان سے تھے۔

۴۔ بنو مخزوم: قصی کے دوسرے چچا کی اولاد۔ اسی خاندان میں سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دشمنِ اسلام ابوجہل بھی اسی خاندان سے تھا۔

۵۔ بنو زہرہ: قصی کے ایک بھائی کی اولاد۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسی خاندان سے تھے۔

۶۔ بنو اسد: قصی کے بیٹے عبدالدار کی اولاد۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

۷۔ بنو اُمیہ: قصی کے ایک پوتے کی اولاد۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسی خاندان سے تھے۔

☆ تولیتِ کعبہ:۔

صدیوں تک کعبہ کی تولیت اور حجاز کی حاکمیت آل اسماعیل کے حلقہء اقتدار میں رہی۔ اہل بابل کے حملہ حجاز کے سبب آل اسماعیل کے اقتدار کا شیرازہ بکھر گیا اور ایک طاقتور دشمن قبیلہ بنی خزاعہ مکہ پر قابض ہو گیا اور مکہ کا متولی بن گیا۔ اس وقت کعبہ دُنیائے عرب کی سب سے اہم زیارت گاہ اور سب سے بڑا رُوحانی مرکز بن چکا تھا۔ تیسری صدی عیسوی میں قبیلہ قریش نے رفتہ رفتہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت اور طاقت گم گشتہ کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ پانچویں صدی عیسوی میں قبیلہ قریش کے ایک غیر معمولی بہادر اور جری سردار قُصی بن کلاب نے جو فہر بن مالک کی ساتویں پشت سے تھا، اپنا خاندانی حق یعنی کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حاکمیت بنی خزاعہ

سے چھین لی۔

قیامت تک بنا ہے تو ہمارا قبلہ و کعبہ

تجھے چومیں گے ہم سارے ہزاروں بار بیت اللہ

☆ قُصی بن کلاب: قُصی ایک مدبر، منتظم اور دُوراندیش شخص تھا۔ اُس کے باپ کا نام کلابؔ اور اس کی ماں کا نام فاطمہ تھا۔ جو سعد بن باسل یمنی کی بیٹی تھی۔ قُصی نے بنوخزاعہ کے سردار حُلیل بن حبشیہ بن سلُول جو بیت اللہ کا متولی تھا، کی بیٹی حُبیٰ سے شادی کی۔ جس کے نتیجے میں قُصی کے ہاں چار بیٹے عبدُ الدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ اور عبد قُصی پیدا ہوئے۔ اس تعلق سے حُلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قُصی کے سپرد کی جائے۔ اس طرح یہ منصب قُصی کو حاصل ہوا اور اس سے بار دیگر خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت خاندان قریش کے ہاتھ میں آ گئی۔

مؤرخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ قُصی پورے شہر (مکہ) کا ایک واقعی مطلق العنان اور بااقتدار بادشاہ تھا جس کا ہر لفظ قانون کا حکم رکھتا تھا۔ جب قُصی بوڑھا اور کمزور ہو گیا تو اُس نے اپنی تمام ذمہ داریوں کو اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کے سپرد کر دیا۔ عبدالدار کے مقابلے میں اُس کے بھائی عبدمناف نے اپنے باپ کی زندگی ہی میں شرف وامتیاز حاصل کر لیا تھا۔ قُصی کا فرمان اپنی قوم کے لیے ایک حکم کا درجہ رکھتا تھا جس سے کوئی شخص روگردانی کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔

☆ عبدالشمس:-

قُصی کی وفات کے بعد مکے کا سردار اس کا فرزند عبدمناف مقرر ہوا۔ جو اپنے باپ کا صحیح نعم البدل ثابت ہوا۔ اُس کے بعد اُس کے بیٹے عبدالشمس امارت مکہ پر فائز ہوئے۔ جس نے نہ صرف اپنے آباء کے فرائض کو بطریق احسن انجام دیا بلکہ اُن کے قوانین وطریق کار میں گرانقدر اصلاحات بھی کیں۔ اس کا چھوٹا بھائی ہاشم تھا جو بڑا صائب الرائے، زیرک اور بلند ہمت واقع ہوا تھا، عبدالشمس نے اُس کی فہم وفراست اور تنظیمی قابلیت سے متاثر ہو کر اپنے حقوق سیادت اُس کے سپرد کر کے اپنا جانشین مقرر کرنا چاہا۔ اس پر اُمیہ ابن عبدالشمس بہت

بگڑا۔ کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو امارت کا صحیح حقدار اور وارث تصور کرتا تھا۔

اُس نے ہاشم کو دعوت مبازرت دی۔ چنانچہ دونوں کے مابین مقابلہ ہوا جس میں اُمیہ کو ہزیمت اُٹھانا پڑی۔ گو بظاہر اُس نے اپنے چچا ہاشم کی اطاعت و سیادت قبول کر لی لیکن اُس کے دل میں اپنے چچا ہاشم کے خلاف نفرت و کدورت اور عداوت کا ایک ایسا جذبہ پیدا ہو گیا جو نسل در نسل اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ اور ہاشمی اُموی ایک دوسرے کو اپنا حریف سمجھتے رہے حتیٰ کہ قبولِ اسلام کے بعد بھی اسی نفرت و عداوت کے جذبے نے امویوں اور ہاشمیوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رکھا اور جن کی باہمی رنجشوں اور خونریزیوں کے واقعات سے تاریخ اسلام کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

ہاشم:۔

قصی کی وفات کے بعد اُس کا فرزند اکبر عبدالدار قریش کی مسند سرداری پر متمکن ہوا۔ لیکن وہ زیادہ قابل نہ تھا۔ اِس لیے قریش نے اس کے دوسرے بھائی عبد مناف کو سردار بنالیا۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ عبد شمس، مُطلب، ہاشم اور نوفل۔

انہیں ''سقایہ'' یعنی حاجیوں کی مہمانداری اور ''رفادہ'' یعنی نادار حاجیوں کی مالی امداد کرنے کے دو قابل عزت منصب ملے۔ چونکہ ہاشم اپنے بھائیوں میں زیادہ قابل تھے۔ اس لیے ان دو منصبوں کا سارا فرض انہی نے سنبھال لیا۔ ہاشم نے حاجیوں کی میزبانی اور پذیرائی کے فرائض کو اس خوبی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کہ سب ان کی دانشمندی اور فرض شناسی کے گن گانے لگے۔ چنانچہ ہاشم جلد ہی ایک ہر دلعزیز مہمان نواز مشہور ہو گئے۔

ہاشم کا اصلی نام عمرو تھا۔ آپ خاندان بنو ہاشم کے جد امجد اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا تھے۔ ہاشم وہ پہلا شخص ہے جس نے ایک مرتبہ قحط کے دوران غریبوں کی دل کھول کر امداد کی اور مکہ مکرمہ میں لوگوں کو ''ثرید'' کھلایا۔ چونکہ اُس نے روٹی کو توڑ کر (ہشم کر کے) چورا کر کے ثرید بنا کر کھلایا۔ اس لیے ہاشم کہلایا۔ عرب کے کسی شاعر نے کہا ہے۔[1]

---

[1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیگر عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو ثرید کو دیگر کھانوں پر ہے۔ (الحدیث) روٹی کے ٹکڑے توڑ کر اور شوربے میں بھگو کر ثرید بناتے ہیں عربوں میں آج کل بھی ثرید بہت مقبول۔ (کیفی)

عُمرو الذی ھَشَم الثرید لِقومہٖ

قومٍ بمکتہ مسنتین عجاف

ترجمہ:(عُمرو (ہاشم) ہی وہ شخص ہے جس نے روٹی چورا کر کے ثرید اپنی اُس قوم کو کھلایا جو مکہ میں قحط زدہ اور دبلی پتلی ہو گئی تھی)۔

آپ نے قبیلہ عدی بن نجار کے سردار عمر خزرجی کی بیٹی ''سلمٰی'' سے شادی کی۔ سفر تجارت کے دوران آپ کا غزہ (فلسطین) کے مقام پر انتقال ہوا۔ آپ کی عمر مبارک بیس 20 یا پچیس 25 برس کی تھی۔ یعنی عین شباب کا زمانہ تھا۔ اُدھر مدینہ میں سلمٰی کے بطن سے ہاشم کے بعد لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ''شیبہ'' رکھا گیا۔ اس ہونہار یتیم بچے نے اپنے ننھیال کے یہاں پرورش پائی۔

☆ مُطلب:۔

ہاشم کی وفات کے بعد اُس کا بھائی مطلب بن عبدالمناف قریش کی سیادت پر متمکن ہوا۔ سات سال بعد جب سردار مکہ مطلب کو ایک حارثی مسافر کی زبانی اپنے متوفی بھائی کے بیٹے شیبہ بن ہاشم کا حال معلوم ہوا۔ جسے اُس مسافر نے چند لڑکوں کے ساتھ تیراندازی کرتے دیکھا تھا۔ جو اپنے تیر نشانہ پر پڑنے سے خوش ہو کر فخریہ باآواز بلند کہتا ''میں ہاشم کا لڑکا ہوں میں سردار مکہ کا بیٹا ہوں'' تو مطلب اپنے بھتیجے شیبہ کو مدینہ سے مکہ لے آئے۔ مکہ میں جب قریش نے شیبہ کو دیکھا تو وہ پکار اُٹھے یہ تو کوئی غلام ہے۔ جسے مطلب نے خریدا ہے۔ چنانچہ اُس دن سے شیبہ کا نام ''عبدالمُطلب'' پڑ گیا۔ یہی عبدالمُطلب بن ہاشم ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔

☆ عبدالمُطلب

عبدالمُطلب اپنے چچا کی وفات کے بعد مکہ کی تولیت کے منصب پر فائز ہوئے۔ دانش مندی اور قابلیت میں اپنے سارے خاندان میں ممتاز و منفرد شخصیت کے حامل تھے۔ عبدالمُطلب کی زندگی کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم ایک مدت سے اَٹا پڑا تھا اور بے نشان ہو کر لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہو چکا تھا، اُنہوں نے اس کا پتہ لگایا اور کھدوا کر نئے سرے سے

جاری کرایا۔ اس اقدام سے عبدالمُطلب کی عزت و نیک نامی میں بہت اضافہ ہوا۔

عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے۔ (بعض علماء نے یہ تعداد تیرہ بھی لکھی ہے)

۱-عبداللہ ۲-ابوطالب ۳-عباس ۴-حمزہ ۵-غیداق ۶-ابولہب ۷-حارث ۸-مقوم ۹-زبیر ۱۰-قشم ۱۱-ضرار ۱۲-عبدالکعبہ ایک بار عبدالمطلب نے منت مانی کہ ''اگر میرے دس ۱۰ لڑکے ہوئے اور دسوں حد بلوغ تک پہنچ کر میرے قوت بازو بنے تو ان میں سے ایک بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کروں گا'' خدا نے ان کی آرزو بھی پوری کر دی تو اُنہوں نے حرم میں جا کر بیٹوں پر قرعہ ڈالا۔ قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا جو عبدالمطلب کے سب سے پیارے بیٹے تھے۔ تاہم وہ اُنہیں قربانی کے لیے لے چلے تو قریش کے سرداروں نے اُنہیں عبداللہ کی قربانی سے روکا۔ مغیرہ بن عبداللہ مخزومی نے اس بارے میں عرّافہ کاہنہ (یثرب کی ایک مشہور کاہنہ) سے مشورے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ عبدالمطلب ''عرافہ'' سے خیبر کے مقام پر ملے جس نے یہ تدبیر بتائی کہ عبداللہ کو دس ۱۰ اونٹوں کے مقابلے پر رکھو اور قرعہ ڈالو، اگر قرعہ اونٹوں پر نکلے تو فبہا، ورنہ اُونٹوں کی تعداد میں دس دس کا اضافہ کرتے جاؤ، یہاں تک کہ قرعہ اونٹوں پر نکل آئے۔ تب اونٹوں کو ذبح کر ڈالو۔ یہ عبداللہ کا فدیہ ہوگا اور تمہاری قربانی کی منت پوری ہو جائے گی۔ (کاہنہ کا نام بعض نے قطبہ اور بعض نے سجاح بھی لکھا ہے)

چنانچہ عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا۔ اور جب اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی تو قرعہ اونٹوں پر نکلا اور عبدالمطلب نے سو اونٹ ذبح کر دیئے۔ (ابن اثیر) اس قصہ کی وجہ سے احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو ''ابن الذبیحین''۔ (دو ذبیحوں کا بیٹا) کہا جاتا ہے کیونکہ ایک ذبیح اللہ آپ ﷺ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں اور دوسرے آپ ﷺ کے جدامجد حضرت اسماعیل ذبیح اللہ بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام ہیں۔

(البدایہ والنہایہ' طبری' تاریخ اسلام از مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی ص: ۲۳' تفسیر کشاف سورۃ الصٰفٰت)

عبدالمطلب کے عہد کا دوسرا واقعہ یمن کے حاکم ابرہہ کا مکہ مکرمہ پر حملہ ہے۔ قرآن مجید نے سورہ الفیل میں اس تاریخی واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جس سال یہ واقعہ پیش آیا، تاریخ میں اسے ''عام الفیل'' کہتے ہیں۔

عبدالمطلب نے مکہ کو ہر طرح کی بدامنی سے پاک کیا اور بیاسی 82 برس کی عمر میں وفات پائی اور "حجون" میں مدفون ہوئے۔ اس وقت سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال کی تھی۔

☆ عبداللہ:-

حضرت عبدالمطلب کو اپنے بیٹے عبداللہ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ قربانی سے بچ جانے کے بعد جناب عبداللہ پچیس برس کے ہوئے تو حضرت عبدالمطلب نے بنوزہرہ کے ایک معزز رئیس وہب بن عبدالمناف کی صاحبزادی "آمنہ رضی اللہ عنہا" سے عبداللہ کی شادی کر دی۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ان دنوں قریش کی عورتوں میں نسب اور رتبے کے لحاظ سے افضل تھیں۔

جناب عبداللہ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ شادی سے چند ماہ بعد تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے کہ بیمار ہو گئے اور یثرب (مدینہ منورہ) میں اپنے والد کے ننھیال کے ہاں ٹھہر گئے اور وہیں مدینہ میں وفات پا گئے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ یثرب میں وہ کھجوریں خریدنے کے لیے گئے تھے۔ اس طرح حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا شادی۔ سے چند ماہ بعد بیوہ ہو گئیں۔ وفات کے وقت جناب عبداللہ کی عمر پچیس 25 سال تھی۔ آپ پیغمبر اسلام محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے والد ماجد تھے۔

عبداللہ نے جو ترکہ چھوڑا، وہ پانچ اونٹ، چند بکریوں اور ایک خادمہ ام ایمن رضی اللہ عنہا پر مشتمل تھا۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا کا اصل نام برکت تھا۔ بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا یہ سامان لے کر عبدالمطلب کے گھر آ گئیں۔ یہ سب چیزیں رسول اکرم ﷺ کو ترکہ میں ملیں۔

(طبقات ابن سعد ج اول ص:۶۲)

☆ عظیم اسلامی انقلاب کے لیے موزوں قوم:-

شاہ معین الدین احمد ندوی اپنی کتاب "تاریخ اسلام" میں رقمطراز ہیں:-

"ظہور اسلام کے زمانہ میں ایران و روم اور فرنگ کے خطے تعلیم و تہذیب، دولت و ثروت اور دوسرے تمدنی اثرات سے بالکل مسخ ہو چکے تھے۔ ان میں صدائے حق کو سننے کی صلاحیت باقی نہ تھی۔ عرب کا خطہ اب تک ان تمام تمدنی اثرات سے

بالکل محفوظ اور فطری سادگی پر قائم تھا۔ عرب کتابی تعلیم سے ناآشنا اور تمدنی اثرات سے پاک تھے اور ہر طرح کی برائیوں کے باوجود ان میں آزادی، حریت، حق گوئی، جرأت و بے باکی، شجاعت اور بہادری کے بدویانہ اخلاق موجود تھے، اس لیے متمدن اقوام کے مقابلہ میں ان میں قبول حق کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی۔ اس لیے امانت الٰہی کا بار اٹھانے اور مخلوق کی رہنمائی کے لیے اسی سادہ مگر پر جوش قوم کا انتخاب ہوا۔ اور دنیا کے موحد اعظم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو یہ منصب جلیل عطا ہوا۔

ضمیر زمیں سے لب آسماں تک محمدؐ محمدؐ
ادھر سے اُدھر تک یہاں سے وہاں تک محمدؐ محمدؐ

ہو اربابِ صحرا کہ ناہید و زہرہ سبھی یک زباں
دیارِ عرب سے دمِ کہکشاں تک محمدؐ محمدؐ

یہی ذکرِ پیہم' یہی نام ہر دم' یہی اک وظیفہ
منارِ تخیل سے اقصائے جاں تک محمدؐ محمدؐ

ازل تا ابد روح و دل کی فضا میں ادھر بھی یہ چرچا
اُدھر قبر سے حشر کے امتحاں تک محمدؐ محمدؐ

بہ توفیقِ رحمٰن' بہ تعمیل قرآں' بہ تائیدِ عرفاں
شب و روز ہستی سے اگلے جہاں تک محمدؐ محمدؐ

برکاتِ نورِ محمدی ﷺ

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے بلاواسطہ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کا نور پیدا کیا۔ پھر اسی نور کو خلق عالم کا واسطہ ٹھہرایا۔ (مصنف عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ روایت حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ) اور عالم ارواح ہی میں اس روحِ سراپا نور کو وصف نبوت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ آپ ﷺ کی نبوت کب ثابت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ '' (یعنی میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام کی روح نے جسم سے تعلق نہ پکڑا تھا)۔

(ترمذی شریف)

بعدازاں اسی عالم میں اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی روحوں سے وہ عہد لیا۔ جو سورہ آل عمران کی آیت 81 میں مذکور ہے۔ جس وقت ان پیغمبروں کی روحوں نے عہد مذکور کے مطابق حضور اکرم ﷺ کی نبوت وامداد کا اقرار کرلیا۔ تو نورِ محمدی ﷺ کے فیضان سے ان روحوں میں قابلیتیں پیدا ہوگئیں کہ دنیا میں اپنے اپنے وقت میں ان کو منصب نبوت عطا ہوا اور ان سے معجزات ظہور میں آئے۔ (نورِ محمدی ﷺ کی برکات کی تفصیل سیرت رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔)

☆ حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت تابعی کوفی رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی مدح میں یوں فرماتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ ''آپ ﷺ کی وہ مقدس ذات ہے کہ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو ہرگز کوئی آدمی پیدا نہ ہوتا۔ اور نہ کوئی مخلوق پیدا ہوتی اگر آپ ﷺ نہ ہوتے۔ آپ

ﷺ وہ ہیں کہ آپ ﷺ کے نور سے چاند کی روشنی ہے اور سورج آپ ﷺ ہی کے نورزیبا سے چمک رہا ہے۔ آپ ﷺ وہ ہیں کہ جب آدم علیہ السلام نے لغزش کے سبب سے آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑا تو وہ کامیاب ہو گئے حالانکہ آپ ﷺ کے باپ ہیں۔ آپ ﷺ ہی کے وسیلہ سے خلیل علیہ السلام نے دعا مانگی۔ تو آپ ﷺ کے روشن نور سے آگ ان پر ٹھنڈی ہوگئی اور بجھ گئی۔ اور ایوب علیہ السلام نے اپنی مصیبت میں آپ ﷺ ہی کو پکارا۔ تو اس پکار نے پر ان کی مصیبت دور ہوگئی۔ اور مسیح علیہ السلام آپ ﷺ ہی کی بشارت اور آپ ہی کی صفات حسنہ کی خبر دیتے اور آپ ﷺ کی بزرگی کی مدح کرتے ہوئے آئے۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑنے والے اور قیامت میں آپ ﷺ کے سبزہ زار میں پناہ لینے والے رہے اور انبیاء اور مخلوقات میں سے ہر مخلوق اور پیغمبر اور فرشتے آپ ﷺ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔''

(مجموعہ قصائد ص:۴۰، بحوالہ سیرت رسول عربی ﷺ ص:۱۳۰)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:۔

''میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے حضور (اس وقت) سے خاتم النبیین قرار پا چکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی خاکی تشکیل کے مرحلے میں تھے۔''

(مسند احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، دلائل النبوۃ للبیہقی، مستدرک الحاکم)

امام حاکم اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''اس حدیث کی تمام اسناد صحیح ہیں۔''

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم وجود عنصری پانے سے بھی پہلے نبی تھے۔''

(العرف الشذی علی جامع ترمذی)

ایک اور حدیث میں آنحضور ﷺ فرماتے ہیں:۔

''میں خلقت کے اعتبار سے تمام انبیاء سے پہلا نبی ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری نبی ہوں۔'' (دلائل النبوۃ:۱۴)

☆ خاندانی شرافت:۔

سرورِ کائنات محسنِ انسانیت ﷺ نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ''کنانہ'' کو برگزیدہ بنایا۔اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ بنایا۔'' (مسلم شریف)

اسی طرح ترمذی شریف میں بہ سندِ حسن آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو مجھ کو ان کے سب سے اچھے گروہ میں بنایا۔ پھر قبیلوں کو چنا۔تو مجھ کو سب سے اچھے قبیلہ میں بنایا۔ پھر گھروں کو چنا۔تو مجھے ان کے سب سے اچھے گھر میں بنایا۔ پس میں روح و ذات اور اصل کے لحاظ سے ان سب سے اچھا ہوں۔ (جامع الترمذی، ابواب المناقب، ۲:۲۰۱)

☆ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

لَمْ یَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ ﷺ

اَبَدًا وَّ عِلْمِیْ اَنَّهٗ لَا یَخْلُقُ

ترجمہ:۔''اللہ نے حضرت محمد (ﷺ) کی مثل کبھی پیدا نہیں کیا اور مجھے علم ہے کہ وہ آپ ﷺ کا مثل پیدا نہ کرے گا۔'' (سبحان اللہ!)

☆ سرورِ کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت:۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل، جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغِ وادئ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر،
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

مولائے کائنات، محسنِ انسانیت، فخرِ موجودات رسولِ اکرم ﷺ اپنے والد ماجد حضرت

عبداللہ کی وفات کے چند ماہ بعد (بعض روایات کے مطابق چار ماہ بعد) بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں موسم بہار میں دوشنبہ (پیر) کے روز بتاریخ ۱۲ ربیع الاول اھ عام الفیل (واقعہ اصحاب الفیل سے پچاس روز بعد) مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء یکم جیٹھ سمت ۶۲۸ بکرمی بوقت صبح صادق (طلوع آفتاب سے قبل) پیدا ہوئے۔

پھوٹا جو سینۂ شب تارِ الست سے
اس نورِ اولین کا اجالا تمہی تو ہو

عبدالمطلب کے سارے گھرانے میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس وقت کسے معلوم تھا کہ یہی در یتیم عالم مخلوقات کی جلیل ترین ہستی اور دنیائے انسانیت کا محسن اور رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْنَ ہوگا۔ عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر حد درجہ مسرور وشادمان ہوئے۔

☆ (معروف سیرت نگار علامہ محمد رضا مصری مصنف ''محمد رسول اللہ'' اور محمد صادق ابراہیم عرجون مصنف ''محمد رسول اللہ'' کی تحقیق کے مطابق سن عیسوی کے حساب سے ۲۰ اگست ۵۷۰ء بنتی ہے۔ مولانا غلام رسول مہر نے ۲۰ اپریل ۵۷۱ء لکھی ہے۔ علم الہیئت کے ماہر محمود پاشا فلکی مصری اور بعض دیگر متاخرین کی تحقیق ۹ ربیع الاول کے حق میں بھی ہے مگر عالم اسلام میں قدیم زمانے سے اجماع ۱۲ ربیع الاول پر ہی چلا آ رہا ہے۔ اس لیے قول مختار کا درجہ اسی کو حاصل ہے۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی پورے عرب میں فوری دھوم اور شہرت کی ایک ظاہری وجہ یہ بھی تھی کہ اس سال اہل عرب اور قریش تاریخ کے سخت ترین قحط اور افلاس میں مبتلا تھے، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ساتھ ہی ملک کی تقدیر بدل گئی، تمام سختیاں اور کلفتیں دور ہوگئیں، ویران زمینوں پر بہار آ گئی، ہر طرف سبزہ لہلہانے لگا اور اناج سے کھیت کھلیان بھر گئے۔

ترجمہ:- ''اس لیے اس سال کا نام ہی ''فتح و مسرت'' کا سال پڑ گیا۔ کیونکہ اس سے پہلے بنو قریش ہوش اڑا دینے والے قحط اور تنگی کا شکار تھے۔ پھر زمین سرسبزہ ہوگئی، درخت برگ و بار سے لد گئے اور ہر طرف سے آسودگی اور خوشحالی کی نوید

آنے لگی۔" (سیرت حلبیہ جلد اول ص:۴۸)

سلام اے آمنہ رضی اللہ عنہا کے لال اے محبوبِ سبحانی

سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی

ترے آنے سے رونق آ گئی گلزارِ ہستی میں

شریکِ حال قسمت ہوگیا پھر فضلِ ربانی

مشہور عرب شاعر شقرا الطلیسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

ترجمہ:۔"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے نور سے سب عالم جگمگا اٹھے اور ہاتفِ غیبی کی طرف سے مشرق و مغرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری پھیل گئی......اور بت اوندھے منہ زمین پر گر پڑے اور شہاب ثاقب کے ذریعے شیاطین کو مارا جانے لگا۔" (مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا ص:۱۲)

☆ ولادت سے پہلے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کا ظہور:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بطن میں بصورت حمل مستقر ہوئے تو انہیں خواب میں بشارت دی گئی کہ وہ بچہ جو تمہارے حمل میں ہے اس امت کا سردار ہے۔ جب وہ پیدا ہوں تو تم یوں دعا کرنا۔ان کو ایک خدا کی پناہ میں دیتی ہوں۔ ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھنا۔ (سیرت ابن ہشام)

اسی طرح حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا خود اپنا مشاہدہ بیان فرماتی ہیں:۔

ترجمہ:۔"ولادت کے وقت میں نے محسوس کیا کہ ایک نور مجھ سے خارج ہوا ہے جس کی روشنی میں شام کے محلات بھی نظر آنے لگے بوقت ولادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل پاک صاف تھے۔" (طبقات ابن سعد جلد اول ص:۱۰۲)

اور فرماتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کو کوئی حمل نہیں دیکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سہل اور سبک ہو یعنی ایام حمل میں جو متلی یا سستی وغیرہ عموماً عورتوں کو رہتی ہے وہ کچھ مجھے پیش نہیں آئی۔

(الخصائص الکبریٰ جلد اول ص:۴۶)

قارئینِ محتشم! جب آفتاب نبوت کا طلوع ہوا تو اطرافِ عالم میں بہت سے ایسے واقعات

ظاہر کئے گئے جو آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر دیتے تھے۔ جن کو محدثین ومورخین کی اصطلاح میں "ارہاصات" (واحد ارہاص) کہا جاتا ہے۔ ان کی فہرست طویل ہے۔ اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔ تفصیل کے لیے امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کی الخصائص الکبریٰ، السیرۃ الحلبیہ، طبقات ابن سعد اور زرقانی علی المواہب ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔

عرب کے واسطے رحمت، عجم کے واسطے رحمت
وہ آیا، لیکن آیا رحمت للعالمین ہو کر

(ظفر علی خان مرحوم)

☆ محمد ﷺ اور احمد ﷺ......رحمت عالم ﷺ کے دو ذاتی نام:۔

رحمت عالم ﷺ کے صفاتی نام تو بے شمار ہیں مگر آپ ﷺ کے ذاتی نام صرف دو۲ ہیں۔ محمد ﷺ اور احمد ﷺ۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو جس غیبی ہستی نے حمل کے وقت یہ خوشخبری سنائی تھی کہ "آپ رضی اللہ عنہا سید الانامؑ کے ساتھ حاملہ ہوگئی ہیں۔" وہی ہستی ایک بار پھر نمودار ہوئی اور یہ ہدایت دی۔ جب اس بچے کی ولادت ہو تو آپ رضی اللہ عنہا یوں کہیے:۔

ترجمہ:۔"میں اسے ہر حاسد کے شر سے خدائے وحدہ لاشریک کی پناہ میں دیتی ہوں......پھر اس کا نام محمد ﷺ رکھیے۔"

(سیرت ابن ہشام جلد اول، ص:۱۰۵)

(طبقات ابن سعد ج ا ص:۶۰، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص:۲۶۳)

☆ وجہ تسمیہ:۔

محمد ﷺ کا معنی ہے "بار بار تعریف کیا گیا" یا "بہت زیادہ تعریف کیا گیا"۔ یہ نام انتہائی دلکش اور آسان ہونے کے ساتھ ساتھ نیا اور انوکھا بھی تھا۔ کیونکہ جانِ دو عالم ﷺ کے ظہور قدسی سے پہلے عرب کی پوری تاریخ میں صرف چند آدمی اس نام کے گزرے ہیں اور ان کے ماں باپ نے بھی اپنے بیٹوں کے لیے یہ نام اس لیے پسند کیا تھا کہ انہوں نے سن رکھا تھا کہ آخری نبی کا نام محمد (ﷺ) ہوگا۔ انہوں نے اس توقع پر اپنے بیٹوں کا یہ نام رکھا کہ شاید یہ اعزاز ہماری اولاد کو حاصل ہو جائے۔ مگر صرف نام رکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ

يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (سیدالوریٰ جلد اول ص:۸۶)

خاندان بنی ہاشم میں تو اس نام کا سرے سے کوئی آدمی نہیں گزرا تھا۔ اس لیے غیبی ہستی نے یہ بھی بتا دیا کہ اس انوکھے نام کے انتخاب کی وجہ کیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا کہ آنے والی ہستی وہی ہے جس کا نام سابقہ الہامی کتابوں میں ''احمد صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے۔ اس ہستی کا نام توریت و انجیل میں ''احمد صلی اللہ علیہ وسلم'' اور اس نام کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تعریف میں اہل زمین و آسمان رطب اللسان ہوں گے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص:۲۹۳، السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص:۹۱)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی ہیں، جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب ہے جو سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے دنیا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ تعریف کی اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خدا کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والے تھے۔ (حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا تھا۔)

؎ زباں پہ بارے خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیے

پیدائش کے ساتویں دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے قربانی کی اور تمام قریش کو دعوت دی۔

☆ رضاعت:-

سب سے پہلے چھ سات دن تک تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی دودھ پلایا۔ اور آٹھویں دن ابولہب کی کنیز ثویبہ نے چند دن تک یہ خدمت انجام دی اس کے بعد یہ دولتِ خداداد حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو نصیب ہوئی۔

☆ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی مائیں اور آیائیں:-

۱- ثویبہ رضی اللہ عنہا، ۲- عاتکہ، ۳- خولہ بنت المنذر، ۴- ام ایمن، ۵- شیما۔

آنحضور سرور کائنات ﷺ کی رضاعی مائیں

۱-ثویبہ:-

ثویبہ کو آنحضور ﷺ کی پہلی رضاعی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا۔اس لحاظ سے یہ تینوں حضرات دیگر قریبی رشتوں کے علاوہ حضور اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی بھی ہیں۔ ثویبہ کو ۹ دن تک دودھ پلانے کا شرف حاصل رہا۔ پھر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا پہنچ گئیں اور یہ سعادت انہیں منتقل ہوگئی۔

ثویبہ کی اس خدمت ونسبت کے باعث حضور نبی اکرم ﷺ اس کی بہت دلجوئی اور خبر گیری فرماتے اور جب بھی وہ آتیں تو اسے کھانے پینے کی اشیاء کپڑے اور دیگر تحائف سے نوازتے تھے، حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی اس کا بہت احترام کرتی تھیں اور عطایا وہدایا اسے عطا فرماتی رہتی تھیں۔

۲-عاتکہ:-

قبیلہ بنوسلیم کی تین خواتین نے بھی دودھ پلانے کا اعزاز حاصل کیا، اتفاقاً ان تینوں کا نام ''عاتکہ'' تھا اس کی جمع ''عواتک'' آتی ہے اس لیے کبھی کبھار حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے ''میں بنوسلیم کی عواتک کا بیٹا ہوں۔'' (سیرت حلبیہ جلد اول،ص:۸۸)

۳-خولہ بنت المنذر:-

کچھ اور خواتین کو بھی یہ شرف حاصل ہوا، جن میں سے ایک خولہ بنت المنذر رہیں، حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا قبیلہ ''بنوسعد'' ہے اس قبیلے کی ایک عورت کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی۔

۴-ام ایمن رضی اللہ عنہا:-

دودھ پلانے کی سعادت سے شرف اندوز ہونے والی ان خوش بخت خواتین کے علاوہ جن عزت مآب خواتین کو ''آیا'' بننے اور دیکھ بھال کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ان میں

سر فہرست حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضور جان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ نے جو میراث چھوڑی تھی اس میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کا بہت خیال رکھا کرتے تھے اور ان کی شفقت و محبت کو دیکھتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے تھے۔ ''میری امی جان کے بعد تم میری امی ہو۔'' (سیرت حلبیہ ج۱،ص:۱۰۵)

بعض اہل علم نے اس ارشاد گرامی کو دیکھتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ بھی رضاعی ماؤں میں شامل تھیں مگر یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ (سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم ص:۳۶۹)

قارئین محترم! مشہور یہی ہے کہ آپ رضاعی ماں نہیں، بلکہ آیا اور خدمت گار ہیں۔

(سبل الہدیٰ والرشاد ج۱ص:۴۶)

۵-شیما:-

دوسری آیا ''شیما'' تھیں۔ یہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔ ''یہی وہ بچی ہیں جو اپنی ماں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و نگہداشت کے فرائض انجام دیا کرتی تھیں (اور قریشی بھائی کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھیں۔) (طبقات ابن سعد جلد ۱ص:۱۱۰) شیما سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں اٹھا کر ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلاتی اور گھومتی رہتی تھی۔

عرب کے دستور کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور پرورش حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا جو قبیلہ بنو سعد سے تعلق رکھتی تھیں، کے سپرد ہوئی۔ عرب میں رواج تھا کہ شہر کے رؤساء اور شرفاء اپنے بچوں کو زمانہ شیر خوارگی میں شہر سے باہر دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ وہ قبائلی بدوؤں میں پل کر جوانمردی اور فصاحت سے مزین ہو سکیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کے باعث حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا گھر خیر و برکت سے معمور ہو گیا۔ (سبحان اللہ!)

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ہر چھ ۶ ماہ کے بعد لا کر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی والدہ اور دیگر اقرباء سے ملا جایا کرتی تھیں۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا ایک بیٹا اور تین بیٹیاں تھیں۔ ان کی ایک بیٹی شیماء آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت اور آرام کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار برس تک حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں تربیت پاتے رہے۔ پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ ماجدہ کے پاس لے آئیں۔ (بعض روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ برس کی عمر تک

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا ہی کے پاس رہے۔)

اسی زمانہ میں "شق الصدر" کا واقعہ پیش آیا کہ دو فرشتوں نے حضور سرور کائنات ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے برف سے دل مبارک کو دھویا اور اس میں نور بھر کر سینہ مبارک کو سی دیا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کو بڑی محبت تھی۔ جب آپ منصب رسالت پر مبعوث ہوئے "تو حلیمہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ ملنے کے لیے آئیں۔ آپ ﷺ "میری ماں" "میری ماں" "میری ماں" "میری ماں" کہہ کر لپٹ گئے جس طرح بچپن میں لپٹا کرتے تھے۔"

(سرور عالم ﷺ از مولانا غلام رسول مہر ص:۴۹)

☆ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا اور عبدالمطلب کا انتقال:۔

آپ ﷺ کی عمر چھ برس کی تھی جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو ہمراہ لے کر مدینہ تشریف لے گئیں تا کہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کر سکیں اور ساتھ ہی آپ ﷺ کو حضرت عبدالمطلب کے ننھیال سے ملا سکیں۔ تقریباً ایک ماہ کے قیام کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا واپس مکہ آ رہی تھیں کہ دوران سفر بیمار ہو گئیں۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع موضع ودّان کے قریب وفات پا گئیں۔ (بعض روایات میں اس مقام کا نام ابوا لکھا ہوا ہے) اس سفر میں آپ ﷺ کی خادمہ ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں وہ آپ ﷺ کو لے کر مکہ آئیں اور آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی نگہداشت کے فرائض سنبھال لیے۔ دادا ہر وقت آپ ﷺ کو ساتھ رکھتے۔ دو برس کے بعد وہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس وقت آپ (عبدالمطلب) کی عمر ۱۲۰ برس تھی۔ وفات سے قبل آپ ﷺ کے دادا آپ ﷺ کو حقیقی چچا حضرت ابو طالب کے سپرد کر گئے۔ ابو طالب نے آپ ﷺ کی پرورش اپنے ذمہ لے لی اور اس محبت سے پالا کہ عبداللہ بھی زندہ ہوتے تو اس سے زیادہ نہ کر سکتے۔ (ابوا اور ودّان دونوں مقامات قریب قریب ہیں)

☆ طلبِ باراں:۔

سرور کائنات ﷺ کے صدقے بارہا بارانِ رحمت نازل ہوئی۔ ایک دفعہ عبدالمطلب نے آپ ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے دعا کی تو بارش کا نزول ہوا اور چشم زدن میں جل تھل ہو گیا۔ اسی

طرح ایک دفعہ ابو طالب نے حضور اکرم ﷺ کو ساتھ لے کر بارش کے لیے دعا کی تھی، جو حضور سرور کائنات ﷺ کی برکت سے فوراً قبول ہوئی تھی۔ ابو طالب اپنے اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں:۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

ترجمہ:۔ ''اور گورے رنگ والے جن کے چہرے کے وسیلہ سے نزول باراں طلب کیا جاتا ہے اور جو یتیموں کے ملجاو ماویٰ اور بیواؤں کے محافظ و نگہبان ہیں۔''

(ابن عساکر، تاریخ الخمیس، جلد اول، ص:۲۰۳، السیرۃ الحلبیہ جلد اول، ص:۱۲۹)

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

☆ عہد جوانی:۔

جب آپ ﷺ جوان ہوئے تو چچا کے ساتھ تجارت کے سلسلے میں (عالم شباب میں) سفر کئے۔ طبیعت کی نیکی و پاکیزگی اور حسن اخلاق کا رنگ شروع ہی سے نرالا تھا۔ اگرچہ سارا وقت ان لوگوں میں گزرتا تھا جو سر سے پاؤں تک برائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی زبان پر کبھی نامناسب بات نہ آئی۔ ہر ایک سے محبت کرتے، ہر ایک سے نرمی اور ملائمت سے پیش آتے۔

ایمانداری اور راست بازی کا یہ عالم تھا کہ مکے والوں نے آپ ﷺ کو الامین (ایماندار) اور الصادق (سچا) کے لقب دے دیئے تھے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کا طرز عمل کتنا بلند پاک اور دلوں میں گھر کر جانے والا تھا۔

فطرت کا شاہکار ہے میرے نبی ﷺ کی ذات
ممکن نہیں ہے آپ ﷺ کی کوئی مثال بھی!

☆ حربِ فجار (فجار کی لڑائی):

سرور کائنات ﷺ کی عمر مبارک پندرہ سال کی تھی کہ ۵۸۶ء سن عیسوی کے قریب قریش

اور قبیلہ قیس میں جنگ چھڑ گئی۔ آل ہاشم کے علمبردار زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ آپ ﷺ نے بھی اس لڑائی میں شرکت فرمائی۔ تھی۔ چونکہ یہ لڑائی ان مہینوں (ذیقعد، ذوالحجہ، محرم اور رجب) میں ہوئی۔ جنہیں عرب حرمت والے مہینے کہتے ہیں اور جن میں لڑنا ناجائز تھا اس وجہ سے اس لڑائی کو ''حرب الفجار'' کہتے ہیں۔ چونکہ قریش حق پر تھے۔ اس لیے خاندان والوں کے ساتھ آپ ﷺ بھی اس لڑائی میں شامل ہوئے لیکن قتال میں کوئی حصہ نہ لیا۔ اپنے چچاؤں کو صرف تیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہے۔ (بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بھی تیر پھینکے تھے) بالآخر صلح پر اس لڑائی کا خاتمہ ہوگیا۔ اس لڑائی میں قریش کا رئیس اور سپہ سالار حرب بن امیہ تھا جو ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا باپ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دادا تھا۔ (سیرۃ النبویہ ﷺ، ابن ہشام جلد اول، ص: ۲۸۶)

☆ حلف الفضول میں شرکت :-

جنگوں میں ہونے والے نقصانات نے اہل عرب کی آنکھیں کھول دیں۔ وہ ظلم و ستم کے انسداد اور امن و امان کے قیام کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ اس معاہدہ کو ''حلف الفضول'' اس لیے کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ اس معاہدہ کے مشابہ تھا جو قدیم زمانہ میں بنی جرہم کے وقت میں مکہ میں ہوا تھا کہ ہم ایک دوسرے کی حق رسانی کیا کریں گے اور قوی سے ضعیف کا اور مقیم سے مسافر کا حق لے کر دیا کریں گے چونکہ جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے ان سب کا نام فضل تھا۔ جن میں سے فضل بن حارث، فضل بن دواعہ اور فضل بن فضالہ تھے۔ اس لیے اس کو ''حلف الفضول'' سے موسوم کیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس معاہدہ قریش میں شریک تھے اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں اسے نہ توڑتا۔ اور آج بھی اگر کوئی شخص مجھے ''حلف الفضول'' کی طرف بلائے تو میں اس کے بلاوے کو قبول کر لوں۔

☆ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی :-

(۵۹۶ء) جب سرور کائنات ﷺ کی عمر مبارک پچیس ۲۵ برس کی ہوئی تو مکے کی ایک دولت مند خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو اپنی تجارت کا مختار بنا لیا۔ آپ ﷺ نے یہ کام اس خوبی سے انجام دیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تجارت میں پہلے سے دوگنا نفع ہوا۔

جب انہیں آپ ﷺ کی بلندیٔ اخلاق، ایمانداری اور سچائی کا ذاتی تجربہ ہو گیا تو خود اپنی ایک سہیلی نفیسہ کے ذریعے سے نکاح کا پیغام دے دیا۔ اس کے بعد بھی آپ ﷺ تجارت کے سلسلے میں عرب کے مختلف حصوں میں تشریف لے جاتے رہے۔

شادی کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر پچیس ۲۵ سال اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو امت کی پہلی ماں ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں پچیس ۲۵ سال تک زندہ رہیں۔ سرور کائنات ﷺ کی تمام اولاد سوائے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے، اسی نیک بیوی سے پیدا ہوئی۔ (جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ انشاء اللہ۔)

خانہ کعبہ کی تعمیر نو (۶۰۶ء):-

۶۰۶ء میں رسول پاک ﷺ کی عمر مبارک پینتیس ۳۵ برس کی تھی جبکہ مکہ میں بارش کے پانی سے سیلاب آ گیا اور کعبہ کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔ قریش نے کعبے کو نئے سرے سے تعمیر کیا اس کے ایک کونے میں سیاہ پتھر (حجر اسود) لگا ہوا تھا جو کعبے کا طواف شروع کرنے کا نشان تھا، جب اسے لگانے کا وقت آیا تو مختلف قبیلے جھگڑنے لگے۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ پتھر اس کے ہاتھ سے لگے۔ آخر سرور کائنات محسنِ انسانیت ﷺ کو ابوامیہ بن مغیرہ کی رائے سے ثالث مان لیا گیا۔ آپ ﷺ نے ایک چادر بچھائی، پتھر اس پر رکھا۔ پھر سب قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ وہ چادر کو اوپر اٹھائیں۔ جب پتھر اپنی جگہ کے برابر پہنچا تو آپ ﷺ نے اسے اٹھا کر دیوار کعبہ میں لگا دیا۔ اس طرح نہ صرف جھگڑا مٹ گیا بلکہ سارے قبیلے خوش ہو گئے۔ ”ورنہ اس وقت کے اہل عرب میں ریوڑ کے پانی پلانے، گھوڑوں کے دوڑانے، اشعار میں ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے کو اچھا بتانے جیسی ذرا سی باتوں پر ایسی جنگ ہوتی تھی کہ بیسیوں برس تک ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔“ (رحمۃ للعالمین از قاضی محمد سلیمان منصور پوری ص:۲۸)

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

☆ خلوت پسندی کا غلبہ:۔

سرورِ دو عالم ﷺ کی طبع حسین یہ چاہنے لگی تھی کہ شہری ہنگاموں، معاشرتی دھندوں اور دنیاوی بکھیروں سے بالکل الگ تھلگ ہو کر کسی کونے میں جا بیٹھیں۔ اس کے لیے آپ ﷺ "کوہ حرا" پر تشریف لے گئے۔ جب غار حرا کے دہانے پر پہنچے تو رک گئے دل نے کہا یہی منزل مقصود ہے۔ یہیں سے ہی اس "حُسنِ ازل" تک رسائی نصیب ہوگی۔ اور پھر آپ ﷺ اس غار میں آنے جانے لگے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چند روز کا کھانا تیار کر دیتیں۔ آپ ﷺ اس مقدس غار میں آ کر معتکف ہو جاتے اور کئی کئی روز تک واپس نہ جاتے۔ تفکر اور عبادت و مناجات وظیفہ حیات بن گیا۔ آپ ﷺ نے محسوس کیا جیسے غار میں دور کوئی چراغ روشن ہو گیا ہے اور اس کی روشنی ماحول کو منور کر رہی ہے۔ آپ ﷺ نے گھر آ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتایا:

"اے خدیجہ (رضی اللہ عنہا) مجھے روشنی نظر آتی ہے اور غیبی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔"

(طبقات جلد اول، ص:۹۵)

اس دوران میں آپ ﷺ کو رات کے وقت ایسے خواب بھی آنے لگے جو نہ صرف یہ کہ سچے ہوتے بلکہ آپ ﷺ نے ان میں سے بعض واقعات کا دن میں بھی مشاہدہ فرمایا۔ یہ گویا نبوت کی تمہید تھی۔

نبوت اور تبلیغ اسلام:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران: ۱۶۴)

"اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر، کہ ان میں انہی سے ایک رسول بھیجا جو کہ ان کو خدا تعالیٰ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو (کفر و شرک کی گندگی سے) پاک کرتا ہے اور کتاب الٰہی اور دانائی کی باتوں کی ان کو تعلیم دیتا ہے، ورنہ پہلے تو یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔" (آل عمران: ۱۶۴)

رسالت :-

سرور انبیاء محسنِ انسانیتؐ کی عمر مبارک چالیس سال قمری پر ایک دن اوپر ہوئی تو ۹ ربیع الاول مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء بروز پیر فرشتہ غیب ظاہر ہوا اور خوشخبری سنائی کہ خدا نے آپ ﷺ کو دنیا کی ہدایت کے لیے اپنا رسول ﷺ بنایا ہے۔ اس وقت سے ''جبل حرا'' کا نام ''جبل نور'' پڑ گیا۔ (سرور کائنات ﷺ نبوت سے پہلے غار حرا میں جو عبادت کیا کرتے تھے علماء کرام اسے ''تحنث'' کہتے ہیں۔) اسی مقام پر ۱۷ یا ۱۸ رمضان المبارک (مطابق 17 یا 18 اگست 610ء) کو جمعۃ المبارک کے دن قرآن پاک کا نزول شروع ہوا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو وضو کرا کے نماز پڑھائی۔ پہلی وحی سورۃ علق کی پہلی پانچ آیات پر مشتمل تھی۔ جو ''اِقْرَاْ بِاسْمِ...... سے مَالَمْ یَعْلَمْ تک تھیں۔ (سورۃ العلق ۱-۵)

سرور کائنات ﷺ کی زبان مبارک پر کلام الٰہی جاری ہو گیا۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ خدائے بزرگ و برتر نے آپ ﷺ کو نبوت کے عظیم منصب سے سرفراز فرمایا ہے اور آپ ﷺ کو خدا کے آخری محبوب رسول ﷺ کی حیثیت سے گمراہ اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ ہدایت پر لانے کی عظیم ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

(حالیؔ)

☆ ورقہ بن نوفل :-

فرشتہ تو خدا کا یہ پیغام دے کر غائب ہو گیا، لیکن اس غیر معمولی واقعہ نے آپ ﷺ کی حیرت میں اضافہ کر دیا۔ آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: زملونی زملونی (مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو) آنحضور ﷺ نے سارا واقعہ اپنی وفا شعار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمایا۔ جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو تمام آسمانی کتابوں کے بہت بڑے عالم تھے اور عبرانی زبان کے ماہر تھے۔ ورقہ بن نوفل نے آنحضرت ﷺ سے سارا واقعہ سن کر کہا: یہ تو

وہی ناموس اکبر (جبریل علیہ السلام) ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ (سیرۃ النبی ﷺ شبلی نعمانی رحمہ اللہ، جلد اول ص: ۲۰۳) آپ ﷺ گھبرائیے نہیں۔ آپ ﷺ اس امت کے نبی ہیں۔ لیکن آپ ﷺ پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ قوم آپ ﷺ کو شہر (مکہ) سے نکال دے گی۔ اے کاش! میں اس وقت تک زندہ وتندرست رہ سکتا تو ضرور آپ کی مدد کرتا۔

(بخاری ومسلم شریف اور البدایہ والنہایہ)

آپ ﷺ نے حیرت سے پوچھا: کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ بولا ہاں، اس دنیا میں آج تک ہر نبی جس نے آپ ایسی تعلیم پیش کی، اس سے عداوت ہی کی جاتی رہی۔ کاش میں ہجرت تک زندہ رہوں اور حضور کی نمایاں خدمت سرانجام دوں۔ اس سے آنحضور ﷺ کو ایک اطمینان سا ہو گیا۔ (صحیحین عن عائشہ رضی اللہ عنہا مشکوٰۃ ص: ۵۱۴) لیکن جناب ورقہ بن نوفل نے اس واقعہ کے چند دن بعد ہی وفات پائی۔ کیونکہ وہ نہایت ضعیف اور بصارت سے محروم ہو گئے تھے۔

☆ تبلیغ کا حکم:-

اس واقعہ کے بعد تقریباً چھ ماہ تک وحی کا نزول نہ ہوا۔ اس مدت کو ''فترۃ الوحی'' (وحی کا رک جانا) کہتے ہیں۔ ازاں بعد ایک روز آنحضرت ﷺ کو راہ چلتے فضا سے ایک ندا آئی۔ سرور انبیاء ﷺ نے نظر اوپر اٹھائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام ایک کرسی پر بیٹھے ہیں۔ آپ ﷺ پر اضطراب طاری ہو گیا۔ گھر تشریف لائے اور فرمایا: دثرونی، دثرونی (مجھے چادر اوڑھادو، مجھے چادر اوڑھادو) گھر والوں نے چادر اڑھادی تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (المدثر، پ ۲۹)

''اے چادر اوڑھنے والے! اٹھو اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ اور اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کرو اور پاکیزہ کپڑے رکھیئے اور ناپاکی سے دور رہیئے۔''

اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ پہلے پیغام میں آنحضرت ﷺ کو بعثت سے آگاہ کیا گیا تھا۔ دوسرے میں تبلیغ کا حکم تھا۔

☆ خفیہ دعوت اسلام:۔

ابتداء میں تین برس تک آپ ﷺ خفیہ خفیہ اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ یہ دعوت صرف انہیں خوش نصیبوں تک محدود تھی، جو پہلے ہی آپ ﷺ سے گہری محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ خواتین میں سے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، مردوں میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، غلاموں میں سے حضرت زید رضی اللہ عنہ جنہیں رسول پاک ﷺ نے آزاد کردیا تھا۔ نوعمروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کو سب سے پہلے حلقہ بگوش اسلام بننے کی سعادت ملی۔ اس زمانے کے باقی مسلمانوں میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت خباب رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن زید، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور حضرت ارقم رضی اللہ عنہ جن کا مکان اسلام کی پہلی درسگاہ بنا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معززین مکہ میں بڑے بااثر تھے۔ ان کی کوشش و مدد سے مندرجہ بالا حضرات حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ علاوہ ازیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عنبسہ طویل مسافت طے کرکے آئے اور دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔

☆ اہل خاندان کو آنحضور ﷺ کی دعوت اسلام:۔

کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی:

”وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔“ (سورۃ الشعرآء، آیت:۲۱۴)

ترجمہ:۔”اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو برے انجام سے ڈرائیں۔“ (الشعراء:۲۱۴)

اس حکم خداوندی کی تعمیل کے لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ خاندان والوں کو دعوت پر مدعو کرو۔ دعوت ہوئی تمام خاندانِ عبدالمطلب (بعض روایات کے مطابق چالیس افراد تھے) شریک دعوت تھا۔ کھانا کھاچکنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:”اے بنوعبدالمطلب! میں تم سب کے لیے آخرت کی بہبودی لے کر آیا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر اور افضل کوئی شے لایا ہو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی دعوت بتلاؤں۔ تم میں سے کون میرا ساتھ دے

گا؟ یہ سن کر سب کے سب چپ ہو گئے۔لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گو مجھ کو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نو عمر ہوں تاہم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دوں گا۔حاضرین نے اس بات کو اہمیت نہ دی۔مولانا شبلی نعمانی رقمطراز ہیں:۔

''قریش کے لیے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن میں ایک سترہ ۱۷ سالہ نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔لیکن آگے چل کر زمانے نے بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا۔''

(سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص:۲۱۱)

☆اعلانیہ تبلیغ:۔

تین سال تک خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض خفیہ تبلیغ سے چند آدمیوں کو دعوت حق دینا نہ تھا بلکہ سارے عالم کو اعلانیہ اسلام کی دعوت سے مشرف کرنا تھا۔اس لیے آپؐ کو حکم ہوا کہ کسی کی پرواہ کیے بغیر کھلم کھلا اعلانِ حق کریں۔ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (سورۃ الحجر، آیت ۹۴)

ترجمہ:۔''یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جس کام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا گیا ہے وہ کھلے الفاظ میں بیان کر دو۔''

اس حکم کے نازل ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے رواج کے مطابق کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو پکارنا شروع کر دیا۔جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اے قوم قریش! کیا تم مجھے سچا سمجھتے ہو۔سب نے بیک آواز کہا: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین جانتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر سن لو کہ اگر تم میری دعوت پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔'' یہ سن کر قریش مکہ بگڑ گئے اور ناراض ہو کر واپس گھروں کو چل دیئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ابولہب نے بگڑ کر کہا: تو (نعوذ باللہ) ہلاک ہو۔کیا ہمیں اسی لیے بلایا تھا۔ہمیں زحمت بھی دی اور ہمارا وقت بھی ضائع کیا۔بقول مولانا الطاف حسین حالی ؎

کہا سب نے ''قول آج تک کوئی تیرا   کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا''
کہا ''اگر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا   تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا؟

کہ فوجِ گراں پشت کوہِ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پا کر"

کہا: "تیری بات کا یاں یقیں ہے کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے"
کہا: گر مری بات یہ دل نشیں ہے تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے"

کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا

☆ قریش کا جوشِ مخالفت:-

تین برس کے بعد علانیہ دعوت شروع ہوئی تو اس کے ساتھ ہی قریش مخالفت میں آپے سے باہر ہو گئے اور مکہ معظمہ میں رسول پاک ﷺ اور مسلمانوں پر مصیبتوں اور ایذا رسانیوں کے وہ سیل اُمڈے کہ ان کی یاد تازہ ہوتے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن اس مخالفت کے باوجود اسلام پھیلتا رہا۔ اس زمانے میں زیادہ تر غلام اور غریب لوگ مسلمان ہوئے۔ قریش نے ان کو خوفناک ظلموں کا تختۂ مشق بنا دیا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بیوی کو ابوجہل نے نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ کبھی انہیں چلچلاتی دھوپ میں لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ کر دبائے رکھتے۔ وہ یہ سب کچھ برداشت کرتے لیکن زبان سے احد، احد ہی پکارتے تھے۔ ؎

منہ کے بل گر کے هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کہتے تھے

کیونکہ خدائی مستی کا نشہ ایسا نہ تھا جو جسمانی اذیتوں کی ترشی سے اتر جاتا۔ درحقیقت اللہ کی راہ میں ظلم و جور کا نشانہ بننے والوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ لیکن یہ تمام سفاکیاں اور ظلم و جور کسی ایک مسلمان کو بھی جادۂ اسلام سے نہ ہٹا سکے۔

؎ یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

ایک دفعہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں پر یہاں تک گزری کہ انہیں گڑھا کھود کر اس میں گاڑ دیا گیا اور آرے سے ان کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے لیکن یہ بات انہیں توحید پرستی سے نہ روک سکی۔ آہنی کنگھیوں سے ان کے گوشت اور پٹھے اکھیڑ دیئے گئے لیکن وہ دین پر قائم رہے۔ اس دین کو یہاں تک قبول حاصل ہوگا کہ صنعاء سے حضرموت تک لوگوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا خوف نہ ہوگا لیکن تم کو جلدی پڑی ہے۔

؎ نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(ظفر علی خان)

☆ ایک نصرانی مورخ لکھتا ہے کہ:۔

"عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خصائل نے وہ درجہ نشۂ دینی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں میں پیدا کیا، جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے جب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے، ان کا نشۂ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتداء کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے۔ برعکس اس کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچاؤ میں جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غالب کیا۔"

(بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ و سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

؎ ان صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم الناس پارے ہیں سب
آسمانِ ہدایت کے تارے ہیں سب

ہجرت حبشہ:۔

رجب ۵ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

"اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے، بعد اس کے ظلم اٹھایا البتہ ان کو ہم

ٹھکانہ دیں گے دنیا میں اچھا اور ثواب آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا۔" (سورۃ النحل، آیت ۴۱)

حجاز کے مغرب میں ملک حبشہ واقع ہے اہل حبشہ سے اہل حجاز کے تجارتی اور دوستانہ روابط عرصہ قدیم سے قائم تھے۔ اہلِ حبشہ عیسائیت کے پیروکار تھے۔ ان کا حکمران نجاشی (NEGUS) کہلاتا تھا۔ نجاشی ایک حبشی لفظ ہے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ہمعصر نجاشی شریف النفس، روادار اور ایک نیک دل عدل گستر حکمران تھا۔ اس کا اصلی نام اَصحمہ تھا۔ (بخاری باب موت النجاشی)

☆ پہلی ہجرت حبشہ:۔

جب قریش مکہ نے مسلمانوں کو بے حد ستانا شروع کیا تو آنحضور ﷺ نے نبوت کے پانچویں سال مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ اپنی جان و ایمان کے بچاؤ کے لیے حبشہ کے ملک ہجرت کر سکتے ہیں۔ اس اجازت کے بعد ماہ رجب ۵ نبوی ﷺ میں ایک چھوٹا سا قافلہ جو بارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل تھا، رات کی تاریکی میں جدہ کی بندرگاہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش کو روانہ ہو گیا۔ (زاد المعاد۔اول ص:۲۴) اس قافلے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ اس موقعہ پر سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: "حضرت لوط علیہ السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ وہ پہلا شخص ہے جنہوں نے اپنی رفیقۂ حیات کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ (ابن ہشام)

- حبشہ میں بڑی خندہ پیشانی سے ان لوگوں کو خوش آمدید کہا گیا۔

☆ دوسری ہجرت حبشہ:۔

ماہ رجب ۵ نبوی میں جو مختصر سا مسلمانوں کا گروہ ہجرت کر کے حبشہ گیا تھا۔ انہیں وہاں ہر قسم کی سہولتیں اور آرام و سکون ملا۔ اس پر ۷ نبوی میں مسلمانوں پر قریش کے مظالم کی شدت پا کر رسول اکرم ﷺ نے دوبارہ اہل ایمان کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ اس دفعہ ہجرت کرنے والوں میں تراسی ۸۳ مرد اور اٹھارہ ۱۸ عورتیں تھیں۔ ان میں نبی اکرم ﷺ کے چچیرے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب بھی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی

تھے۔ اہل مکہ کو علم ہوا تو وہ تعاقب میں دوڑے۔ چنانچہ انہوں نے سمندر تک ان کا تعاقب کیا مگر وہ کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔

جب قریش کو معلوم ہوا کہ مسلمان حبشہ میں فراغت سے زندگی بسر کر رہے ہیں تو انہیں دکھ ہوا۔ اور انہوں نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ پر مشتمل ایک وفد تحفے تحائف دے کر نجاشی کے دربار میں بھیجا۔ اس وفد نے پہلے نجاشی کے دربار کے سرکردہ پادریوں سے ملاقات کی اور قیمتی تحائف پیش کر کے انہیں اپنا ہم خیال بنالیا۔ دوسرے دن یہ وفد بادشاہ کے حضور حاضر ہوا۔ بادشاہ نے انہیں عزت و احترام سے بٹھایا۔ قریشی وفد نے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہمارے حوالے کیے جائیں۔ درباریوں نے بھی تائید کی۔ نجاشی ایک عقلمند اور مردم شناس انسان تھا۔ اس نے مسلمان مہاجرین کو دربار میں طلب کیا۔ مسلمانوں نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

(حضرت جعفر کی تقریر)

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسائیوں کو ستاتے تھے، بھائی پر بھائی ظلم کرتا تھا، طاقتور لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، قرابت داروں سے تعلق توڑتے تھے۔ اس اثنا میں اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا فرمایا، جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اس نے ہم کو بتوں کی پوجا سے روکا، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، پاک دامن عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز قائم کریں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں۔ ہماری قوم ہم سے ان باتوں پر بگڑ بیٹھی ہے۔ ہم نے ان کے ہاتھوں بہت ظلم اور تکلیفیں اٹھائی ہیں اور جب مجبور ہو گئے تب تیرے ملک میں پناہ لینے کے لیے آئے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ تیری سلطنت میں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔"

بادشاہ نجاشی نے تقریر سن کر کہا مجھے قرآن سناؤ، جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

حضرت جعفر نے سورۃ مریم کی چند آیات سنائیں۔ جنہیں سن کر نجاشی رونے لگ گیا اور اس نے کہا:-

''محمد ﷺ تو وہی رسول ہیں جن کی خبر یسوع مسیح نے دی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس رسول ﷺ کا زمانہ ملا۔''

ازاں بعد بادشاہ نے قریش کے نمائندوں کو دربار سے نکلوا دیا۔ اس پر عمرو بن العاص نے دربار میں رسائی حاصل کر کے کہا: ''بادشاہ سلامت! یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اچھا نہیں سمجھتے۔ اس پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بے دھڑک جواب دیا: حضرت عیسیٰ خدا کے بندے، اس کے پیغمبر اور ''روح اللہ'' ہیں۔

نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا، تو نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ اس تنکے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں سے کہا: جاؤ، اور امن سے آباد رہو۔

علاوہ ازیں اس نے قریشی وفد کے تحائف لوٹا دیئے۔ مجبور ہو کر قریش کے نمائندے ناکام ونامراد ہو کر واپس چلے آئے۔

خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے
کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے (حالی)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام (۶ نبوی ﷺ):

حضرت حمزہ حضور سرور کائنات ﷺ کے چچا تھے۔ وہ آپ ﷺ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلے تھے۔ دونوں نے ثوبیہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا اور اس رشتے سے آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ سے بہت محبت تھی۔

ایک دن نبی کریم ﷺ کوہِ صفا پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوجہل وہاں پہنچ گیا اور حضور ﷺ سے نہ صرف گستاخانہ طور پر پیش آیا بلکہ بدزبانی بھی کی، نیز اس نے ایک پتھر بھی حضور اکرم ﷺ کے سر پر دے مارا۔ جس سے آپ ﷺ کے سر سے خون بہنے لگا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر عبداللہ بن جدعان کی باندی سے ہوئی۔ (تاریخ اسلام از مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی

ص:۸۱) تو وہ غصے سے بیتاب ہو گئے۔ اگرچہ وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے مگر قرابت کے جوش میں ابوجہل کے پاس پہنچے اور اس کے سر پر اس زور سے کمان کھینچ کر ماری کہ وہ زخمی ہو گیا اور ساتھ ہی کہا: "تم محمد (ﷺ) کو گالیاں دیتے ہو، میں نے اس کا دین قبول کر لیا ہے۔ طاقت ہے تو اٹھو۔ مجھ سے بھی لڑ لو۔" پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پاس گئے اور کہا بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: چچا! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔ ہاں، تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ حمزہ رضی اللہ عنہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ (رحمتہ للعالمین، جلد اول، ص:۵۲)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا شمار عرب کے نامور بہادر، جنگجو اور طاقتور پہلوانوں میں ہوتا تھا۔ قبول اسلام کے بعد آپ رضی اللہ عنہ اسلام کے شہ زور ثابت ہوئے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے اسلام کو بہت تقویت ملی۔

؎ جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام (۶ نبوی ﷺ):

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے تین روز بعد عمر بن خطاب مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ بڑے دلیر اور بہادر تھے۔ قریش کی طرف سے بیرونی ممالک کی سفارت کے کام پر مامور تھے۔

نبوت کے چھٹے برس چہار شنبہ (بدھ) کے روز آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ دو عمروں "عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب" یا "عمرو بن ہشام" المعروف بہ ابوجہل میں سے کسی ایک کو اسلام کی ہدایت دے۔ دوسرے روز پنجشنبہ (جمعرات) کو عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب اسلام لے آئے۔ مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن خطاب نے پینتالیس ۴۵ مردوں اور اکیس ۲۱ عورتوں کے بعد اسلام قبول کیا۔ بعض روایات کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے والوں میں چالیسواں یا اکتالیسواں نمبر تھا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ ہجرت حبشہ کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ یوں بیان کیا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ستائیسواں سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی مسلمان ہو گئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم رضی اللہ عنہ بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے۔

ایک دن (نعوذ باللہ) خود ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا۔ راستے میں نعیم رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر پوچھا کہ خیر تو ہے؟ بولے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں"۔ انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمہارے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً بہن کے گھر پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لیے۔ بہن سے پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ بولیں: کچھ نہیں۔" انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں۔ تم دونوں بے دین ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہوئے جب فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کو بچانے کے لیے آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ "عمر جو تمہارے دل میں آئے کرو ہم اسلام قبول کر چکے ہیں اور اس کو نہیں چھوڑ سکتے۔ بہن کی اس استقامت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل نرم ہو گیا اور کہا وہ کاغذ مجھے بھی دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ تم شرک کے سبب ناپاک ہو۔ غسل کرو تو وہ تمہیں دکھایا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا اور سورہ طٰہٰ کی آیات سنیں۔ تو کہنے لگے یہ تو بڑا عمدہ کلام ہے۔ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پتہ بتاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا: "کیوں عمر رضی اللہ عنہ! کس ارادے سے آئے ہو؟ نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ "ایمان لانے کے لیے۔"

حضور سرور کائنات ﷺ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایمان لا کر اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا۔ مومنین کو ان کے اسلام لانے سے بہت تقویت حاصل ہوئی۔ مسلمانوں نے کعبہ میں جا کر علانیہ نماز ادا کی۔ اس پر آنحضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو "فاروق" کا لقب عطا فرمایا یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا۔

؎ جب عمر رضی اللہ عنہ کا نعرۂ مستانہ ہوتا تھا بلند
نشہ ہو جاتا تھا روما اور ایراں کا ہرن

(مولانا ظفر علی خان)

شعب ابی طالب (۷ نبوی ﷺ) (SOCIAL BOYCOTT):

مکے کے تمام قبائل نے محرم ۷ نبوی ﷺ میں ایک معاہدہ کیا اور طے پایا کہ خاندانِ بنو ہاشم کا بائیکاٹ کیا جائے اور ان سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔

"شعب" عربی زبان میں گھاٹی کو کہتے ہیں یہ پہاڑ کے دامن میں ایک گھاٹی تھی جو بنو ہاشم کی ملکیت تھی اور حضرت ابو طالب کے نام سے معروف تھی۔ ابولہب نے مشرکین سے اتحاد کیا اور خاندان والوں کا ساتھ نہ دیا۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں زندگی بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ درختوں کے پتے اور سوکھے چمڑے ابال ابال کر کھائے جانے لگے اور بچے بھوک سے تڑپنے لگے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے اس سختی کو نہایت صبر و استقلال سے برداشت کیا۔ قریش کے چند رحمدل آدمی اس مقاطعہ کے خلاف تھے۔ آخر قریش ہی کے ایک خدا ترس شخص ہشام بن عمرو نے معاہدہ توڑنے کی تحریک چلائی۔ زعیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابو البختری اور زمعہ بن اسود کو اپنا ہم خیال بنایا۔ ایک رات مکہ سے باہر ایک پہاڑی پر جمع ہو کر فیصلہ کیا کہ کل معاہدے کے ورق کو چاک کر دیا جائے۔

☆ خدائی معجزہ:

شانِ کبریائی دیکھیں کہ اسی روز سرور کائنات ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کو بتایا کہ

دیمک معاہدہ کی تحریر کو چاٹ گئی ہے صرف اس پر اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ اس پر ابو طالب دوسرے دن حرم میں پہنچے اور آنحضور ﷺ کی پیشین گوئی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو ہم (بنو ہاشم) تا قیامت محمد ﷺ کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ ورنہ تمہارے ساتھ مل جائیں گے۔ کفار نے دیکھا تو بات درست تھی۔ اس پر ہشام اور ان کے رفقاء نے کہا: اب اس کاغذ کو بھی چاک کردو، یہ ظلم اور سنگدلی کا ایک نشان ہے ابو جہل نے مخالفت کی مگر ناکام رہا اور بچے کھچے کاغذ کے ٹکڑے اڑا دیئے گئے۔ اس طرح بنو ہاشم کا مقاطعہ ٹوٹ گیا اور وہ شہر میں واپس آ گئے۔

جب جوش میں آ جاتی ہیں مظلوم کی آہیں
بہہ جاتے ہیں تنکوں کی طرح کوہِ گراں تک

☆عام الحزن: (ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات) (۱۰ نبوی ﷺ)

۱۰ نبوی ﷺ میں نبی کریم ﷺ کے چچا ابو طالب کا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد تھے، انتقال ہو گیا۔ ابو طالب نے لڑکپن سے آنحضرت ﷺ کی تربیت کی تھی اور جب سے آپ ﷺ نے نبوت کی دعوت شروع کی تھی، وہ برابر مدد و معاون بنے ہوئے تھے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ کو ان کے مرنے کا سخت صدمہ ہوا۔

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، بخاری اور مسلم کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:-

"ابو طالب کی وفات کے وقت آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ پہلے سے وہاں موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مرتے مرتے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ میں خدا کے یہاں آپ کی شہادت دے سکوں۔ ابو جہل اور ابن ابی امیہ نے کہا: ابو طالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے۔ بالآخر ابو طالب نے کہا: میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔ پھر آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے کہا: میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کروں گا۔ جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کردے۔" (سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل ص ۲۴۲)

ابو طالب کی وفات کے جانکاہ صدمہ کو ابھی تین دن ہوئے تھے کہ آنحضور ﷺ کی غمگسار بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ اس وقت ان کی عمر پینسٹھ 65 برس کی تھی۔ انہیں مقامِ حجون میں دفن کیا گیا۔

سرور کائنات کو ان اموات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ اس سال کو "عام الحزن" (غم کا سال) فرمایا۔ اب قبیلہ بنو ہاشم کا سردار ابولہب تھا۔ جس سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس لیے دشمنانِ حق کے حوصلے بڑھ گئے۔ ان کی مخالفانہ سرگرمیاں زور پکڑ گئیں۔ آنحضور ﷺ کو زیادہ بے رحمی و بے باکی سے ستانے لگے۔ اس پر آپ ﷺ نے دل برداشتہ ہو کر کسی اور علاقے کے لوگوں میں خدا کا پیغام پہنچانے کا عزم کیا۔

یہ بی بی تھیں وہ ہمدرد یتیمی تھے محمد ﷺ کے
یہ دونوں غمگساران قدیمی تھے محمد ﷺ کے

("شاہنامہ اسلام": حفیظ جالندھری)

طائف کا سفر (شوال ۱۰ نبوی ﷺ):

طائف کا شہر مکہ سے تقریباً ساٹھ میل دور ہے۔ اس زمانے میں بھی زرخیز، شاداب اور پر رونق تھا۔ یہاں بنو ثقیف آباد تھے۔ یہ قریش سے رقیبانہ عداوت رکھتے تھے۔ تین بھائی مسعود، عبد یالیل اور حبیب طائف کے سردار تھے۔

آنحضرت ﷺ نے شوال ۱۰ نبوی ﷺ میں دل برداشتہ ہو کر طائف کا رخ کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف پہنچے اور رؤسا کے سامنے اسلام پیش کیا۔ لیکن وہاں کے امراء نے آپ ﷺ سے بہت برا سلوک کیا اور شہر کے بازاری لوگوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا تا کہ آپ ﷺ کی ہنسی اڑائیں اور گالیاں دیں۔ ان بد بخت لوگوں نے آنحضور ﷺ پر پتھر مارے اور جسم مبارک کو زخمی کر دیا۔ خون بہہ بہہ کر آپ ﷺ کی جوتیوں میں پہنچ گیا۔ آخر آپ ﷺ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ باغ کا مالک عتبہ بن ربیعہ باوجود کافر ہونے کے شریف النفس تھا۔ اس نے آپ ﷺ کو عمدہ انگور کھانے کے لیے بھیجے۔ زید رضی اللہ عنہ بن حارث نے آپ ﷺ کے زخم دھوئے اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ اس ظالم قوم کے

لیے ہلاکت کی دعا کیجیے۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''میں ان لوگوں کی تباہی کی دعا کیوں کروں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ایک خدا پر ایمان لانے والی ہوں۔'' اور ان کی ہدایت کے لیے دعا فرمائی۔ حفیظ جالندھری مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

میں ان کے حق میں کیوں قہر الٰہی کی دعا مانگوں
بشر ہیں بے خبر ہیں کیوں تباہی کی دعا مانگوں
الٰہی فضل کر کہسارِ طائف کے مکینوں پر
الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

☆ مشہور متعصب مستشرق سر ولیم میور (William Muir) نے بھی اس عظمت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:۔

''محمد ﷺ کی خود اعتمادی اور قوت ارادی کا یہ کمال ہے کہ وہ مکہ میں پیش آنے والی مسلسل ناکامیوں کے باوجود اکیلے طائف چلے گئے جو دشمنوں کا شہر تھا اور پھر وہاں جا کر تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔''

☆ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی ذات اور قوم کے لیے نہیں، بلکہ دنیائے ارضی کے لیے ابرِ رحمت تھے۔ تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں، جس نے احکامِ خداوندی کو اس عمدہ طریقہ سے انجام دیا ہو''۔ (ڈاکٹر ڈی رائٹ)

☆ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلاشک وشبہ اپنے مقصد کی سچائی پر یقین تھا۔ ان کا مشن نہ تو بے بنیاد تھا اور نہ فریب دہی اور جھوٹ پر مبنی تھا بلکہ اپنے مشن کی تعلیم وتبلیغ کرنے میں نہ کسی لالچ یا دھمکی کا اثر قبول کیا اور نہ زخموں اور تکالیف کی شدتیں ان کی راہ کی رکاوٹ بن سکیں وہ سچائی کی تبلیغ مسلسل کرتے رہے''۔ (ڈیون ریورٹ)

قارئینِ محترم! ملک الجبال (پہاڑوں کا مؤکل فرشتہ) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں فرمایا: ''آپ کو جو اللہ نے رؤف ورحیم کہا ہے تو واقعی آپ اسمِ بامسمیٰ ہیں۔

جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبیؐ

آنحضور ﷺ کی طائف سے واپسی اور جنّات کو تبلیغ

طائف والوں کے ناروا سلوک کی وجہ سے طبیعت ملول ہوگئی اور اسی حالت میں آپ ﷺ ''وادی نخلہ'' پہنچ گئے۔ یہ ایک سرسبز و شاداب اور دلکش وادی تھی۔ جہاں قدرتی حسن ہر طرف بکھرا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کی طبیعت یہاں پہنچ کر کچھ سنبھلی۔ دوسرا کام قدرت نے یہ کیا کہ ایک ایسی مخلوق کو ادھر بھیج دیا جو نظر نہیں آتی تھی۔ یہ جنات کی ایک جماعت تھی جو ادھر سے گزر رہی تھی۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ نماز فجر میں تلاوت قرآن پاک تلاوت فرما رہے تھے۔ وہ کلام کی شیرینی میں کھو گئے اور انہماک سے سننے اور سمجھنے کے لیے انہوں نے ایک دوسرے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ قرآن حکیم نے ان لمحات کو یوں بیان فرمایا:

ترجمہ:- ''اے ہمارے رسول ﷺ! یاد کیجئے وہ وقت جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا تاکہ قرآن سن سکیں۔ جب وہ وہاں پہنچے تو بولے: خاموش رہو اور غور سے سنو۔'' (الاحقاف- آیت ۲۹)

یہاں کے انسانوں نے اسے سننے اور قبول کرنے سے انکار کر دیا جب ایک نادیدہ مخلوق نے اسے سن کر دل و جان سے قبول کرنے کے لیے شوق کا اظہار کیا تو سرور کائنات ﷺ کی خوشی کی انتہا نہ رہی غم زائل کرنے کا حسب حال یہ ایک ہی طریقہ تھا۔ شان رحمت نے یہی طریقہ اختیار فرمایا اور قیامت تک آنے والے اہل محبت کے لیے یہ راز کھول دیا کہ محبوب اکرم ﷺ کو راضی کرنا سنت الہیہ ہے جو شخص کسی بھی طریقے اور ذریعے سے آپ ﷺ کو راضی کرے گا وہ سنت خداوندی پر عمل کرے گا۔ (سیرۃ الرسول ﷺ- ۳:۵۴۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں: ''علاقہ نصیبین کے یہ سات یا نو جن تھے جنہیں حضور سرور کائنات ﷺ نے نمائندگی عطا کی اور حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی قوم میں جا کر تبلیغ اسلام کریں۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ان جنات کے اسماء گرامی بھی ذکر کئے ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔ سامر، ماسر، منشی، ماسی، الاحقب، زوبعہ، سرق، عمرو بن جابر۔

قرآن پاک سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنات بہترین مبلغ ثابت ہوئے انہوں نے اپنی قوم میں جا کر مصطفوی انقلاب کی دھوم مچا دی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک زور پکڑ گئی اور جب یہ لوگ دوبارہ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو تین سو کے قریب تھے اور اس کے بعد تو ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز کر گئی۔ ان کے اسلوب تبلیغ کو قرآن پاک نے اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

> ترجمہ:۔ ''جنات نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب کی تلاوت سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اس کی بھی مصدق ہے اور حق و صداقت اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے قوم! اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور عذاب الیم سے بچائے گا۔ لیکن جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہیں کرے گا تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اس قماش کے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔''
>
> (الاحقاف۔ آیات ۳۰ تا ۳۲)

انسانی مبلغین جو فریضہ انجام نہیں دے سکتے تھے وہ جنات نے اپنے ذمے لے لیا اور بطریق احسن انجام دیا۔ مصطفوی انقلاب کے لیے یہ ان کا وہ اقدام تھا جسے بارگاہ نبوی ﷺ میں بھی پذیرائی نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان کے طرز عمل اور طریق کار کو خوب سراہا اور پسند کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ان کے کارناموں سے آگاہ فرمایا۔

مسلمان جنات نے کافر جنات اور شیاطین کا ہر مقام اور نازک موڑ پر پیچھا اور ہر محاذ پر

بھرپور مقابلہ کیا اور ہر جگہ انہیں شکست فاش دی اور مسلمانوں کو ایسا تحفظ فراہم کیا جو انہی کا حصہ تھا۔ اس سلسلے کی دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات اور مثالیں بعض کتابوں میں درج ہیں۔ تفصیل کے لیے ''الخصائص الکبریٰ''، ''الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ''، ''حجۃ اللہ علی العالمین'' اور ''سیرت الرسول ﷺ'' ملاحظہ فرمائیں۔ ہم صرف ایک ہی مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

''بوانہ'' ایک جگہ کا نام ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں ایک روز ہم نے اونٹنی ذبح کی تو اچانک اس کے پیٹ سے آواز گونجی:

ترجمہ:۔ ''عجیب بات سنو! فرشتوں کی باتیں سننے اور چوری کرنے کے لیے پہلے جنات آسمان کے قریب چلے جاتے تھے اور اب یہ راستہ بند کر دیا گیا ہے اور اس پر شہاب ثاقب کے پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں یہ سب کچھ اس نبی کی آمد پر کیا گیا ہے جس کا اسم گرامی ''احمد'' ہے اور ان کی ہجرت گاہ کا موجودہ نام یثرب ہے۔''

(الوفا باحوال المصطفیٰ۔۱۵۷)

☆ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا: ''ہم ملکِ شام سے ابھی ابھی آئے ہیں جب ہم وہاں ''معان'' اور ''زرقاء'' کے درمیان قیام پذیر تھے اور نیم غنودگی کے عالم میں تھے کہ اچانک ایک آواز سنی جیسے کوئی ندا دینے والا کہہ رہا ہو۔ اے سونے والو جاگو! کیونکہ مکہ مکرمہ میں حضور احمد مجتبیٰ ﷺ ظاہر ہو گئے۔'' (حجۃ اللہ علی العالمین جلد اوّل ص ۲۰۵)

ورائے قیاس و گماں بھی یقیناً ' انہیں کی تجلی
بظاہر حدود قیاس و گماں تک محمد ﷺ محمد ﷺ

(ظہوری)

معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس زمانے میں جب کہ نبوت کا بارہواں سال تھا آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا کر آسمانوں کی سیر کرائی۔ جنت اور دوزخ دکھلائے اور آپ ﷺ کو حقیقی نعمتوں سے سرفراز کیا۔ اس واقعہ کو ''معراج النبی ﷺ'' کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں پر دن بھر میں پانچ وقتوں کی نماز فرض کر دی گئی۔ معراج کی رات کے اگلے روز جب کفار نے واقعہ سنا تو یقین نہیں کرتے تھے کہ رات بھر میں ایک شخص بیت المقدس سے ہو کر آئے جو مکہ سے کم وبیش ایک ماہ کی مسافت پر تھا۔ جن لوگوں نے بیت المقدس خود دیکھا تھا وہ آنحضور ﷺ سے سوالات پوچھنے لگے۔ آپ ﷺ نے ٹھیک ٹھیک جوابات دیئے۔ راستے میں قافلے ملے جنھوں نے مکہ پہنچ کر ملاقات کی تصدیق کی۔ مگر کفار کو کیسے یقین آئے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور بتایا کہ محمد ﷺ یہ کہہ رہے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر یہ بات خدا کے رسول ﷺ نے فرمائی ہے تو خدا کی قسم! اس میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں ہو سکتا اور میں سب سے پہلے اس کی تصدیق کرتا ہوں۔'' اسی تصدیق کے صلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دربار رسالت ﷺ سے ''صدیق'' کا معزز لقب عطا کیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی ایک تدبیر سے مخالفت کا طوفان تھم گیا اور پروپیگنڈے کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔''

کفار نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ نے بیت المقدس دیکھا ہے تو اس کا نقشہ بیان کریں۔ نبی کریم ﷺ نے اس طرح نقشہ بیان کرنا شروع کر دیا جیسا کہ بیت المقدس آپ ﷺ کے سامنے ہو کفار کے علم میں تھا کہ محمد ﷺ اس سے

پہلے کبھی بیت المقدس نہیں گئے۔ اس وجہ سے ان کی زبانیں بند ہو گئیں۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ ﷺ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

معراج مصطفےٰ ﷺ کی اہمیت

تحریک اسلامی کے ایک ایسے مرحلے پر جب اہل مکہ نہ صرف ایمان لانے کو تیار نہ تھے بلکہ آپ ﷺ کو ایذا دینے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ اردگرد کے قبائل بھی اسلام کی طرف رغبت کا اظہار نہ کر رہے تھے۔ یہ واقعہ جس غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے چند پہلو حسب ذیل ہیں:۔

1- اس واقعہ نے حضور اکرم ﷺ کو براہ راست مشاہدہ کے ذریعے ایمان کے جس درجے پر پہنچا دیا تھا۔ اس کی وجہ سے پورے اعتماد کے ساتھ کفر کو چیلنج کرتے تھے۔ کیونکہ یقین کامل تھا کہ رب ذوالجلال کی عنایات واستقامت کی موجودگی میں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

2- اس واقعہ نے اخلاقی مقاسد کے انجام بد کا مشاہدہ کروا کر مستقبل میں قائم ہونے والے اسلامی معاشرے کی اخلاقی قدریں متعین کر دیں۔

3- فلسطین کی مقدس سرزمین طور سینا اور بیت المقدس کے سیر سے حق و باطل کی ازلی جدوجہد کی تاریخ آپ ﷺ کے سامنے آ گئی اور صرف ایک سال بعد یہودیوں اور عیسائیوں سے جو معاملہ ہونے والا تھا آپ ﷺ ذہنی طور پر بالکل تیار ہو گئے۔

4- مراحلِ سفر میں آپ کو یثرب کا مشاہدہ بھی کروایا گیا اور ہجرت کی دعا بھی سکھائی گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ مکہ کی سوسائٹی قبول حق کی صلاحیت سے خالی ہو گئی ہے تو دوسرے مرکز سے اس مشن کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

5- واقعہ اسریٰ کے حوالے سے جو سورۃ (بنی اسرائیل) قرآن پاک میں نازل ہوئی اس میں اسلام کے معاشرتی، معاشی اور قانونی نظام کے خدوخال واضح کئے گئے ہیں مثلاً

والدین کے حقوق کی تلقین، بخل اور فضول خرچی کی ممانعت قتل اور زنا کی مذمت، قتل عمد اور انتقام کی مذموم رسموں کی بندش، یتیموں کے حقوق کی حفاظت، عہد و پیمان کی حفاظت اور ناپ تول درست رکھنے کی ہدایت وغیرہ۔

6- سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات میں ایسی جامع دعا سکھادی جو مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی مدد کا باعث ہے۔ نیز نماز کی فرضیت سے خدا اور بندے کے درمیان تعلق کو مستقل اور مضبوط بنادیا گیا ہے۔

گزشتہ صدی میں جب سائنسی ترقی سے دنیا کی آنکھیں چندھیانے لگیں تو مسلمانوں میں سے بھی بعض لوگوں نے معذرت خواہانہ طرز عمل اختیار کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ معراج محض ایک خواب تھا اور یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضور ﷺ جسد انسانی کے ساتھ معراج پر تشریف لے گئے ہوں۔ لیکن آج کے دور میں انسان نے جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں ان کی طرف دیکھ کر آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ فضائی راکٹ کے ذریعے اجرام فلکی پر پہنچنے والے انسان کا خالق جس نے پوری کائنات تخلیق کی ہے وہ اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کو زمین و آسمان کی سیر کے لیے آسمان پر کیوں نہیں بلاسکتا۔

رہِ یک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں
کہہ رہی یہ مسلماں سے معراج کی رات

☆ یثرب میں نور اسلام کی کرنیں اور ہجرت مدینہ:-

"اگر تم ان کی (یعنی رسول اللہ ﷺ کی غلبہ السلام کی جدوجہد میں) مدد نہ کرو گے (تو کیا ہوا) سو بے شک اللہ نے ان کو (اس وقت بھی) مدد سے نوازا تھا جب کافروں نے انہیں (وطن مکہ سے) نکال دیا تھا۔ درآنحالیکہ وہ دو (ہجرت کرنے والوں) میں سے دوسرے تھے جبکہ دونوں (رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) غار (ثور) میں تھے جب وہ اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے فرمارہے تھے غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

(سورۃ التوبہ - آیت:۴۰)

یثرب مکہ کے شمال میں ایک قصبہ تھا۔ جہاں قحطانی نسل کے دو قبائل بنو اوس اور بنو خزرج

آباد تھے۔ جن کے درمیان اکثر جنگ ہوتی رہتی تھی۔ ان دونوں قبائل کے علاوہ وہاں بہت سے یہودی قبائل بھی آباد تھے۔ اس بستی کی قسمت میں "مدینۃ النبی ﷺ" بننا لکھا تھا۔ اس میں اسلام کی پہلی کرن ایک شاعر "سوید بن صامت" کے ذریعے پہنچی جو قرآن حکیم کی ادبی عظمت سے متاثر ہو کر اسلام لے آیا تھا۔ لیکن وہ جلد ہی خزرج کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اوس اور خزرج کے درمیان "بعاث" کی مشہور لڑائی ہونے والی تھی۔ اس کی تیاری کے طور پر بنو اوس کا ایک وفد قریش سے امداد طلب کرنے کے لیے آیا تو آنحضرت ﷺ نے موقع پر کر اس وفد کے سامنے اسلام پیش کیا۔ ان میں سے ایک شخص "ایاس بن معاذ" نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ جو تم لینے آئے ہو لیکن اس کے ساتھیوں نے توجہ نہ دی۔ یہ بھی واپسی کے تھوڑی دیر بعد فوت ہو گیا لیکن وفات کے وقت اس کے منہ سے خدائے واحد کی تمجید کے کلمات جاری تھے۔

☆ بیعت عقبہ اولیٰ (پہلی بیعت عقبہ):

(ذی الحجہ ۱۲ نبوی ﷺ مطابق جولائی ۶۲۱ء)

نبوت کے گیارہویں سال موسم حج میں یثرب (مدینہ) کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اکرم ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنی قوم میں جا کر آپ ﷺ کی رسالت کی تبلیغ کریں گے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال ۱۲ نبوی ﷺ میں بارہ ۱۲ آدمی یثرب سے اسی غرض کے لیے حج پر آئے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر سکیں۔ انہوں نے عقبہ کے مقام پر یہ سعادت حاصل کی۔ اس واقعہ کو "بیعت عقبہ اُولیٰ" کہا جاتا ہے۔ (عقبہ (ع۔ ق۔ ب) پہاڑ کی گھاٹی یعنی تنگ پہاڑی گزرگاہ کو کہتے ہیں۔ مکہ سے منیٰ آتے جاتے ہوئے منیٰ کے مغربی کنارے پر ایک تنگ پہاڑی راستے سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہی گزرگاہ "عقبہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو حج کے ایام میں جس ایک جمرہ کو حاجی کنکریاں مارتے ہیں وہ اسی گزرگاہ کے سرے پر واقع ہے اس لیے اسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔ اس جمرہ کا دوسرا نام جمرہ کبریٰ بھی ہے۔ باقی دو ۲ جمرے اس سے مشرق میں تھوڑے

فاصلے پر واقع ہیں۔ چونکہ منیٰ کا پورا میدان، جہاں حجاج کرام قیام کرتے ہیں، ان تینوں جمرات کے مشرق میں ہے۔اس لیے ساری چہل پہل ادھر ہی رہتی تھی اور کنکریاں مارنے کے بعد اس طرف لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا۔ اسی لیے تاجدارِ مدینہ ﷺ نے بیعت لینے کے لیے اس گھاٹی کو منتخب کیا اور اسی مناسبت سے اس کو بیعت عقبہ کہتے ہیں۔اب پہاڑ کاٹ کر یہاں کشادہ سڑکیں نکال لی گئی ہیں)۔

ان بارہ خوش نصیبوں میں جابر بن عبداللہ کے سوا پانچ وہ نیک بخت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ جنھوں نے گزشتہ سال اسلام قبول کیا تھا، باقی سات میں معاذ رضی اللہ عنہ بن حارث، ذکوان رضی اللہ عنہ بن عبدالقیس ،عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت، یزید رضی اللہ عنہ بن ثعلبہ،عباس رضی اللہ عنہ بن عبادہ قبیلہ خزرج سے اور مالک رضی اللہ عنہ بن تیہان اور عویم رضی اللہ عنہ بن ساعدہ قبیلہ اوس سے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے پانچ چیزوں پر بیعت لی۔

۱- وہ صرف خدائے واحد کی پرستش کریں گے۔

۲- وہ چوری وزنا کاری سے باز رہیں گے۔

۳- اپنی اولاد (یعنی لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔

۴- جھوٹی تہمت اور غیبت سے پرہیز کریں گے۔

۵- اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کی اطاعت کریں گے۔گویا اسلامی معاشرے کے چیدہ چیدہ اصول انہیں سمجھا دیئے گئے تھے۔

☆مدینہ (یثرب) میں اشاعت اسلام:

محسنِ انسانیت ﷺ نے اہل یثرب کی درخواست پر ایک معلم دین بھی ان کے ساتھ روانہ کیا اور وہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر تھے جو ''سابقون الاولون'' میں سے تھے۔انہوں نے اشاعت اسلام کے لیے یثرب میں اس طرح محنت کی جیسے کسان اپنی کھیتی کے لیے کرتا ہے۔ وہ اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ کے مہمان تھے جو ایک ممتاز شخصیت تھے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ روزانہ ایک انصاری گھرانے میں جاتے۔ اسلام کی بلند پایہ تعلیمات پیش فرماتے اور قبول اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ان کی کوششوں سے تقریباً تمام قبائل میں اسلام پھیل گیا۔اسلام

قبول کرنے والوں میں بنواوس کے سردار سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ اور اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر شامل تھے۔ جن کے قبول اسلام کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ بنواوس کی اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔

☆ بیعت عقبہ ثانیہ (دوسری بیعت عقبہ):

(۱۳ نبوی ﷺ۔ موسم حج۔ جون ۶۲۲ء)

۱۳ نبوی ﷺ میں ۷۳ مرد اور دو عورتوں پر مشتمل ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام کی بیعت کی۔ اس واقعہ ﷺ کو ''بیعت عقبہ ثانی'' (دوسری بیعت عقبہ) کہا جاتا ہے۔

اس موقع پر حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے، بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب انصار مدینہ نے آنحضور ﷺ کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دی تو انہوں نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

''اے گروہ خزرج! محمد ﷺ اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں ہم ہمیشہ ان ﷺ کے لیے سینہ سپر رہے۔ اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر مرتے دم تک ان ﷺ کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔'' (سیرۃ النبی ﷺ۔ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص:۲۶۵)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ اس بات پر بیعت کرو کہ اپنے اہل وعیال کی طرح میری حفاظت کرو گے۔''

یہ سن کر حضرت براء رضی اللہ عنہ بن معرور انصاری نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ آپ ﷺ نے ان سے بیعت لی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں اور یہود میں جو تعلقات ہیں وہ بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب آپ ﷺ کو اقتدار حاصل ہو، اس وقت آپ ﷺ ہم کو چھوڑ کر اپنے وطن لوٹ جائیں۔'' آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ''نہیں تمہارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔''

براء بن معرور وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس شب سب سے پہلے بیعت کی، اس بیعت کو ''بیعت الحرب'' یعنی جنگ کی بیعت بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں جنگ کا عہد بھی

اٹھایا گیا تھا۔ بہ الفاظ دیگر اب محمد ﷺ کا ساتھ دینے کے معنی قریش اور سارے عرب کے ساتھ برسر پیکار ہونے کے تھے۔

بیعت کے بعد ہادیٔ برحق ﷺ نے ان میں سے بارہ اشخاص کا انتخاب فرمایا اور ان کا نام ''نقیب'' رکھا۔ بارہ اشخاص جو نقیب مقرر کیے گئے، رئیس القبائل تھے۔ ان کا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان نقباء سے فرمایا: تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اپنی قوم کے سربراہ ہوگے۔ جیسے میں سب ملت کا سربراہ ہوں۔ تمہیں اس لیے منتخب کیا ہے تاکہ تم اہل یثرب میں جا کر دین کی اشاعت کرو۔ مکہ میں یہ کام میں خود کروں گا۔ ان بارہ ۱۲ نقباء کے نام خود انصار نے پیش کیے تھے۔ ان میں سے نو ۹ خزرج کے اور تین ۳ قبیلہ اوس کے تھے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

قبیلہ خزرج کے نقباء:۔

۱۔ اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ، ۲۔ رافع رضی اللہ عنہ بن مالک بن عجلان، ۳۔ عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت، ۴۔ سعد رضی اللہ عنہ بن ربیع، ۵۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ، ۶۔ براء رضی اللہ عنہ بن معرور، ۷۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو، ۸۔ سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ، ۹۔ منذر رضی اللہ عنہ بن عمرو (رحمۃ للعالمین ﷺ میں ثعلبہ رضی اللہ عنہ بن کعب لکھا ہے)۔

اوس قبیلہ کے نقباء:۔

۱۔ اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر، ۲۔ سعد رضی اللہ عنہ بن خیثمہ، ۳۔ ابوالہیثم رضی اللہ عنہ بن تیہان (قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے ابن خلدون کے حوالہ سے اپنی کتاب ''رحمۃ للعالمین ﷺ'' میں رفاعہ رضی اللہ عنہ بن المنذر لکھا ہے۔ ابن ہشام میں رفاعہ رضی اللہ عنہ بن المنذر بن زبیر لکھا ہے)۔

قریش مکہ کو دوسرے دن اس بیعت کی خبر ہوئی تو وہ اہل یثرب کی تلاش میں نکلے۔ لیکن ان کا قافلہ صبح ہی روانہ ہو چکا تھا۔ قریش نے ان کا تعاقب کیا۔ سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ ان کے ہاتھ آ گئے۔ ان کے ہاتھ باندھ دیے اور مکہ لے آئے انہیں مارا پیٹا۔ بعد میں وہاں مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ کے کہنے پر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد تمام لوگ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔

(زاد المعاد ج ۲ ص: ۵۲، ابن ہشام ج ۱ ص: ۴۵۰)

سرمایۂ جاں ہیں شہِ ابرارؐ کی باتیں
کس درجہ سکوں دیتی ہیں سرکارؐ کی باتیں
جی چاہے کہ ہر آن کروں ذکرِ پیمبرؐ
ہوتی رہیں کونین کے سردارؐ کی باتیں

''آئین و قانون ساز' سپہ سالار' فاتحِ اُصول و نظریات' بیسیوں علاقائی سلطنتوں کے معمار' دینی و روحانی حکومت کے بانی' یہ ہیں محمد رسول اللہ...... اور انسانی عظمت کے ہر پیمانے کو سامنے رکھ کر ہم پوچھ سکتے ہیں' ہے کوئی جو اُن سے زیادہ بڑا' ان سے بڑھ کر عظیم ہو؟'' (لامارٹن)

ذاتِ حق کا جمال آپؐ ہیں
واقعی بے مثال آپؐ ہیں

ہجرتِ مدینہ اور اسلام کا عروج

☆ ہجرت کا مفہوم:

ہجرت کے معنی ہیں نقل مکانی کرنا، یعنی ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جانا۔ یہ ہجرت کا عام مفہوم ہے۔ اسلامی اصطلاح میں صرف اللہ کے دین کی خاطر اپنے وطن اور گھربار چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلے جانا، جہاں دین کے تقاضے پورے ہو سکیں اور اسے (دین اسلام کو) نافذ و قائم کیا جا سکے ہجرت کہلاتا ہے۔ ہجرت انبیائے کرام علیہم السلام کی قدیم سنت ہے۔

؎ ہے ترکِ وطن سنتِ محبوب الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مشرکین کے ظلم و ستم اور ایذا رسانی میں شدت آ جانے سے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مسلمانوں کو ترکِ وطن (ہجرت) کی باقاعدہ اجازت دے دی۔ چنانچہ مسلمانوں نے ایک ایک دو دو کر کے آہستہ آہستہ خفیہ طور پر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا شروع کر دیا۔ اہل مکہ کو مسلمانوں کے گھر چھوڑ کر چلے جانے کا علم ہوا تو انہوں نے سخت مزاحمت شروع کر دی اور عازمین ہجرت پر جی کھول کر ستم ڈھانے لگے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت دلاور اور شہ زور تھے۔ جب ہجرت کرنے لگے تو بیس ۲۰ آدمیوں کو ساتھ لے کر حرم گئے۔ نماز پڑھی اور اعلان کیا کہ ہم ہجرت کرنے لگے ہیں۔ کوئی روکنا چاہے تو مکہ سے نکل کر وادی میں اپنی طاقت آزما دیکھے لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ الغرض کفار کی پیش بندیوں اور مزاحمت کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غالب اکثریت مدینے کو منتقل ہو گئی۔ صرف حضور اکرم ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو قید میں ڈال دیا گیا تھا۔ یا جو بے بس تھے، مکہ میں رہ گئے۔ (البدایہ والنہایہ)

ہجرت مدینہ

جمعرات ۲۷ ماہ صفر ۱۳ نبوی ﷺ (مطابق 12 ستمبر 622ء)

واقعہ ہجرت کو تحریک دین حق میں ایک تاریخ ساز انقلاب کا نقطہ آغاز سمجھا جاتا ہے۔ جب مکہ میں گنتی کے مسلمان رہ گئے اور مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ ہی باقی رہ گئے تو قریش مکہ نے آنحضور ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ لیکن ساتھ ہی خدائے بزرگ و برتر نے آنحضور ﷺ کو ہجرت کا اذن دے دیا۔ ہجرت مدینہ کی حسب ذیل وجوہات تھیں:-

۱- قریش مکہ کی شدید مخالفت وہٹ دھرمی:- قریش مکہ روز اول سے آنحضرت ﷺ کے شدید مخالف تھے وہ اسلام کے عروج کو اپنی مذہبی اور سیاسی برتری کے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھتے تھے۔

۲- تبلیغ اسلام میں رکاوٹ:- کسی بھی معاشرے میں ایسے لوگ معدودے چند ہوتے ہیں جو شدید مخالفت کے باوجود حق کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ مکہ میں جتنے ایسے لوگ موجود تھے وہ اسلام کے پرچم تلے جمع ہو چکے تھے اب وہاں اشاعت اسلام کی مزید گنجائش نظر نہیں آتی تھی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے کسی دوسرے خطہ ارض کو مرکز بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

۳- مسلمانوں پر روز افزوں مظالم:- اہل مکہ نے ایمان لانے والوں پر مظالم توڑنے کی انتہا کر دی تھی۔ مومنین اس مسلسل ظلم وستم سے تنگ آ چکے تھے۔ اس لیے ان کے لیے پرامن فضا کی ضرورت تھی۔

۴۔ ہجرت حبشہ کا کامیاب تجربہ:۔ بعض مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کی اجازت سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور اس تجربہ میں وہ کامیاب رہے تھے۔ اس کامیاب تجربے سے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا اور انہوں نے سوچا کہ وہ ہجرت کے ذریعے ہی اسلام پر صحیح طور پر عمل کر سکتے ہیں۔

۵۔ نفسیاتی سبب:۔ یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ جتنے پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں مبعوث ہوئے۔ ان کی اپنے ملک میں قدر و منزلت نہ رہی۔ اور انہیں ہجرت کرنی پڑی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔

۶۔ قدرتی سبب:۔ کسی اہم مسئلے یا واقعہ پر غور و خوض کرنا یا سنجیدگی سے سوچنا اہل مکہ کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ وہ اپنے علاقائی آب و ہوا کے زیر اثر زیادہ تر گرم مزاج اور تند خو واقع ہوئے تھے۔ اس کے برعکس مدینہ ایک سرسبز و شاداب اور زرخیز علاقہ تھا اور وہاں اسلام کے پنپنے کے زیادہ امکانات تھے۔

۷۔ اہل مدینہ کی اسلام سے رغبت:۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد اہل مدینہ نے رسول اکرم ﷺ کو مدینے آنے کی دعوت دی اور ہر حالت میں آپ ﷺ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ ہجرت کے لیے مدینہ کا انتخاب اہل مدینہ کی اسلام سے غیر معمولی رغبت، خلوص و محبت اور وفاداری کے جذبے کا نتیجہ تھا۔

۸۔ اذنِ خداوندی:۔ آپ ﷺ اذنِ خداوندی کے منتظر تھے۔ البتہ رفقاء خاص میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی رفاقت میں مکہ ہی میں موجود تھے۔

ایک دن: ''حضور ﷺ دوپہر کو اپنے محبوب ترین رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ جا کر رازدارانہ طریق سے اطلاع دی کہ ہجرت کی اجازت آ گئی ہے۔ جناب صدیق رضی اللہ عنہ نے معیت کی درخواست کی جو پہلے سے قبول تھی۔ اس سعادت کے حصول پر فرطِ مسرت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔'' (محسنِ انسانیت صفحہ:۲۰۲)

۹۔ آنحضور ﷺ کے قتل کا منصوبہ:۔ جب سارے مسلمان مکہ سے نکل گئے اور آنحضور

ﷺ کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رہ گئے تو قریش مکہ نے سوچا کہ اب محمد ﷺ کو قتل کر دینے کا اچھا موقع ہے۔ چنانچہ رؤسائے مکہ دارالندوہ (پارلیمنٹ) میں جمع ہوئے۔ مختلف تجاویز کے بعد ابوجہل کی تجویز پر فیصلہ ہوا کہ قریش کے ہر خاندان سے ایک عالی نسب نوجوان منتخب ہو اور یہ سب مل کر حضور اکرم ﷺ پر یکبارگی حملہ آور ہو کر (نعوذ باللہ) حضور ﷺ کا خاتمہ کر دیں۔ اس طرح قتل کی ذمہ داری سارے قبائل پر ہوگی اور بنو ہاشم اکیلے سارے قبائل سے انتقام نہیں لے سکیں گے اور خون بہا پر راضی ہو جائیں گے۔" حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ کو اس بھیانک سازش سے مطلع فرما دیا۔"

(ابن ہشام ۱:۴۸۲ اور ابن اثیر)

محسنِ انسانیت ﷺ کی ہجرت

بروز جمعرات ۲۷ صفر ۱۴ نبوی ﷺ بمطابق 12 ستمبر 622ء کو ایک سو بیس زادوں کا لشکر ابوجہل کے زیر کمان عشاء کے وقت حضور اکرم ﷺ کے دروازے پر پہنچا۔ آنحضور ﷺ نے انہیں دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "کہ تم میری یہ سبز چادر (حضرمی) اوڑھ کر میرے بستر پر اطمینان سے سو رہو۔ کوئی شخص تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گا۔ اور میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہیں، وہ ہر ایک کو لوٹا کر مدینے آ جانا۔ خدا کے رسول ﷺ خدا کی حفاظت میں باہر تشریف لائے۔ مشرکین کے سر پر خاک پھینکی اور سورۃ یٰسین پڑھتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

(سورۃ یٰسین آیت نمبر ۹)

آنحضور ﷺ اپنے پیارے دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور انہیں ساتھ لے کر "جبل ثور" کی طرف روانہ ہو گئے۔ شہر سے رخصت ہوتے وقت حضور اکرم ﷺ نے آخری نگاہ ڈالتے ہوئے مکہ سے یہ خطاب فرمایا:۔

"خدا کی قسم تو اللہ کی سب سے بہتر سرزمین ہے اور اللہ کی نگاہ میں سب سے بڑھ کر عزیز ہے۔ اگر یہاں سے مجھے نہ نکالا جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا۔" (ترمذی شریف)

''جبل ثور مکہ سے تقریباً پانچ میل دور جنوب مغرب میں واقع ہے۔اس ویران پہاڑی میں ایک تنگ غار ہے جو''غار ثور'' کے نام سے مشہور ہے۔(یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ خلائق ہے۔(کیفی) اس کی چڑھائی نہایت دشوار ہے۔رستہ سنگلاخ تھا۔نو کیلے پتھر تاجدار مدینہ ﷺ کے پائے مبارک کو زخمی کر رہے تھے۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سرور کائنات ﷺ کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔آخر غار تک پہنچے۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے محسنِ انسانیت ﷺ کو باہر ٹھہرایا۔خود اندر جا کر غار کو صاف کیا۔تن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے روزن (سوراخ) بند کیے۔دو سوراخ باقی بچ رہے،حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان پر اپنے پاؤں رکھ دیئے۔پھر حضور ﷺ اندر تشریف لائے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آغوش میں سر رکھ کر سو گئے۔ادھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں کسی چیز نے ڈس لیا مگر اس ڈر سے ہلے بھی نہیں کہ حضور ﷺ جاگ نہ جائیں۔لیکن ان کے آنسو حضور ﷺ کے چہرے پر ٹپک گئے اور آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔آپ ﷺ نے فرمایا:''ابو بکر رضی اللہ عنہ! تمہیں کیا ہوا؟ عرض کی میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔رسول رحمت ﷺ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگایا اور تکلیف جاتی رہی۔(یہ بات رزین نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔مشکوٰۃ شریف جلد دوئم ص:۵۵۶)۔اگلی صبح قریشی نوجوانوں کو یہ معلوم کر کے سخت پریشانی ہوئی کہ آنحضور ﷺ مکہ چھوڑ چکے ہیں۔قریش نے اعلان کیا کہ جو کوئی محمد ﷺ یا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو زندہ گرفتار کر کے لائے یا ان کا سر لائے اس کو سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔اس لالچ سے بہت سے طالع آزما مہاجرین حق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تین دن اس غار میں مقیم رہے۔اس دوران تلاش کرنے والوں کا ایک گروہ غار ثور کے دہانے تک آ پہنچا۔پاؤں کی آہٹ پا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس خیال سے پریشان ہو گئے کہ کہیں رسول اکرم ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا''(التوبہ:۴۰)''غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

☆ ایک روایت کے مطابق غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا۔اور ببول کے درخت پر کبوتر نے گھونسلا بنا کر اس میں انڈے دے رکھے تھے۔اس لیے کفار کو شبہ تک نہ ہو سکا کہ اس

غار کے اندر کوئی چھپا ہوا ہے۔ (مدارج النبوت اردو حصہ دوئم ص: ۹۹) مواہب لدنیہ میں بسند بزار منقول ہے کہ حرم مکہ کے کبوتر اس جوڑے کی نسل سے ہیں۔ کیونکہ سرور عالم ﷺ کی دعا کے برکت سے یہ قیامت تک شکار اور ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے۔ (سبحان اللہ!)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سکون قلب عطا کر دیا اور تعاقب کرنے والے غار کے دہانے سے واپس لوٹ گئے۔ چوتھے دن آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں اپنے راہنما ''عبداللہ بن اریقط'' کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عام راستہ چھوڑ کر ساحلی راستہ اختیار کیا گیا۔ اس کے باوجود ایک شخص سراقہ بن جعشم (سراقہ بن مالک بن جعشم) نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور ایک نیزہ لے کر گھوڑا دوڑاتا ہوا آپ ﷺ کے قریب جا پہنچا۔ اس نے جھپٹ کر وار کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے وہ سنبھلا اور پھر وار کیا۔ اس مرتبہ پھر اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ تین مرتبہ ٹھوکر کھانے کے بعد اس نے گرفتاری کا ارادہ ترک کر کے آنحضرت ﷺ سے معذرت کی اور انعام کے اشتہار اور مکہ کے دیگر حالات کی تفصیل آپ ﷺ کو بتائی نیز درخواست کی کہ آپ ﷺ مجھے ایک امان نامہ لکھ دیجئے تاکہ جب آپ ﷺ کو غلبہ حاصل ہو تو وہ کام آئے۔ آپ ﷺ نے عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ سے امان نامہ لکھوا دیا۔ جو فتح مکہ کے دن کام آیا۔ سراقہ نے عہد کیا کہ میں بھید نہیں کھولوں گا۔ آنحضور ﷺ نے سراقہ کو بشارت دی کہ اے سراقہ! اس وقت تیری کیا شان ہو گی جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا۔'' (یہ پیشن گوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتح ایران کے موقع پر پوری ہوئی۔ سبحان اللہ! (کیفی)

اس کی تفصیل ہماری کتاب ''عظیم خلفائے راشدین'' میں ملاحظہ فرمائیں)

عجائب الہجرت

ا۔جنّ کے اشعار:۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں تین دن تک حضور اکرم ﷺ اور اپنے ابا جان (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے بارے میں فکرمند رہی۔قریش بدستور ان کی تلاش میں تھے لیکن نامرادی اور ناکامی کے سوا کچھ ان کے ہاتھ میں نہ آیا۔ایک جن مکہ کے زیریں علاقے سے یہ اشعار پڑھتے ہوئے گزرا۔(ترجمہ اشعار)

i- اللہ جو سب لوگوں کا رب ہے ام معبد کے خیموں میں آنے والے دونوں رفقاء کو بہترین جزا دے۔

ii- دونوں خیر سے آئے اور چلے گئے بس جسے حضور ﷺ کی رفاقت میسر آئی وہ کامیاب ٹھہرا۔

iii- مبارک ہو بنوکعب کو اپنی خاتون کی قیام گاہ اور مسلمانوں کا پڑاؤ بھی۔

لوگ آواز کی طرف لپکے لیکن یہ اشعار پڑھنے والا انہیں نظر نہ آیا۔

(سیرت ابنِ ہشام جلد اول ص:۴۸۷)

۲۔ضبط فغاں کا ایمان افروز منظر:۔

چشمِ فلک نے ضبطِ فغاں کا ایک عجیب منظر اپنی آنکھوں میں دیکھ کر محفوظ کرلیا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام سوراخِ غار کپڑا اپھاڑ کر بند کردیئے۔لیکن ایک سوراخ باقی رہ گیا،اس پر اپنی ایڑھی رکھ دی۔سوراخ کے اندر سانپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ڈس لیا۔غلام درد کی شدت سے تڑپ رہا ہے۔شدت کرب سے آنکھوں میں آنسو ہیں،لیکن ادب واحترام رسول

ﷺ کا یہ عالم ہے کہ آنسو بھی پلکوں کی دہلیز کو عبور کرنے کی جرأت نہیں کر رہے، کسی پل چین نہیں۔ پروانہ شمع رسالت اپنی ذات کے اندر پگھل رہا ہے، آنکھوں میں جذبہ جانثاری کی چمک اور اور چہرے پر اعتماد کا نور، ایک جان تو کیا لاکھوں جانیں بھی ہوں تو اپنے آقا ﷺ کے قدموں پر نثار کردوں، زبان پر نہ حرف شکایت ہے اور نہ حرف فغاں۔ اس وقت حضور انور ﷺ کا سر مبارک آپ ﷺ کی گود میں تھا۔ حضور اکرم ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ اف تک نہ کی مبادا حضور ﷺ کے آرام میں خلل واقع ہو، درد کی شدت کو برداشت کیا لیکن حضور ﷺ کو جگانا مناسب نہ سمجھا، ناگاہ چشم ضبط سے ایک آنسو رخسار مصطفیٰ ﷺ پر ٹپک پڑا۔ حضور اکرم ﷺ چونک پڑے استفسار کیا تو یار باوفا رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوئے۔

ترجمہ:۔ ''مجھے آپ ﷺ کو جگانا پسند نہ تھا۔''

(السیرۃ الحلبیہ: ۲-۳۵ بحوالہ سیرۃ الرسول ﷺ جلد ۵ ص: ۵۲۷)

سرور کائنات محسنِ انسانیت ﷺ نے سانپ کے ڈسے پر اپنا دست اقدس پھیرا تو زہر کا اثر فوراً دور ہو گیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس وفا شعاری سے حضور ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی:

ترجمہ:۔ ''اے اللہ! ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جنت میں میرے ساتھ اسی درجے میں رکھنا۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۳: ۳۴۹)

۳- کارکنانِ قضا و قدر کی پیش بندی:۔

کفار مکہ حضور اکرم ﷺ کی تلاش میں جنگلوں، پہاڑوں اور گھاٹیوں کی خاک چھان رہے تھے۔ ادھر سب سے بہترین تدبیر کرنے والا خالق و مالک اپنی تدبیر کر رہا تھا۔ کارکنانِ قضا و قدر پیش بندی میں مصروف تھے۔ کفار مکہ نے دو کھوجیوں کی خدمات حاصل کیں۔ ایک کھوجی کا نام کرز بن علقمہ بن ہلال الخزاعی تھا جو پاؤں کے نشانات کا کھوج لگانے میں ماہر تھا۔ وہ لوگ جبل ثور تک آپہنچے، قدموں کے آخری نشانات دیکھ کر وہ بولا کہ آگے نشانات ختم ہو جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کو کہیں ارد گرد تلاش کرو۔ کسی نے مشورہ دیا قریب ہی غار ہے وہاں

دیکھ لو مگر دشمن مصطفےٰ امیہ بن خلف نے کہا:

ترجمہ:۔ "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ وہ غار تو ایسا ہے کہ اس (کے دھانے) پر مکڑی نے جال بن رکھا ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ جال محمد (ﷺ) کی ولادت سے بھی پہلے کا (بنا ہوا) ہے۔" (انساب الاشراف ۱:۲۶۰ بحوالہ مذکور)

مکڑی نے غار ثور کے منہ پر جالا تان دیا، پاس ہی ام غیلان نامی درخت بھی اُگ آیا۔ غار کے منہ پر ایک کبوتری انڈوں پر بیٹھی نظر آئی۔ یہ نشانات دیکھ کر تلاش کرنے والے پلٹ گئے کہ اگر کوئی غار کے اندر گیا ہوتا تو مکڑی کا یہ جالا ٹوٹ نہ جاتا، کبوتری کے یہ انڈے کیسے سلامت رہتے اور پھر اس درخت کے ہوتے ہوئے کون اندر جا سکتا ہے۔ ایک شخص تو غار کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ ساتھیوں نے غار کی تلاشی نہ لینے کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا:

ترجمہ:۔ "میں نے اس میں دو جنگلی کبوتر دیکھے تو جانا کہ اس میں کوئی نہیں ہے۔"

(سبل الہدیٰ والرشاد، ۳: ۳۴۰ بحوالہ مذکور)

قارئین محترم! یہ سب معجزات سرور کائنات ﷺ تھے۔ یہ سب تدابیر خدائے بزرگ و برتر کی تھیں جو اپنے رسول ﷺ کی حفاظت فرما رہا تھا۔ مکڑی کے جالے کو خدائے خالق کائنات نے قرآن مجید میں تمام گھروں سے نازک قرار دیا ہے مگر اس نازک ترین شے نے سفر ہجرت میں دشمن کو مغالطے میں رکھا اور کسی بدخواہ نے غار کے اندر جھانکنے کی کوشش نہ کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

ترجمہ:۔ "بتحقیق سب گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔" (العنکبوت۔۴۱)

☆ ابونعیم روایت کرتے ہیں کہ مکڑی نے دو بار جالا لگا کر اللہ کے دو برگزیدہ بندوں کی حفاظت کی۔ ایک بار حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے جب طالوت آپ علیہ السلام کی تلاش میں تھا اور دوسری بار رحمت عالم ﷺ کے لیے جالا لگایا جب قریش آپ ﷺ کی تلاش میں تھے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد ۳: ۳۴۱ بحوالہ سیرۃ الرسول ﷺ ملخصاً)

۴۔ غار، سمندر اور کشتی:۔

سفر ہجرت میں قدم قدم پر معجزے رونما ہوئے۔ اللہ کی مدد و نصرت مسافرانِ راہِ حق کے

ہمرکاب رہی، اللہ کی طرف سے اپنے آخری رسول ﷺ کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا، کفار و مشرکین ہر بار ناکام و نامراد ہوئے اور اللہ کا یہ فرمان حرف بحرف سچ ثابت ہوا کہ وہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایک ہی فکر دامن گیر تھی کہ کوئی بدبخت حضور ختمی مرتبت ﷺ کو گزند نہ پہنچائے، اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے چین ہو جاتے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی:۔

ترجمہ:۔ ''اور اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کے نیچے دیکھ لیا تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے۔''

☆ اس پر رسول کائنات ﷺ نے فرمایا:۔

ترجمہ:۔ ''اگر وہ اس طرف سے آئیں گے تو ہم دوسری طرف سے نکل جائیں گے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار کی دوسری طرف دیکھا تو حضور ﷺ کے فرمان کے ساتھ ہی وہ حصہ شق ہو گیا۔ ''تو اچانک (دیکھا کہ) وہاں سمندر موجود تھا جس میں ایک طرف کشتی تیار کھڑی تھی۔'' (السیرۃ النبویہ لابن کثیر ۲: ۲۴۳ بحوالہ سیرۃ الرسول ﷺ جلد پنجم)

چنانچہ اسی شان نزول میں سورہ توبہ کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ترجمہ:۔ ''اگر تم ان کی (یعنی رسول اکرم ﷺ کی) مدد نہ کرو گے (تو کیا ہوا) سو بے شک اللہ نے ان کو (اس وقت بھی) مدد سے نوازا تھا جب کافروں نے انہیں (وطن مکہ سے) نکال دیا درآنحالیکہ وہ دو (ہجرت کرنے والوں) میں سے دوسرے تھے، جبکہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب وہ اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے فرما رہے تھے، غمزدہ نہ ہو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرما دی۔'' (سورۃ توبہ آیت: ۴۰)

؎ وہاں وہاں مری آنکھوں کے ہیں دیے روشن
جہاں جہاں ترے قدموں کے ہیں نشاں آقا ﷺ

رسولِ رحمت ﷺ کی قباء میں تشریف آوری:۔

بروز پیر ۸۔ ربیع الاول ۱۴ نبوت (اہجری) 23 ستمبر 622ء کو رسول رحمت ﷺ قباء میں وارد ہوئے۔ (بعض نے لکھا ہے کہ ۱۲۔ ربیع الاول بروز پیر اور عیسوی تاریخ ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء تھی۔)

رسول اکرم ﷺ نے سفر ہجرت کے دوران سولہ ۱۶ مقامات پر قیام فرمایا۔ مدینہ میں حضور ﷺ کی آمد کی اطلاع کئی دن پہلے پہنچ چکی تھی اور لوگ ہر روز شہر سے باہر آ کر راہ دیکھا کرتے تھے اور شام کو مرجھائے ہوئے واپس لوٹ جاتے۔ بالآخر ایک دن شام کے وقت وہ ساعت سعید آ پہنچی اور ایک یہودی نے انہیں بتایا کہ وہ شخص جس کا تم انتظار کر رہے ہو آ پہنچا ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر قباء ہی میں پہلی منزل کی۔ یہیں پر انصاری مسلمانوں نے شرف باریابی پایا۔ آنحضرت ﷺ نے یہاں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر فرمائی۔ جو مسجد قباء کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس کی تعمیر میں آپ ﷺ نے مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کیا۔ اسی مسجد کی شان میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

ترجمہ:۔ ''وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن تقویٰ و پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں قیام کرو۔'' (توبہ۔۱۰۸)

اسلام کا پہلا جمعہ یہیں پڑھا گیا۔ قیام قباء کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ سے آملے تھے۔ آپ ﷺ نے چودہ روز یہاں قیام فرمایا۔ رسول رحمت ﷺ نے قباء میں کلثوم سلمٰی بن ہدم اور دوسری روایت میں سعد رضی اللہ عنہ بن خیثمہ کے مکان میں قیام فرمایا۔ آج یہود نے بھی ''حبقوق'' نبی کی اس بشارت کا مطلب دیکھ لیا تھا: ''کہ اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا۔'' (بائبل، صحیفہ حقوق: ۳،۳)

سراقہ امان نامہ لے کر واپس چلا گیا اور واپسی پر اسے جو تلاش کرنے والے لوگ ملے، اس نے انہیں راستے سے واپس کر دیا۔

☆ یثرب (مدینہ منورہ) میں رسول اکرم ﷺ کا والہانہ استقبال:۔

نماز جمعہ سے فارغ ہو کر تاجدار مدینہ ﷺ یثرب کے جنوبی جانب سے شہر میں داخل

ہوئے اور اسی دن سے اس شہر کا نام یثرب کے بجائے "مدینۃ الرسول" (رسول کا شہر) پڑ گیا۔ جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے۔ داخلہ عجب شاندار تھا۔ گلی کوچے تمہید و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے۔ مرد، عورت، بچے بوڑھے نور خدا کا جلوہ دیکھنے کے لیے سراپا چشم بنے کھڑے تھے۔ ہر شخص آپ ﷺ کو اپنے ہاں ٹھہرانے کا مشتاق تھا اور جان و مال کی پیش کش کر رہا تھا۔ آپ ﷺ مسرت کا اظہار فرماتے اور دعائے خیر دیتے۔ جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین چھتوں پر نکل آئیں اور زمزمہ مسرت و توصیف گا رہی تھیں:۔

طلع البدر علینا	ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔
من ثنیات الوداع	"ثنیات[1] الوداع" سے
وجب الشکر علینا	ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے
مادعی للہ داعی	جب تک کہ دعا مانگنے والے دعا مانگیں (قیامت تک)
ایھا المبعوث فینا	اے ہم میں رسول ہو کر آنے والے
جئتَ بالامر المطاع	تیرے حکم کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔

معصوم بچیاں دف بجا بجا کر گیت گاتی تھیں:۔

نحن جوار من بنی النجار	ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔
یا حبذا محمدا من جار	محمد (ﷺ) کیا ہی اچھے ہمسائے ہیں۔

محسنِ انسانیت ﷺ نے ان لڑکیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا: "کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟" وہ بولیں "ہاں"۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی تم کو چاہتا ہوں"۔

مسلمانوں کے بچے بچیاں مسرور تھے سارے
گلی کوچے خدا کی حمد سے معمور تھے سارے
نبوت کی سواری جس طرف سے ہو کے جاتی تھی
درود و نعت کے نغمات کی آواز آتی تھی

(شاہنامۂ اسلام-حفیظ جالندھری)

☆ میزبان رسول ﷺ -حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ:

ہر خاندان اور ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ آنحضرت ﷺ اسی کے ہاں ٹھہریں۔ لیکن

[1] ثنیات الوداع مدینے سے باہر ٹیلوں کا نام ہے جن تک اہل مدینہ جانیوالوں کو رخصت کرنے جاتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اونٹنی خدا کی طرف سے مامور ہے جہاں یہ بیٹھ جائے گی میرا قیام اسی گھر میں ہوگا۔ چنانچہ یہ سعادت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی جو مدینہ کے غریب ترین شخص تھے۔ آنحضور ﷺ نے سات ماہ تک انہی کے گھر میں قیام فرمایا۔ (حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا اصل نام خالد بن زید تھا۔ ان کا قبیلہ بنونجار عبدالمطلب کا نھیالی خاندان تھا)۔ چند دن بعد آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی آ گئیں۔ ان سب کو حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ آل ابی بکر کے ساتھ جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں لے کر آئے تھے۔ البتہ حضور سرور کائنات ﷺ کی ایک صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس باقی رہ گئیں۔ انہوں نے آنے نہیں دیا اور وہ جنگ بدر کے بعد تشریف لاسکیں۔

(زادالمعاد، جلد دوئم، ص:۵۵)

ہجرت مدینہ کے نتائج

تاریخ اسلام میں ہجرت مدینہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے بظاہر اس سے مسلمانوں کی بے بسی اور کمزوری کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ واقعہ اسلام کی قوت وشوکت اور عروج کی بنیاد بنا۔ ہجرت مدینہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسلام کی فتح عظیم قرار دیا ہے اسلام کا مرکز مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ منتقل ہوا۔ اسی عظیم الشان واقعہ سے ہجری سال کا نام پڑا۔ ہجرت کا مقصد اعلیٰ مدینہ میں ایک دفاعی، تعمیری اور تبلیغی مرکز قائم کرنا تھا اور اس کے لیے ضروری تھا کہ ہر مسلمان وہاں پہنچ کر اس کی قوت کا سبب بنے۔ اسی لیے ہجرت مدینہ سے جو نتائج اور اثرات برآمد ہوئے ان میں سے ہر نتیجہ بجائے خود ایک فتح عظیم تھا۔

ہجرت مدینہ کے اہم اثرات ونتائج

۱-ملت اسلامیہ کی انفرادی حیثیت کا قیام:-

ہجرت مدینہ کے بعد مسلمان ایک انفرادی قوم کی حیثیت سے ابھرے۔ بالفاظ دیگر ہجرت سے حق و باطل الگ الگ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کو اسلامی سن کا سر آغاز بنانے کا ایک سبب یہ بھی بتایا تھا کہ ہجرت نے حق و باطل کی تفریق کر دی تھی۔

۲-پرامن ماحول میسر آنا:-

اہل مکہ نے اپنی اسلام دشمنی اور ظالمانہ روش کی بدولت مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین کو کفار کے جور وستم سے نجات ملی اور ایک پر امن ماحول میسر آ گیا۔ جہاں انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔

۳-اسلامی ریاست کا قیام:-

اسلام محض چند رسومات کی ادائیگی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی غرضیکہ ہر شعبے میں مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ ہجرت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کو منظم کر کے ایک اسلامی ریاست کے قیام کا موقع ملا اور انہوں نے مدینے میں ایک آزاد اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ جہاں پہلی دفعہ اسلامی آئین، دستور اور قانون کا نفاذ ہوا۔ اسلام ایک ایسے اقتدار اور قوت کا تقاضا کرتا ہے جو اسے تمام دنیا کے نظاموں پر غالب کر دے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

ترجمہ:-''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کر دے۔''(توبہ-۳۳)

مدینے میں اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف نبی اور ہادی نہ تھے بلکہ مسلمانوں کے سیاسی راہنما اور مدینے کی اسلامی ریاست کے تاجدار بھی تھے۔ ان صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کردہ سیاسی نظام اس قدر مضبوط اور منظم تھا کہ دس ۱۰ برس میں تمام عرب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نگیں ہو گیا۔

تلاطم خیز بحر بیکراں میں
مدینہ ہے غریبوں کا سفینہ

۴-اخوت کا مظاہرہ:-

ہجرت سے پہلے مدینہ (یثرب) میں اوس وخزرج قبائل برسرپیکار رہتے تھے۔اسلام نے ان کے یہ تفرقے مٹاڈالے اورانہیں ایک لڑی میں پرودیااور یہ قبائل باہم شیروشکر ہوگئے۔ انصارومہاجرین اخوت وایثار کے ایسے رشتے میں منسلک ہوگئے کہ قرآن حکیم میں ان کی مثال ان الفاظ میں دی گئی ہے:-

ترجمہ:-''وہ دوسروں کو اپنے اوپر فوقیت دیتے ہیں خواہ انہیں خود گھاٹے (نقصان) میں رہنا پڑے۔''(الحشر-۹)

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی ﷺ
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پرانحصار — قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

۵-مسلمانوں کا معاشی استحکام:-

مدینہ اس شاہراہ سے بہت قریب تھا جوشام کی طرف جاتی تھی اورشام سے نسبتاً قریب بھی تھی۔مدتوں سے مسلمان مظلومیت کی زندگی گزارنے کی وجہ سے تجارت میں بہت پیچھے رہ گئے تھے۔اب ان کے سابقہ تجربات نے ان کو بہت جلد تجارت میں مستحکم کردیا۔سیاسی قوت اورمہاجرین کے قرب نے انصار مدینہ کو بھی تجارت میں ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ،عثمان غنی رضی اللہ عنہ،عبدالرحمٰن بن عوف ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جوہجرت کے وقت اپنا تمام مال ومتاع کھوبیٹھے تھے جلد ہی پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے۔

۶-اشاعت اسلام کا فروغ:-

ہجرت مدینہ نے اشاعت اسلام کی نئی راہیں کھول دیں۔اب اسلام کے فروغ اور اہل عرب کوتوحید حق کا سبق پڑھانے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ تھی۔مدینے میں اسلام اس سرعت

سے پھیلا کہ دس ۱۰ سال کے اندر سارا عرب آفتاب رسالت ﷺ کی ضیا پاشیوں سے بقعہ نور بن گیا۔ روم اور ایران میں بھی اس کی صدائیں گونجنے لگیں۔ تاجدارِ مدینہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اسلام کا نور دور دور تک پھیلا دیا۔

؎ اسلام کا زمانے میں سکہ بٹھا دیا
اپنی مثال آپ ہیں یارانِ مصطفےٰ ﷺ

(مولانا ظفر علی خاں)

۷-سن ہجری کا آغاز:-

واقعہ ہجرت کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب اسلامی سن کی ضرورت محسوس کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے سن ہجرت سے شمار کرنا شروع کیا۔ اسی لیے اسلامی سال سن ہجری کہلاتا ہے۔ یہی اسلامی کیلنڈر ہے۔ ؎

برائے زندگی قرآن دستور العمل ان کا صداقت بن گئی آئینہ ظاہر اور باطن کا
ضیائے حق سے رشکِ طورِ سینا بن گیا یثرب نبی ﷺ کا آستاں بن کر مدینہ بن گیا یثرب

☆ہجرت مدینہ کی تاریخی اہمیت:

ہجرت مدینہ تاریخ عالم کا ایک اہم موڑ ہے۔ اس کے نتیجہ کے طور پر عرب میں وہ اسلامی حکومت قائم ہوئی جس سے ٹکرا کر ایران کی عظیم ساسانی حکومت پاش پاش ہوگئی۔ روم کی بازنطینی حکومت ادھ موئی ہوگئی اور آخر کار اسی مذہب کے ماننے والے ترکوں کے ہاتھوں ختم ہوگئی اور تاریخ عالم پر کئی صدیوں تک چھائی رہنے والی طاقت اسلام کی حکومت قائم ہوئی۔

ہجرت مدینہ نے وہ ریاست قائم کی جس نے اسلام کو چین، ترکستان، ہندوستان، شام و مصر، شمالی افریقہ، اندلس اور فرانس کی حدود تک پھیلایا اور اس ہجرت نے اس مذہب کے ماننے والوں کو ایک مرکز پر جمع کیا جو اس وقت دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں۔

ثقافتی اور سماجی سطح پر دیکھا جائے تو مدینة النبی ﷺ کے اس مرکز سے تہذیب کی کرنیں مشرق اور مغرب کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں پہنچیں اور انسان کو وحشت و بربریت اور انسانوں اور دیوتاؤں، مذہبی پروہتوں اور شہنشاہوں کی غلامی سے نجات ملی۔ انسانیت کو

مساوات، عدل و انصاف، حقوق انسانی اور خدائے واحد کی اطاعت کا عظیم سبق ملا۔ کئی صدیوں تک سائنسی، جغرافیائی سرگرمیوں کو سرپرستی ملی اور قدیم دنیا کو جدید دنیا میں تبدیل ہونے کا موقعہ ملا۔ روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو ہجرت مدینہ نے انسان کو وہ روحانی روشنی مہیا کی جس نے نہ صرف ایک بلند کردار معاشرہ قائم کر کے دکھایا بلکہ مستقل طور پر انسان کو پرمسرت زندگی گزارنے کے لیے وہ روحانی اقدار مہیا کیں کہ جن کو نظرانداز کر کے کوئی معاشرہ خواہ کتنی بھی مادی ترقی کرے سکون قلب حاصل نہیں کر سکتا۔

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر (۱ھ۔622ء):

مدینے میں پہنچنے کے بعد تاجدار مدینہ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد (خانہ خدا) کی تعمیر کا فیصلہ کیا۔ اور اس کے لیے وہی جگہ منتخب کی جہاں آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ اس قطعہ زمین کے مالک قبیلہ بنونجار کے دو یتیم بچے سہل اور سہیل تھے۔ انہوں نے خود یہ زمین آپ ﷺ کی خدمت میں بلا معاوضہ بطور نذرانہ پیش کرنی چاہی لیکن آپ ﷺ نے یہ پسند نہ فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کی قیمت دلوادی۔ (رحمتہ للعالمین ﷺ۔ص: ۱۲۰)

مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ آنحضور ﷺ بنفسِ نفیس مسجد کی تعمیر میں شریک ہو گئے۔

آپ ﷺ اینٹ اور پتھر اٹھاتے جاتے تھے اور ساتھ ہی فرماتے جاتے تھے:۔

ترجمہ:۔ ”اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے، پس انصار و مہاجرین کو بخش دے۔“

یہ بھی فرماتے تھے:۔

ترجمہ:۔ ”یہ بوجھ خیبر کا بوجھ نہیں ہے۔ یہ ہمارے پروردگار کی قسم زیادہ نیک اور پاکیزہ ہے۔ یہ ”گورنمنٹ ہاؤس“ ایک کچی عمارت تھی جس کا طول ۳۳ گز، عرض ۳۰ گز اور چھت کی بلندی ساڑھے تین گز تھی۔ دیواریں کچی تھیں، دروازے کے بازو پتھر کے بنائے گئے تھے۔ کھجور کے تنوں کو کھمبے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا

جن پر شاخوں اور پتوں کی چھت ڈالی گئی تھی۔فرش کچا تھا۔جب بارش ہوتی تو چھت سے پانی ٹپک کر کیچڑ ہو جاتا تاہم مومنین اسی پر سجدہ کرتے۔بعدازاں اس صورت حال کے پیش نظر آنحضور ﷺ نے سنگریزوں کا فرش بنوا دیا۔

مسجد نبوی ﷺ محض عبادت گاہ نہ تھی بلکہ وہ اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز تھا۔ہر قسم کے مشورے وہیں ہوتے تھے بعد میں صلح و جنگ کے معاملات تک وہیں طے پایا کرتے تھے۔ دوسرے ملکوں کے سفراء کو وہیں ٹھہرایا جاتا اور اسلامی ریاست کے تمام امور وہیں پر طے ہوتے۔ یہ ''گورنمنٹ ہاؤس'' تھا۔جس میں مجلس شوریٰ اور مجلس انتظامیہ کے اجلاس منعقد ہوا کرتے تھے۔

ابتداء میں مسجد کا قبلہ جانب شمال بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔لیکن جب مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے سولہ ماہ بعد 624ء میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

ترجمہ:۔''(اے حبیب ﷺ) آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دو، اور جہاں کہیں بھی رہو اسی طرف منہ پھیرو۔''(البقرۃ-۱۸)

تو قبلہ کا رُخ بدل کر کعبہ (مکہ معظمہ) کی جانب بطرف جنوب کر دیا گیا اور شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا۔یہ مسلمانوں کی پہلی مذہبی عمارت تھی۔یہیں سے اسلامی فنِ تعمیر کا آغاز ہوتا ہے۔

''تعمیر مسجد سے پہلے نماز باجماعت کا اہتمام نہ تھا۔جس سے اسلامی عبادات کا ایک مقصد یعنی وحدت واجتماع فوت ہو جاتا تھا۔تعمیر کے بعد نماز باجماعت قائم ہوئی اور اعلان کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اذان کا طریقہ جاری ہوا۔''

(بخاری باب الاذان-تاریخ اسلام شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ ص:۳۶،۳۵)

☆ ''اسلامی فقہ کی رو سے مسجد نبوی ﷺ میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔''

جب مسجد نبوی ﷺ کے مینار نظر آئے
اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے

مسجد کے ایک حصے میں ایک مسقّف چبوترہ بنایا گیا جو صفہ کہلایا۔ یہ ان مسلمانوں کے لیے وقف تھا جو اپنا گھر بار نہیں رکھتے تھے۔ اس میں بود و باش رکھنے والے اہل صفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اہل صفہ کے سردار تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انہی حضرات میں سے تھے۔ (اہل صفہ ہی سے تصوف کی ابتدا ہوئی)

☆ اذان کی ابتداء (۲ ہجری):

شروع میں اذان کا رواج نہ تھا۔ مسلمان وقت کا اندازہ کر کے خود بخود نماز کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ لیکن جلد ہی یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ اہل اسلام کو وقت نماز سے آگاہ کرنے کا انتظام کرنا چاہیے تا کہ سب مسلمان مل کر ایک وقت پر نماز ادا کر سکیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف مشورے دیئے لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مشورہ کو پسند نہ فرمایا۔ دوسرے دن عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یکے بعد دیگرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کی کہ انہوں نے خواب میں ان الفاظ کو سنا ہے۔ یہ وہی الفاظ تھے جو آج کل اذان میں کہے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذان کی تجویز پیش کی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مؤذن مامور فرمایا۔ (تفصیل ''اذان کی ابتداء کیسے ہوئی؟'' جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند احمد اور صحیح ابن خزیمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔)

☆ کاشانۂ نبوت:۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت کے لیے ایک اقامت گاہ تعمیر کی جو فقط دو چھوٹے کمروں (حجروں) پر مشتمل تھی۔ ایک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے اور دوسرا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے۔ یہ بھی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کچے تھے اور سادگی کے مظہر تھے۔ جب اور ازواجِ مطہرات آتی گئیں مزید کمرے بنتے گئے۔ یہ کمرے بھی کچی اینٹوں سے تعمیر کیے گئے تھے۔ یہ سب کمرے چھ چھ ہاتھ چوڑے اور دس ۱۰ دس ۱۰ ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا اور راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

رُخِ مصطفٰے ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

☆ مواخاتِ مدینہ (مسلمانوں میں بھائی چارہ):۔

مہاجرین مکہ معظمہ سے بے سروسامان آئے تھے۔ گو ان میں دولت مند اور خوشحال بھی تھے، لیکن کافروں سے چھپ کر نکلے تھے، اس لیے کچھ ساتھ نہ لا سکے تھے۔ محسنِ انسانیت ﷺ نے تاریخ انسانی کا ایک نہایت تابناک کارنامہ انجام دیا۔ جسے مواخات اور بھائی چارے کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ مواخات مہاجرین اور انصار کے درمیان تھی۔ مواخات کے لغوی معنی بھائی چارہ کے ہیں۔ علامہ حافظ ابن قیم علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:۔

"پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ کل نوے ۹۰ آدمی تھے، آدھے مہاجرین اور آدھے انصار۔ بھائی چارے کی بنیاد یہ تھی کہ یہ ایک دوسرے کے غمخوار ہوں گے اور موت کے بعد نسبی قرابتداروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ وراثت کا یہ حکم جنگ بدر تک قائم رہا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ: و اولوا الارحام بعضهم اولی ببعض...... (احزاب:۶) "(نسبی قرابت دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔") (وراثت میں)۔ تو انصار و مہاجرین میں باہمی توارث کا حکم ختم کر دیا گیا لیکن بھائی چارے کا عہد باقی رہا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اور بھائی چارہ کرایا تھا جو خود باہم مہاجرین کے درمیان تھا۔ لیکن پہلی بات ہی ثابت ہے۔ یوں بھی مہاجرین اپنی باہمی اسلامی اخوت، وطنی اخوت اور رشتہ و قرابت داری کی اخوت کی بناء پر آپس میں مزید کسی بھائی چارے کے محتاج نہ تھے جبکہ مہاجرین اور انصار کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔" (زاد المعاد جلد دوم، ص:۵۶)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ربیع نے جو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کے بھائی قرار پائے، ان کی دو بیویاں تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں۔ آپ اس سے نکاح کر لیجئے، لیکن انہوں نے احسان مندی کے ساتھ انکار کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اپنے مال کی (نصف مال کی) پیش کش کی تو انہوں نے کہا: خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے۔ مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے۔ انہوں نے بنو قینقاع کے مشہور

بازار کا رستہ بتا دیا۔ انہوں نے کچھ گھی اور پنیر خریدا اور شام تک خرید و فروخت کی۔ چند روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو اتنی ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول تھا کہ خاک میں ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے۔ (صحیح بخاری، باب اخاء النبیؐ)۔ ان کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا اور جس دن مدینہ پہنچتا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔

مواخات کا یہ عظیم رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا تھا، لیکن درحقیقت یہ اسلام کے ایک عظیم الشان مقصد کی تکمیل کا سامان تھا۔ اسلام کی عظیم الشان سلطنت الٰہی کے لیے وزراء، ارباب تدبیر، سپہ سالاران لشکر ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں۔ صحبت رسول ﷺ کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا اور ان میں یہ وصف پیدا ہو چکا تھا کہ ان کی درسگاہ تربیت سے قابل جوہر نکلیں۔ اس بنا پر جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا، ان میں مزاج اور ذوق کی مطابقت کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا اور اس طرح مطلوبہ عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں۔ (سیرۃ النبی ﷺ از شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ)

؎ کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں

☆ مدینے کی مختلف جماعتیں:

تاجدارِ مدینہ سرورِ قلب وسینہ ﷺ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو مدینہ کی آبادی مختلف جماعتوں میں منقسم تھی جن کا تذکرہ حسب ذیل ہے:-

۱- مہاجرین:- وہ مسلمان جو مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے، مہاجرین کہلائے۔

۲- انصار:- یہ جماعت مدینہ منورہ کے قحطانی قبائل اوس اور خزرج پر مشتمل تھی۔ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنی منقولہ اور غیر منقولہ تمام جائیدادیں اپنے مہاجر بھائیوں کی امداد و اعانت اور دین حق کی اشاعت کے لیے وقف کر دی تھیں۔

۳- منافقین:- مدینے میں منافقین کی بھی ایک جماعت عالم وجود میں آ چکی تھی۔ یہ لوگ بظاہر مسلمان تھے۔ مسلمانوں سے میل جول اور یگانگت رکھتے تھے۔ نمازیں پڑھتے اور

روزے رکھتے تھے۔ ان کا قائد عبداللہ بن ابی تھا۔ یہ یہودیوں کے سوا مدینہ کا ممتاز اور ذی اثر شخص تھا۔ اوس اور خزرج کے قبیلوں پر پورا رعب تھا اور قریب تھا کہ اہل مدینہ اسے رئیس اعظم تسلیم کر لیتے، اور اس سلسلے میں اس کی تاجپوشی کا اہتمام بھی ہو چکا تھا مگر اسلام نے اس کا یہ خواب اقتدار منتشر کر کے رکھ دیا۔

۴۔ عیسائی:۔ مدینہ میں عیسائیت کے پیروکار بھی تھے۔ وہ اقلیت میں تھے اور یہودیوں کے زیر بار تھے۔ شروع میں وہ آنحضرت ﷺ کے مخالف نہ تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل کو رد کر دیا ہے تو وہ بھی آنحضور ﷺ اور اسلام کے دشمن ہو گئے۔

۵۔ یہود:۔ مدینے کی بیشتر آبادی یہود پر مشتمل تھی۔ یہ عہد قدیم سے مدینے میں آباد تھے۔ اور تین قبائل، بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ پر مشتمل تھے۔ ذریعہ معاش تجارت اور سود خوری تھا۔ یہ لوگ اقتصادی لحاظ سے بڑے مالدار تھے اور مضبوط برج اور قلعے بنا کر بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے۔

میثاقِ مدینہ (یہودِ مدینہ کے ساتھ معاہدہ) (اہجری):۔

رسول رحمت ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد جب مسلمانوں کے درمیان عقیدے، سیاست اور نظام کی وحدت کے ذریعے ایک نئے اسلامی معاشرے کی بنیادیں استوار کر لیں تو غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات منظم کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔

آنحضرت ﷺ نے سیاسی بصیرت اور حکمت و تدبر سے کام لیتے ہوئے مدینہ کی جملہ اقوام بالخصوص یہود سے ایک تحریری معاہدہ بین الاقوامی اصول پر طے کیا تا کہ نسل و مذہب کا اختلاف ختم ہو اور قومی وحدت تشکیل پا سکے اور سب کو تہذیب و تمدن میں ایک دوسرے کا تعاون حاصل ہو۔ یہ ''صحیفہ مدینہ'' یا ''میثاق مدینہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدے کے دو حصے تھے۔ پہلے حصے کا تعلق مہاجرین، انصار اور دیگر حامی قبائل سے تھا۔ دوسرا حصہ یہود مدینہ سے متعلق تھا۔

معاہدے کی دفعات:۔

۱۔ یہ عہد نامہ مدینہ کے اہل اسلام اور ان دیگر گروہوں کے مابین ہے جو نظم و نسق کے سلسلے

میں اہل اسلام کے ساتھ ہوں گے، ان سے وابستہ رہیں گے اور ان کی جدوجہد میں شریک ہوں گے۔

۲- خون بہا اور فدیہ کا طریقہ قدیم (طریقہ) ہی قائم رہے گا۔

۳- یہود کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔

۴- معاہدہ میں شریک تمام فریقین ایک جماعت ہوں گے۔

۵- مسلمانوں کے قلبی رفیق صرف مسلمان ہوں گے۔

۶- مسلمانوں کے دوست و دشمن مشترکہ ہوں گے۔ کوئی مسلمان دشمنِ اسلام سے تنہا مصالحت نہیں کرے گا۔

۷- فریقینِ معاہدہ ایک دوسرے سے نیک نیتی، خیر خواہی اور بھلائی سے پیش آئیں گے۔ ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور نہ ایک دوسرے پر زیادتی کریں گے۔

۸- اہل ایمان قرض تلے دبے ہوئے مسلمان بھائیوں کی مدد کریں گے۔

۹- اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص ظلم، سرکشی یا بغاوت کا مرتکب ہوگا تو سب اہل ایمان اس کے خلاف ایک ہو کر اٹھیں گے۔ چاہے وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۰- کوئی مومن کسی ظالم کو پناہ نہیں دے گا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہوگا۔

۱۱- یہودیوں کے دوست قبائل کے حقوق بھی یہودیوں کے برابر ہوں گے۔

۱۲- ہر گروہ اپنے اپنے محلے میں قیام امن کا ذمہ دار ہوگا۔

۱۳- فریقین میں سے جب کسی کو تیسرے فریق سے جنگ درپیش ہو تو وہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں گے۔

۱۴- کوئی فریق قریش مکہ کی نہ حمایت کرے گا اور نہ ان کو امان دے گا۔

۱۵- اگر مدینے پر کوئی بیرونی طاقت حملہ آور ہوگی تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے، نیز فریقین میں سے جب کوئی تیسری طاقت سے صلح کرے گا تو دوسرے فریق کو بھی صلح کرنی ہوگی۔ البتہ مذہبی لڑائیاں اس سے مستثنیٰ رہیں گی۔

۱۶- مشترکہ جنگوں میں یہود اور مسلمانوں کے مصارف مشترک ہوں گے۔

۱۷- ہر مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہوگا۔ اس کا حلیف اس ذمہ داری میں اس کا شریک نہیں سمجھا جائے گا۔ اور نہ ہی کوئی مجرم یا ظالم اس عہد نامہ کی آڑ لے گا۔

۱۸- فریقین معاہدہ میں کوئی اختلاف ہوگا یا نزاع پیدا ہوگا تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے ہوگا۔

۱۹- فریقین مدینے کو حرم مانیں گے اور اس کے اندر فساد یا کشت وخون نہیں کریں گے۔

(ابن ہشام جلد اوّل)

☆ اہمیت:-

میثاق مدینہ تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ ہے کیونکہ اس سے تاریخ عرب میں پہلی بار اجتماعی زندگی کا آغاز ہوا اور حق وانصاف کے لیے آئے دن کی قبائلی خانہ جنگیوں کی بجائے ایک امیر کی طرف رجوع کرنے کا شعور پیدا ہوا۔

☆ جرمن مورخ ''ولہاوزن'' (WELHAUSIN) میثاقِ مدینہ کو شہر مملکت مدینہ کا دستور (CONSTITUTION) قرار دیتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہے: ''یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستورِ مملکت ہے اور اس کا ایک ایک لفظ اوراق تاریخ میں محفوظ ہے۔''

میثاق مدینہ پر یہود کی تائید وحمایت حاصل کرنا آنحضرت ﷺ کی ایک بہت بڑی سیاسی کامیابی تھی۔ اس سے آپ ﷺ مدینے کے منظم ہونے والے معاشرے میں خدا کی حاکمیت اور اس کے قانون کو فوقیت دلانے میں کامیاب ہوگئے۔ نیز سیاسی قانونی اور عدالتی لحاظ سے آخری اختیار آنحضرت ﷺ کے ہاتھ آ گیا۔ دفاعی لحاظ سے مدینہ اور اس کے نواح کی پوری آبادی ایک متحدہ طاقت بن گئی اور یہود اور دیگر قبائل پر قریش کی حمایت کے دروازے بند ہوگئے۔ اس دستوری معاہدہ سے باضابطہ طور پر اسلامی ریاست اور اسلامی نظام حیات کی بنیاد پڑی۔

میثاقِ مدینہ میں مدینہ کو ایک حرم قرار دے کر حضور اکرم ﷺ نے نہ صرف حرم مدینہ کی حدود مقرر کردیں۔ بلکہ یہاں فتنہ فساد کا مکمل طور پر قلع قمع کردیا۔ اس سے جہاں باہمی لڑائیاں، جانوروں کا شکار، کوئی ناشائستہ بات کا کرنا ممنوع قرار پایا وہاں حرم مدینہ کا تقدس بھی قائم کردیا۔

غزوات

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:-

''جن (مسلمانوں) سے کافر لڑتے ہیں اب ان کو بھی ان کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اس واسطے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور خدا ان کی مدد پر بے شک قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم لوگ ہیں جو (بے چارے) صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ ناحق و ناروا اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔''

(سورۃ الحج، آیت: ۳۹-۴۰)

غزوہ اسلامی تاریخ کی اصطلاح میں اس جنگ کو کہتے ہیں جو حمایت حق میں لڑی گئی ہو اور جس میں رسول اکرم ﷺ نے شرکت فرمائی ہو۔ ایسی جنگ کو جس میں آپ ﷺ موجود نہ ہوں ''سریہ'' کہا جاتا ہے۔

مسلمانوں کے ہجرت کر کے مدینہ میں آ جانے کے بعد جہاں مسلمانوں پر ایذا رسانی اور مظالم کا دور ختم ہو گیا، وہاں اسلام دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔ یہ امر قریش مکہ کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ ان کو ایمان والوں اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ دشمنی تو تھی ہی، اب ان کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو گیا کہ اگر مسلمانوں نے مدینے میں قدم جما لیے اور آس پاس کے قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا تو شام کی تجارتی شاہراہ جو مدینے کے قریب سے گزرتی ہے، قریش کے تجارتی قافلوں کے لیے بند ہو جائے گی، یا کم از کم ان کی تجارت مسلمانوں کے رحم و کرم پر رہ جائے گی۔ چنانچہ قریش مکہ نے تمام قبائل حجاز میں مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ

کرنا شروع کر دیا۔ نیز یہود اور منافقین مدینہ کو نام و پیام ے ذریعے مسلمانوں کے خلاف اکسانا شروع کر دیا۔

اہجری کے دیگر اہم واقعات

۱- مسجد قباء کی تعمیر ہوئی۔

۲- یہودیوں کے بہت بڑے عالم عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کیا۔

۳- اہل بیت نبوت کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ لایا گیا۔

۴- مسجد نبوی شریف کی تعمیر ہوئی۔

۵- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زفاف فرمایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبوت کے دسویں سال ہو چکا تھا۔ (ترمذی)

۶- مدینہ منورہ میں مہاجرین بیمار پڑ گئے۔

۷- حضرت عبداللہ بن زبیر قباء کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر تھیں۔ ان کے والد حضرت زبیر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

۸- اذان کی ابتداء ہوئی۔ شروع شروع میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لوگ نماز کے وقت خود بخود جمع ہو جایا کرتے تھے۔

۹- مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا گیا۔

۱۰- تعداد نماز میں اضافہ:- اس سے پہلے مغرب کی تین رکعت کے سوا تمام نمازیں دو۲، دو۲ رکعت تھیں۔ اس کے بعد نماز ظہر، نماز عصر اور نماز عشاء میں دو۲، دو۲ کا اضافہ ہو گیا۔ اور نماز فجر کی دو۲ رکعتیں بدستور قائم رہیں۔ کیونکہ ان میں قرأت طویل ہے اور نماز مغرب کو بھی اسی طرح برقرار رکھا گیا کیونکہ وہ دن کے وتر ہیں۔

۱۱- عاشورہ کا روزہ:- اسی سن اول ہجری میں یوم عاشورہ یعنی دسویں محرم کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

۱۲- براء رضی اللہ عنہ بن معرور کی رحلت:- اسی سن اول ہجری میں حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے

وفات پائی۔ یہ نقباء انصار میں سے خزرجی اور اسلمی ہیں۔

۱۳۔ اسعد بن زرارہ کی وفات:۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی وفات بھی اسی سال واقع ہوئی ہے۔ یہ بھی نقباء انصار میں سے ہیں اور یہ عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ دونوں ہی میں موجود تھے اور بیعت کی تھی۔

۱۴۔ اسی سال کلثوم رضی اللہ عنہا بن الہدم اور مہاجرین میں سے عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون نے وفات پائی۔

غزوۂ بدر (رمضان المبارک ۲ھ، مارچ 624ء)

"اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے، سو ڈرتے رہے اللہ سے تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ (احسان مانو)۔" (آل عمران آیت ۱۲۳)

؎ فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

باطل کے خلاف مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کا حکم ہو چکا تھا۔ اسلام کی وہ تلوار جو مکہ میں پڑی سوتی تھی اب مدینہ میں اسلام کے تحفظ اور دفاع کے لیے تڑپ کر باہر آ گئی اور مسلمانوں نے قریش مکہ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ترکی بہ ترکی جواب دینا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں غزوۂ بدر حق و باطل کے درمیان ایک شدید آویزش شروع ہوئی۔ جس کی حسب ذیل وجوہات تھیں:۔

غزوۂ بدر کے اسباب:۔

۱۔ اسلام کے خلاف قریش کی جارحانہ مخالفت:۔ قریش مکہ کو مسلمانوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی دشمنی تھی کہ ان کے وطن چھوڑ کر تین سو میل دور مدینہ میں چلے جانے کے بعد بھی ان کو چین نہ آیا۔ اسلام نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کرنی شروع کی اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی تو قریش نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا۔

۲۔ کعبہ کی تولیت سے محرومی:۔ قریش اپنے آپ کو کعبہ کا پاسبان سمجھتے تھے۔ اس کا تحفظ وہ

اپنا منصبی فرض جانتے تھے۔ ان کو خوف تھا کہ اس میں غفلت کی تو عرب کی روحانی پیشوائی ان کے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ علاوہ ازیں کعبہ کی تولیت سے انہیں بے شمار مالی فائدے حاصل تھے۔ انہیں خدشہ ہوا کہ اگر اسلام کی مخالفت نہ کی تو وہ منفعت بخش مراعات سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ ہر قیمت پر اسلام کی ابھرتی ہوئی قوت کو مٹانا چاہتے تھے۔

۳۔ قریش کی سازشیں:۔ قریش مکہ انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ ان کے لیے یہ امر ناقابل برداشت تھا کہ مسلمان مدینہ میں آرام وسکون کی زندگی بسر کریں اور اسلام سرعت سے پھیلتا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ میں منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء کو خط لکھا کہ: ''تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ اب لازم ہے کہ تم اس سے لڑو یا وہاں سے نکال دو۔ ورنہ ہم نے قسم کھالی ہے کہ ہم سب مل کر تمہارے اوپر حملہ کردیں گے۔ تمہارے جوانوں کو قتل کردیں گے اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کرلیں گے۔'' (سنن ابی داؤد جلد دوم، ص: ۶۷)

آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو خود عبداللہ بن اُبی کے پاس گئے اور ساری باتوں سے آگاہ کیا۔ اس بنا پر عبداللہ بن ابی قریش کی خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکا اور قریش کی یہ سازش ناکام ہوگئی۔ اس کے بعد قریش مکہ نے مدینہ کے یہودیوں سے ساز باز کر کے خفیہ طور پر انہیں اپنی حمایت پر آمادہ کرلیا۔ چنانچہ کفار، منافقین، اور یہود کی یہ سازشیں رنگ لائیں اور غزوۂ بدر کی نوبت پیش آئی۔

۴۔ شام کی تجارتی شاہراہ پر مسلمانوں کی گرفت:۔ قریش مکہ کی خوشحالی کا انحصار شام کی تجارت پر تھا اور شام کی شاہراہ مدینہ کے قریب سے گزرتی تھی۔ محسنِ انسانیت ﷺ کو جب اس بات کا یقین ہوگیا کہ کفار مکہ کسی وقت بھی مدینہ پر حملہ کردیں گے تو آپ ﷺ نے قریش کی اس تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کرلی تو قریش مکہ کی عداوت شدید تر ہوگئی۔

۵۔ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ:۔ ربیع الاول ۲ھ میں ایک قریشی سردار کرز بن جابر الفہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کردیا اور آنحضرت ﷺ کے مویشی جو میدان میں چر رہے تھے

لوٹ کر لے گیا۔ یہ ڈاکہ گویا مدینہ والوں کے لیے کھلا چیلنج تھا کہ ہم تین سو میل کا دھاوا کر کے تمہارے گھروں سے مویشی لے جا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے تعاقب کر کے مویشی چھین لیے مگر کرز بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

۶۔ عمرو بن الحضرمی کا قتل:۔ رجب ۲ھ ہجری میں رسول اکرم ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو بارہ مہاجرین کے ہمراہ نخلہ کی طرف ایک خفیہ مہم پر بھیجا۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ کو ایک خط دے کر فرمایا کہ دو دن کے بعد اس کو کھولنا۔ جب خط کھولا تو لکھا تھا کہ مقام نخلہ میں قیام کرو اور قریش کے حالات معلوم کرو۔ لیکن جب عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی آگے بڑھے تو اتفاق سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ ادھر سے گزر رہا تھا۔ انہوں نے موقع پا کر قافلہ پر حملہ کر دیا ایک شخص عمرو بن الحضرمی جو قریش کا ایک مقتدر حلیف تھا، مارا گیا اور دو آدمیوں کو سامان سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے اس فعل پر ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: ''میں نے تم کو جنگ کی اجازت نہیں دی تھی۔''

(سیرت ابن ہشام جلد اول ص:۳۴۵، طبری ص:۱۲۷۵)

یہ واقعہ یکم ماہ رجب ۲ ہجری کو پیش آیا تھا جس میں خونریزی منع تھی۔ اس لیے قریش سخت مشتعل ہوئے یہ واقعہ غزوۂ بدر کا بنیادی سبب بن گیا۔

۷۔ فوری وجہ انتقام:۔ قریش جو پہلے ہی مدینہ کو فتح کرنے کے عزائم باندھ رہے تھے اور اسلام کو کچلنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ حضرمی کے قتل کے بعد آتش انتقام سے بیتاب ہو گئے اور مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ دو ماہ قبل مکہ کا رئیس ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ لے کر شام گیا تھا۔ اس کے واپسی سفر پر افواہ اڑ گئی کہ مسلمان اس قافلے کو لوٹیں گے۔ یہ چرچا ابوسفیان تک بھی پہنچا۔ اس نے مدد کے لیے ایک آدمی مکہ دوڑایا۔ اس پر قریش نے بڑے زور و شور کے ساتھ تیاری کی اور آناً فاناً ایک ہزار کا لشکر تیار کیا۔ اور مکہ سے مدینہ کی طرف عتبہ بن ربیعہ کی زیر کمان چل پڑے۔

☆ جنگِ بدر کے واقعات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ:۔

آنحضرت ﷺ کو قریش کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سے

مشورہ کیا جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جان نثارانہ تقریریں کیں لیکن آپ ﷺ انصار کا عندیہ لینا چاہتے تھے۔ اس لیے دوبارہ مشورہ طلب کیا۔ اس پر قبیلہ خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور کہا: ''کیا آپ ﷺ کی مراد ہم سے ہے۔ اللہ کی قسم، آپ ﷺ سمندر میں کودنے کا حکم دیں تو کود پڑیں۔ اور اگر فرمان ہو تو برک غمدان (عرب کے جنوبی کنارے کا ایک شہر) تک سواریوں کو پیٹتے ہوئے جا پہنچیں۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم وہ نہیں کہ قومِ موسیٰ علیہ السلام کی طرح کہہ دیں: ''جاؤ تو اور تیرا خدا دونوں لڑو ہم تو یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔'' بلکہ ہم تو حضور ﷺ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو کر لڑیں گے۔ یہ تقریریں سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک وفورِ مسرت سے چمک اٹھا اور انہیں دعائے خیر سے نوازا۔

☆ اسلامی لشکر کی مدینہ سے روانگی:۔

۱۲- رمضان المبارک ۲ھ 9 مارچ 624ء کو آنحضرت ﷺ تین سو تیرہ مسلمانوں کو لے کر جن میں ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے، مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ شریف میں نماز کی امامت کے لیے آپ ﷺ نے عمرو بن ام مکتوم کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم بنا کر راستہ سے واپس بھیج دیا۔ فوج کا ایک علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور دوسرا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ دنیا کو کیا معلوم تھا کہ فدائیانِ اسلام کا یہ مختصر سا قافلہ انتہائی بے سروسامانی کے باوجود اپنے خون سے تاریخ عالم کا ایک زرین باب لکھنے نکلا ہے جس کی مثال رہتی دنیا تک نہ مل سکے گی۔ اس لشکر کے ساز و سامان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ تمام لشکر میں صرف دو ۲ گھوڑے اور ستر ۷۰ اونٹ تھے۔ سامان حرب کی قلت کا بھی یہی حال تھا۔ مجاہدین کے پاس کل سات زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ اہل بدر کی تعداد بھی لشکر طالوت کے برابر تھی جبکہ وہ جالوت کے مقابلے میں نکلا تھا۔

(بخاری، کتاب المغازی، ص:۱۶)

حفیظ جالندھری مرحوم نے اپنی کتاب شاہنامہ اسلام جلد دوئم میں اس قلت کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا تھا نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی ﷺ والا تھا

یہ پہلا جیش تھا دنیا میں افواجِ الٰہی کا
جسے اعلان کرنا تھا خدا کی بادشاہی کا

تھے ان کے پاس دو گھوڑے، چھ زرہیں، آٹھ شمشیریں
پلٹنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں

یہ ستر اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے
مجاہد بھی وضو کرتے، نہاتے، غسل فرماتے

نہ تیغ و تبر پر تکیہ نہ خنجر پر نہ بھالے پر
بھروسا تھا تو اک سادہ سی کالی کملی ﷺ والے پر

☆ لشکر کفار اور انکی سر و سامانی:-

مشرکینِ مکہ ایک ہزار نوجوانوں پر مشتمل لشکر جو ہتھیار بند زرہ بکتر، تیر و کمان، نیزہ، تلوار، غرض جملہ سامانِ جنگ اور آلاتِ جنگ سے آراستہ تھا، کے ساتھ سات سو اونٹوں اور 100 گھوڑوں کے جلو میں بڑے فخر اور طمطراق کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے۔ گانے بجانے والی عورتیں ساتھ تھیں۔ جو دف بجاتی اور مسلمانوں کی ہجو گاتی تھیں۔

دونوں فوجیں وادی زفران میں بدر کے میدان میں اتریں۔ آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے پر آگے بڑھ کر بدر کے بڑے چشموں پر قبضہ کر لیا۔ جنگ سے ایک روز پہلے آنحضور ﷺ نے میدان کا ملاحظہ کیا اور بتلایا کہ کل انشاء اللہ فلاں دشمن اس جگہ اور فلاں فلاں اس جگہ قتل ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ رات بھر بیدار رہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں نصرت اسلام کے لیے دعائیں مانگتے رہے۔ پہاڑی کے دوسری طرف مشرکین کا لشکر تمام رات ناؤ نوش میں مصروف رہا۔

۱۷ رمضان المبارک بروز جمعہ صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے صف بندی کی اور فوج کو ضروری ہدایات صادر فرمائیں۔ اور لشکر کے عقب میں ایک بلند چٹان

پر عریش یعنی چھپر تیار کیا گیا تا کہ آنحضرت ﷺ جنگ کا منظر ملاحظہ فرما کر مناسب ہدایات جاری کرسکیں۔ (آج کل یہاں ایک مسجد کھڑی ہے جسے "مسجد عریش" کہتے ہیں۔)

☆ ازاں بعد آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی:۔ "خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر۔ اگر آج تیرے یہ چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیری عبادت نہ ہوگی۔"

(تاریخ اسلام شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۴۱ بحوالہ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۳۶۰)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "حضور ﷺ! خدا اپنا وعدہ پورا کرے گا۔" آخر وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو یہ خوشخبری اور فتح کی نوید ملی:۔

ترجمہ:۔ "عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔" (سورۃ القمر۔ آیت:۴۵)

دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں کے لیے یہ بڑے امتحان و آزمائش کا موقع تھا کہ ان کے مدمقابل ان کے بزرگ، عزیز و اقارب اور قلب و جگر کے ٹکڑے نظر آرہے تھے۔ مگر اسلام کی محبت نے تمام رشتوں کو بھلا دیا"۔ اس لحاظ سے یہ دنیا کی تاریخ میں ایک انوکھی جنگ تھی۔ "عرب کے دستور کے مطابق لڑائی کا آغاز مبارزت سے ہوا۔ سب سے پہلے عتبہ اپنے بھائی اور بیٹے کو لے کر میدان میں نکلا اور مبارز طلبی کی۔ حضور ﷺ کی ہدایت پر حضرت عوف رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نکلے (مقابلہ کے لیے)۔ عتبہ نے نام پوچھا جب یہ معلوم ہوا کہ انصار ہیں تو عتبہ نے کہا: "ہم کو تم سے غرض نہیں۔" پھر آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے پکارا کہ: "محمد ﷺ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔" چنانچہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ میدان میں آئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو مار گرایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو ڈھیر کر دیا لیکن حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ شیبہ کے مقابلے میں زخمی ہو گئے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد لشکر قریب تر ہوئے۔ ایک طرف ہتھیاروں میں ڈوبا ہوا شیطانی ہجوم تھا اور دوسری طرف توحید کے مٹھی بھر پروانے۔ آخر حق و باطل کے درمیان زور کا رن پڑا۔

☆ غرور کے پتلے ابوجہل کا قتل اور خاتمۂ جنگ :-

ابوجہل کو دو انصاری نوجوانوں معوذ رضی اللہ عنہ اور معاذ رضی اللہ عنہ بن عفرا (بعض روایتوں میں معاذ بن عمرو ہے۔) نے جھپٹ کر ڈھیر کر دیا۔ بالآخر نصرتِ الٰہی سے مکہ والوں کو شکست ہوئی۔ ان کے ستر ۷۰ مشہور سردار گرفتار ہوئے اور ستر ۷۰ بہادر مارے گئے۔ ان میں ابوجہل کے علاوہ چودہ میں سے گیارہ وہ سردار بھی تھے جو دارالندوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے مشورے میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں امیہ بن خلف بھی تھا جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ستم کیا کرتا تھا۔ مسلمان شہداء کی تعداد چودہ تھی۔ جن میں آٹھ انصار تھے اور چھ مہاجرین۔ فتح کی خوشخبری دو قاصدوں کے ذریعے مدینے کو روانہ کی گئی۔ لوگوں کو یہ مژدہ سن کر حیرت ہوئی۔ جب قیدی پہنچے تو پورا یقین آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز بدر کے میدان میں قیام فرمایا۔ ازاں بعد عازمِ مدینہ ہوئے۔

☆ اسیرانِ جنگ سے سلوک :-

غزوۂ بدر میں قریش مکہ کے ستر ۷۰ آدمی گرفتار ہوئے۔ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے داماد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند ابوالعاص، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل بن ابوطالب، نوفل بن حارث، عمرو بن ابی سفیان، خالد بن ہشام اور سہیل بن عمرو جیسے مقتدر اور نامور اشخاص بھی شامل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایات دیں کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ مسلمانوں نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے قیدیوں کو نان و پنیر کھلایا اور خود کھجوروں پر گزارا کیا۔ مدینہ پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاورتی اجلاس منعقد کیا کہ جنگی قیدیوں کا کیا کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس رائے کی تائید کی۔ اسی لیے اسی رائے پر عمل کیا گیا۔ صرف دو قیدیوں نضر بن حارث بن کلاہ (یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدسلوکی کرنے اور ایذارسانی میں بڑا بے باک تھا نیز جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ و تذکر کرتے تو یہ بدبخت ان کے مقابلے میں رستم واسفندیار کے افسانے سنایا کرتا تھا۔) اور عقبہ بن ابی معیط (یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین

دشمنوں میں سے تھا۔اس کمبخت نے ایک مرتبہ حضور انور ﷺ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا تھا۔) کوقتل کر دیا گیا۔باقی سب کو فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔جو قیدی فدیہ ادا نہ کر سکے ان کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ دس ۱۰ دس ۱۰ بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔اس سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے نزدیک تعلیم کس قدر اہم تھی۔فدیہ کی مقدار چار ہزار اور تین ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک تھی۔رسول رحمت ﷺ نے کئی قیدیوں پر احسان بھی فرمایا اور انہیں فدیہ لیے بغیر رہا کر دیا۔اس فہرست میں مطلب بن حطب، صیفی بن ابی رفاعہ اور ابوعزہ جمجی کے نام شامل ہیں۔آخرالذکر کو جنگ احد میں قید اور قتل کیا گیا۔

☆ جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب:۔

جنگ بدر اہل اسلام کے لیے آیۂ رحمت ثابت ہوئی۔اگر اس جنگ کے مقابل فریقوں یا مقتولوں اور اسیروں کی تعداد پر نظر ڈالی جائے تو یہ خیال پڑتا ہے کہ یہ جنگ نہ تھی بلکہ ایک معمولی جھڑپ تھی لیکن نتائج اور اثرات کے لحاظ سے تاریخ عالم کی بڑی بڑی لڑائیاں اس کے سامنے ہیچ دکھائی دیتی ہیں۔درحقیقت یہ حق کی سربلندی کا پہلا جلوہ تھا یہ ان عظیم الشان اور غیر معمولی کارناموں کی صبح اول تھی جن کی صدائے بازگشت سے تاریخ عالم کے ایوان قیامت تک گونجتے رہیں گے۔

☆ بقول مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ مغربی مفکرین کو جن کے نزدیک عالم اسباب میں جو کچھ ہے صرف اسباب ظاہری کے نتائج ہیں۔حیرت ہے کہ تین سو پیادہ آدمیوں نے ایک ہزار پر جن میں سو 100 سواروں کا ایک رسالہ تھا کیونکر فتح پائی۔لیکن تائید آسمانی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہیں۔تاہم اس واقعہ میں ظاہر بینوں کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہیں۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد!
(اقبالؒ)

ا۔شوکت اسلام کا سنگ بنیاد:

جنگ بدر تاریخ اسلام کی ایک مثالی جنگ تھی۔ظلمت کدۂ کفر میں صف ماتم بچھ گئی لیکن

اسلام کا حقیقی عروج یہیں سے شروع ہوا۔ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ بدر کا معرکہ حقیقت میں اسلام کی ترقی کا اولین قدم تھا۔ مولانا اسلم جیراج پوری جنگ بدر کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

''یہ لڑائی درحقیقت شوکتِ اسلام کا سنگِ بنیاد تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس میں شریک ہوئے، وہ سارے کے سارے جنتی قرار دیئے گئے۔''

(تاریخ الامت حصہ اول، ص:۸۸)

۲-مسلمانوں کا جذبہ جہاد:-

مسلمانوں نے اپنے پیارے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے جہاد و شہادت کے فضائل سنے تھے اس لیے وہ حد درجہ جذبہ جہاد سے سرشار تھے۔ وہ موت کے خوف سے بے نیاز ہو کر لڑ رہے تھے اور جنت کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھ رہے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی امداد پر پورا پورا یقین تھا کیونکہ قرآن حکیم میں مسلمانوں کی کامیابی کی بشارتیں آ چکی تھیں۔

؎ شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

۳-حق و باطل میں امتیاز:-

سورۂ انفال میں جنگ بدر کو ''یوم الفرقان'' کہا گیا ہے۔ یعنی حق و باطل میں فرقان کا دن۔ ایک طرف دین اسلام اور اس کی اشاعت کا مسئلہ تھا۔ دوسری طرف باطل کی مادی طاقتیں اسے نیست و نابود کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ فتح بدر نے اسلام کو فتح و نصرت اور فوقیت بخشی۔ اور باطل کو شکست سے دوچار کر کے دنیا بھر میں پیغام حق کی اشاعت کے دروازے کھول دیئے اور اسلام ایک عالمگیر مذہب بن کر ابھرا۔

؎ بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

۴-اسلام کی نوزائیدہ مملکت کا استحکام:-

قریش مکہ بالخصوص ابوجہل کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے جو خطرات مدینہ کی دولت مشترکہ کو پیدا ہو گئے تھے۔ جنگ بدر میں قریش کی شکست سے وہ وقتی طور پر ٹل گئے۔ شہدائے بدر کے خون نے شجر اسلام کو اس طرح سیراب کیا کہ وہ روز افزوں ترقی کرنے لگا۔

سدا زندہ رہتے ہیں مرتے نہیں
کبھی موت سے اپنی ڈرتے نہیں

۵-اسلام کی عظیم قوت:-

غزوۂ بدر میں اسلام کی فتح نے اسلامی حکومت کو عرب کی ایک عظیم قوت بنا دیا۔ ایک مغرب کا مؤرخ لکھتا ہے: "بدر سے پہلے اسلام محض ایک مذہب...... تھا۔ مگر بدر کے بعد وہ مذہب ریاست بلکہ خود ریاست بن گیا۔"

۶-مدینہ میں اسلام کی مزید اشاعت:-

مدینہ میں اوس وخزرج کے بہت سے لوگوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ ہوا کا رخ دیکھ رہے تھے۔ 313 کے ہاتھوں ایک ہزار قریشی سرداروں کی شکست نے ان پر لات و منات وعزیٰ اور ہبل کی قوت کا کھوکھلا پن واضح کر دیا۔

۷-نصرت وتائید خداوندی:-

سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ خدا کے آخری محبوب رسول ﷺ مسلمانوں کے امیرِ لشکر تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت وتائید حاصل تھی۔ ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ:- "جب آپ ﷺ نے (کنکریاں) پھینکیں تو درحقیقت آپ ﷺ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔" (الانفال-۱۷)

۸-کفار مکہ کی قوت کا خاتمہ:-

بدر کی شکست سے مشاہیر قریش کا نہ صرف وقار خاک میں مل گیا بلکہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، سعد بن العاص اور امیہ بن خلف ایسے تمام اہل الرائے اور مقتدر قریش مارے گئے۔ جن کے

قتل ہو جانے سے قریش کی قومی اور سیاسی قوت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

۹-اہل عرب پر اسلام کی عسکری قوت کی ہیبت:-

بدر کی فتح سے ان (مسلمانوں) کی طاقت کی دھاک تمام اہل عرب پر بیٹھ گئی۔ چنانچہ عرب قبائل قریشِ مکہ کی بجائے مدینہ کی دولت مشترکہ (نوزائیدہ اسلامی حکومت) کو سب سے بڑی طاقت شمار کرنے لگے اور اس میں شامل ہونے لگے۔

۱۰-اشاعتِ اسلام کا فروغ:-

فتح بدر نے اسلام کو نصرت وفوقیت سے ہمکنار کیا اور باطل پر ایک کاری ضرب لگا کر دنیا بھر میں پیغام حق کی اشاعت کے دروازے کھول دیئے۔ اگر خدانخواستہ اس جنگ میں مسلمان ہار جاتے تو وہ واقعی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے اور اسلام کی عالمگیریت مشکوک ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک واضح فتح نصیب کی جس سے ان لوگوں کو بھی راہِ ہدایت نصیب ہوئی جو اب تک اسلام کی حقانیت اور کامیابی کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا تھے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اسلام عرب کے کونے کونے میں پہنچ گیا۔

؎ پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے (اقبالؒ)

☆ ۱۱-غیروں کا تبصرہ:-

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی رو سے غزوۂ بدر نہ صرف تاریخِ اسلام کا زبردست معرکہ ہے بلکہ ساری دنیا کا اہم ترین واقعہ ہے۔

☆ ۱۲-قرآن حکیم کا تبصرہ:-

اسی غزوہ کے تعلق سے "سورۂ انفال" نازل ہوئی جو درحقیقت اس غزوے پر ایک خدائی تبصرہ ہے۔ اس تبصرے کی چند باتیں درج ذیل ہیں:-

۱- مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی کہ وہ اپنی کوتاہیوں اور اخلاقی کمزوریوں کی اصلاح کریں اور اپنے آپ کو ان کمزوریوں سے پاک صاف کر کے کامل ترین بن جائیں۔

۲- اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ اس فتح میں اس کی تائید اور غیبی مدد شامل تھی۔ مسلمان اپنی شجاعت وقوت کے فریب میں نہ آ جائیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور اس کے رسول کی پیروی پر کار بند رہیں۔

۳- مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے معاملے میں مخاطب کرتے ہوئے انہیں اس مسئلے کے تمام بنیادی قواعد واصول سمجھائے گئے ہیں۔

۴- اس مرحلے پر اسلامی دعوت کو جنگ وصلح کے جن قوانین کی ضرورت تھی ان کی وضاحت کی گئی۔ علاوہ ازیں اسلامی حکومت کے قوانین کی کئی دفعات بیان کی گئی ہیں اور جہاد کے اصل اغراضِ ومقاصد واضح کیے ہیں۔

۵- پھر مشرکین ومنافقین کو اور یہود اور جنگی قیدیوں کو مخاطب کر کے ترغیب دی گئی ہے کہ وہ حق کے سامنے جھک جائیں اور اس کے پابند ہو جائیں۔

غزوۂ بدرؔ وہ تاریخ کا باب زریں
لے کے آیا جو مسلماں کے لئے فتح مبین
تمتما اُٹھی مسرت سے مشیت کی جبیں
یوں صف آرا ہوئے آئینِ رسالت کے امیں
دین کی راہ میں وہ مرحلہ جرأت و شوق
اپنی منزل کو رواں قافلۂ عزم و یقیں
سر میداں نکل آئے جو علیؓ و حمزہؓ
تنگ یک بارہ ہوئی عتبہ وشیبہ پر زمیں
سرفروشانہ لڑے ایسے فدایانِ رسولؐ
کہ فرشتوں کے لبوں پہ تھی صدائے تحسیں
ساز و ساماں پہ کوئی تکیہ نہ خوفِ اعداء
فقط اللہ کا پیمان تھا وجہ تسکیں
گر اسے بدر کا عنواں نہ میسر آتا
داستانِ ملت بیضا کی نہ ہوتی رنگیں

(حفیظ تائب)

غزوۂ بدر اور معجزات

۱- بدر کے راستے میں ایک اونٹ تھک کر بیٹھ گیا اور کسی طرح اٹھنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس اونٹ پر سواری کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی...... ''یارسول اللہ! ہمارا اونٹ چلنے سے رہ گیا ہے۔''

جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑا سا پانی منگوایا، اور کلی کر کے پانی والے برتن میں ڈال دی۔

پھر فرمایا...... ''اونٹ کا منہ کھولو!''

منہ کھولا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پانی اس کے منہ میں اور باقی اس کے بدن پر ڈال دیا اس آبِ حیات نے ایسا اثر دکھایا کہ اونٹ کی ساری تھکاوٹ یک لخت دور ہوگئی اور اٹھ کر نہایت تیز رفتاری سے چلنے لگ گیا۔ سبحان اللہ!

(سیرتِ حلبیہ ج ۲ ص ۱۵۸ بحوالہ سید الوریٰ جلد اول از قاضی عبدالدائم دائم)

قارئین محترم! غزوۂ بدر از اول تا آخر سراپا معجزہ ہے، تاہم سیرت نگاروں نے بعض نمایاں معجزات کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔

۲- جس دن بدر کا معرکہ کارزار گرم ہونا تھا۔ اس سے ایک رات پہلے جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ بدر کا معائنہ کیا، اور مختلف جگہوں پر ہاتھ رکھ رکھ کر بتایا کہ کل یہاں فلاں کافر گر کر مرے گا اور یہاں فلاں مرے گا...... موت اور مقام کے بارے میں یہ فیصلے اتنے اٹل اور قطعی تھے کہ حرف بحرف پورے ہوئے۔ نہ تو ان بدبختوں میں سے کوئی زندہ بچا، جن کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیے تھے، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ جگہوں (مقامات) سے ذرا برابر ادھر ادھر ہوا۔

۳- عددی قلت کے باوجود مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، ان کا جانی نقصان بھی مشرکین کی بہ

نسبت بہت کم ہوا تھا، مگر مسئلہ یہ تھا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اگر ایک گرتا تھا تو اس کی جگہ لینے کے لیے دو تیار کھڑے ہوتے تھے۔ آخر جانِ دو عالم ﷺ نے اپنی خداداد معجزانہ قوت کو بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا۔ اور مٹھی بھر کنکریاں لے کر...... شَاھَتِ الْوُجُوْہ (روسیاہ ہو گئے یہ لوگ)...... کہتے ہوئے مشرکین کی طرف پھینک دیں۔ یہ کنکریاں اگرچہ تھوڑی سی تھیں، مگر ان کے پھینکنے میں دست اعجاز کارفرما تھا۔ اس لیے تمام مشرکین کی آنکھوں میں جا پڑیں، اور وہ لڑائی بھول کر آنکھیں ملنے لگ گئے۔ مسلمانوں نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ایسا زوردار حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ستر ۷۰ کے قریب آدمی مارے گئے۔ اتنے ہی گرفتار ہو گئے اور باقی بری طرح شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

۴- لڑائی کے دوران حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو نہتا دیکھا تو ایک جڑ کی لکڑی ان کے ہاتھ میں تھما دی اور فرمایا: ''قاتل بھذا یا عکاشۃ!'' (عکاشہ! اس کے ساتھ جنگ کرو!) حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس کو تلوار کی طرح لہرایا، تو حیرت انگیز طور پر وہ لکڑی، انتہائی تیز دھار چمک دار اور مضبوط تلوار بن گئی۔ یہ تلوار مدتوں تک حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بطورِ یادگار باقی رہی۔ سبحان اللہ!

۵- اسی طرح حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی شمشیر شکستہ ہو گئی تو جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو کھجور کی ایک ٹہنی عطا فرمائی اور کہا ''اضرب بہ'' (اس کے ساتھ دشمنوں کو مارو۔) اس فرمان کے ساتھ ہی وہ کمزور سی ٹہنی شمشیرِ براں بن گئی۔

۶- دشمن کے ایک زوردار وار سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا پہلو کٹ گیا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے کٹے ہوئے حصے کو اپنے دستِ مبارک سے جوڑا اور اوپر اپنا لعابِ دہن لگا دیا۔ اسی وقت خون بند ہو گیا، اور زخم مندمل ہو گیا۔

۷- حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تیر لگنے سے ڈھیلا باہر نکلا آیا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے چشمِ مجروح پر تھوکا اور دعا فرمائی۔ اسی وقت تکلیف جاتی رہی۔

(سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۱۷۹-۱۸۰، سید الوریٰ ﷺ جلد اول ص ۴۳۶)

نعت شریف

مدینے کی یہ سر زمیں اللہ اللہ　　زمیں پر ہے خُلدِ بریں، اللہ اللہ!

یہ روضہ ہے شمعِ رسالت کا روضہ　　یہ روضہ ہے شمعِ یقیں، اللہ اللہ!

مدینے کی ہر صبح، صبح درخشاں　　ہر ایک شام، شامِ حسیں، اللہ اللہ!

یہ دربار ہے مہبطِ وحی قرآن　　ہیں دربان روح الامیں، اللہ اللہ!

مری روح انوارِ رحمت میں گم ہے　　مدینہ ہے دل کے قریں، اللہ اللہ!

دل و جاں ہیں قربان اِک اِک ادا پر　　ہر اک بات ہے دلنشیں اللہ اللہ!

نہ کوئی نبی اور آئے گا حافظ
وہ ہیں خاتم المرسلین' اللہ اللہ!

(حافظ لدھیانوی)

مردوں سے خطاب:-

جب مشرکین کی لاشیں کنوئیں میں پھینکی جا چکیں تو سپہ سالارِ مدینہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور کنوئیں کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: "اے کنوئیں والو! کیا تم نے اس وعدے کو درست پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا۔ میں نے تو اس وعدے کو درست پایا جو مجھ سے میرے رب نے کیا تھا۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:-

"اے کنوئیں والو! تم نبی کے کیا ہی بُرے رشتہ دار ہو، تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ دوسروں نے تصدیق کی۔ تم نے مجھے نکال دیا دوسروں نے پناہ دی، تم نے مجھ سے جنگ کی جبکہ دوسروں نے مدد کی۔"

آپ ﷺ کے ساتھیوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ مردوں سے بھی باتیں کرتے ہیں"؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:-

"انہیں معلوم ہوگیا ہے کہ ان کے ساتھ ان کے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا ہے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

انهم يسمعون ما اقول: "میں نے ان سے جو بات کہی وہ انہوں نے سن لی۔ (صحیح البخاری جلد دوئم ص: ۵۶۶، ۵۶۷)

غزوۂ بدر اور قرآنی آیات کے حوالے:-

سورۃ آل عمران: آیت-۱۳ سورۃ الانفال: آیات ۵ تا ۱۹- آیات ۴۱ تا ۴۴

سورۃ الانفال: آیات ۴۸ تا ۴۹ ۶۵ تا ۶۷ سورۃ القمر: -۴۵

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح:- (ذوالحجہ ۲ھ)

غزوۂ بدر کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت اٹھارہ برس کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک زرہ تھی۔ یہ چار سو اسی (۴۸۰) درہم میں فروخت ہوئی۔ اس کے علاوہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک پرانی یمنی چادر بھی تھی، یہ سب مہر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیں۔

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی بیٹی کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا ایک گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے ایک چھاگل، ایک مشک، دو ۲ چکیاں اور دو ۲ مٹی کے گھڑوں پر مشتمل تھا۔ (طبقات ابن سعد)

قارئینِ باتمکین! اس نکاح کی رسم جس سادگی سے ادا ہوئی وہ امت کے لیے ایک نہایت عمدہ نمونہ بنی رہے گی۔ شادی کے بعد الگ گھر کی ضرورت پیش آئی۔ کیونکہ قبل ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت حارث بن نعمان انصاری نے اپنا ایک مکان خالی کردیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس میں آگئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے دروازہ پر کھڑے ہوکر اذن مانگا پھر اندر آئے پھر برتن میں پانی منگوایا دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل ترشخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔

(زرقانی-جلد دوئم)

''جو مجھے دوست رکھتا ہے، وہ علی رضی اللہ عنہ کو بھی دوست رکھتا ہے۔'' (الحدیث)

''علی رضی اللہ عنہ دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے۔'' (ترمذی)

☆ ۲ھ کے دیگر اہم واقعات:-

۱- تحویل قبلہ:- ہجرت مدینہ کے کوئی سترہ ماہ بعد، غزوۂ بدر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قبلہ کی بابت اپنا سابقہ حکم منسوخ کر کے نیا حکم نازل فرمایا۔ جس کی رو سے مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ (بیت اللہ شریف) قرار پایا۔

۲- رمضان کا روزہ اور صدقہ فطر فرض کیا گیا۔

۳- زکوٰۃ کے نصاب کی تفصیل مقرر کر کے اس کی فرضیت کا حکم۔ (طبقات ابن سعد)

۴- مسلمانوں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ شوال ۲ھ کی عید منائی۔ جو جنگِ بدر کی فتح مبین کے بعد پیش آئی۔ اور پہلی مرتبہ عید گاہ میں نمازِ عید ادا کی گئی۔ مسلمانوں نے بڑے جوش وخروش اور گھروں سے باہر نکل کر تکبیر و توحید اور تحمید و تسبیح کی آوازیں بلند کرتے ہوئے ادا کی۔ مسلمانوں کی پیشانیاں اللہ کے احسان عظیم پر اس کے آگے جھکی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا ذکر اس طرح فرمایا:-

ترجمہ:- اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمزور بنا کر رکھے گئے تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک لے جائیں گے پس اس نے تمہیں ٹھکانہ مرحمت فرمایا اور اپنی مدد کے ذریعے تمہاری تائید کی اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی دی تا کہ تم لوگ شکر گزار ہو۔''

(سورۃ الانفال: آیت ۲۶) (طبقات ابن سعد و زرقانی جلد دوئم)

۵- جہاد وقتال کا حکم:- ۲ھ کے واقعات میں سے امرِ جہاد وقتال کا واقع ہونا ہے۔

۶- ابولہب کی ہلاکت:- ابولہب نے جنگ بدر کے سات روز بعد چیچک سے وفات پائی۔ مکہ کے لوگ طاعون اور چیچک کے مُردے سے بھاگ جاتے تھے۔ ابولہب کے بیٹے گھر سے نکل گئے۔ اس کی لاش سے بدبو پھیل گئی۔ تو لوگوں نے مجبور ہو کر لاش شہر سے باہر نکالی اور دور سے پتھر پھینک پھینک کر ڈھانپ دیا۔

غزوۂ اُحد

(۷شوال ۳ ہجری، 23 مارچ 625ء)

''اور ہمت نہ ہارو اور (اس اتفاقی شکست سے) آزردہ خاطر نہ ہو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔'' (سورہ آل عمران- آیت:۱۳۸)

۷شوال ۳ ہجری بمطابق 23 مارچ 625ء بروز ہفتہ، کوہِ احد کے دامن میں مسلمانان مدینہ اور قریشِ مکہ کے مابین ایک خونریز جنگ لڑی گئی۔ جسے غزوۂ اُحد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

غزوۂ اُحد کے محرکات واسباب

☆ ۱-قریش کا جوشِ انتقام:-

بدر کے میدان میں اہل مکہ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا، اس کے انتقام کی آگ ان کے دلوں میں مسلسل بھڑک رہی تھی۔ شکست خوردہ لشکر قریشِ مکہ پہنچا تو مکہ کے درودیوار تھرا اٹھے۔ رؤسائے شہر نے نالہ وشیون پر پابندی لگا دی کہ مسلمان سن کر خوش نہ ہوں۔ (ابن ہشام) قریش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا۔ اب بدر کے بعد ہر گھر ماتم کدہ تھا۔ چنانچہ مقتولینِ بدر کے انتقام کے لیے قریشِ مکہ کا بچہ بچہ بے تاب تھا۔

۲-غزوۂ سویق:-ذوالحجہ ۲ ہجری

غزوۂ اُحد کا ایک سبب غزوۂ سویق یا غزوہ ''قرقرۃ الکدر'' بھی تھا۔ اس میں قریش نے اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ پر حملہ کیا۔

☆۳-سرورِ دو عالم ﷺ کے قتل کی سازش:-

جنگِ بدر سے چند روز بعد مکہ کے ایک رئیس صفوان بن امیہ (جس کا باپ بدر میں قتل ہوا تھا) نے ایک شخص عمیر بن وہب (جس کا بیٹا ابھی تک مسلمانوں کے ہاں مدینہ میں اسیر تھا) کو پوشیدہ طور پر مدینہ جا کر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے پر آمادہ کیا اور عوضاً وعدہ کیا کہ وہ اس کا تمام قرض اتار دے گا اور اس کے اہل و عیال کا خرچ بھی برداشت کرے گا۔ (ابن اثیر-البدایہ والنہایہ) اس منصوبہ میں دونوں نے بہت راز داری سے کام کیا۔ چنانچہ عمیر بن وہب نے تلوار زہر میں بجھائی اور اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ پہنچا۔ مسجد نبوی ﷺ کے دروازے پر اونٹ سے اتر رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا اور پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی کہ عمیر کی نیت نیک معلوم نہیں ہوتی۔ آپ ﷺ نے عمیر سے مدینہ آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا: ''اپنا بیٹا چھڑانے آیا ہوں۔'' حضور ﷺ نے پوچھا کیا تم اور صفوان نے خانہ کعبہ میں میرے قتل کی سازش نہیں کی تھی؟ اس پر عمیر حیران رہ گیا۔ وہ جان گیا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے یہ خبر حضور ﷺ کو بتا دی ہے۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ حضور ﷺ نے اس کے بیٹے کو آزاد کر دیا۔ وہ مکہ چلا گیا اور اس کی تبلیغ سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ دیگر مشرکین بھی اس قسم کی سازشوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔

(سیرت ابن ہشام)

☆۴-عرب شعراء اور خواتین قریش کا پروپیگنڈہ:-

قریش شاید ان تمام امور کے باوجود بدر کی جنگ کو بھلا دیتے لیکن عرب کے طول و عرض سے مختلف شعراء نے مکہ کا رخ کیا۔ مقتولین کے لیے مرثیے اور جنگی ترانے گائے۔ اس سے بڑھ کر پروپیگنڈے کی وہ مہم تھی جو قریشی خواتین کی طرف سے شروع کی گئی۔ اس میں طعن و تشنیع کا عنصر غالب تھا اور عورتوں کے طعنے برداشت کرنا قریشی سرداروں کے بس کا روگ نہ تھا۔ ان عورتوں میں ہندہ زوجہ ابو سفیان (جو عتبہ کی بیٹی تھی) ام حکیم زوجہ عکرمہ بن ابوجہل، فاطمہ بنت ولید (ولید قتل ہوا تھا) ریطہ زوجہ عمرو بن العاص اور خناس والدہ مصعب بن عمیر پیش پیش تھیں۔

☆۵-اقتصادی ناکہ بندی کا خوف:-

بدر کی شکست سے قریش پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مسلمان جب چاہیں شام کا تجارتی راستہ بند کر کے ان کی اقتصادی ناکہ بندی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اپنی معیشت کو برقرار رکھنے کے لیے انہوں نے مدینہ کی اسلامی ریاست کو راستہ سے ہٹانا ضروری خیال کیا۔

☆۶-یہود کی طرف سے حوصلہ افزائی:-

غزوۂ بدر سے پہلے بھی یہودِ مدینہ کے قریش کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے اور بدر کے موقع پر ان کی واضح ہمدردیاں اہل مکہ کے ساتھ تھیں۔ لیکن بدر کے بعد انہوں نے کھلم کھلا قریش کو انتقام لینے کے لیے مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ ان کا سردار کعب ابن اشرف خود مکہ پہنچا۔ اور اس نے ''اشرافِ عرب'' کی موت پر مرثیہ کہا اور قریش میں انتقام کی آگ بھڑکائی نیز انہیں ہر طرح کی مدد کا یقین دلایا۔ (البدایہ والنہایہ)

غزوۂ اُحد کے واقعات

۱-لشکرِ کفار کی مکہ سے روانگی:-

شوال ۳ ہجری مطابق مارچ 625ء میں قریش مکہ پورے ایک سال کی تیاری کے بعد بڑے سروسامان سے تین ہزار کے عظیم لشکر کے ساتھ ابوسفیان کی قیادت میں مکہ سے نکلے۔ ان میں دوسو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور سات سو زرہ پوش شامل تھے۔ اس فوج میں پندرہ ہودج سوار معزز گھرانوں کی عورتوں کا ایک دستہ بھی تھا کہ میدانِ جنگ میں رجز پڑھ پڑھ کر مردوں کی غیرت بھڑکا کر ان کو قدم جمائے رکھنے پر مجبور کریں۔ (ابن اثیر، البدایہ والنہایہ) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو قبولِ اسلام کے باوجود مکہ ہی میں مقیم تھے۔ ان تیاریوں کی اطلاع خفیہ طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھجوائی۔ یہ لوگ بدھ کے روز پہنچے اور آہستہ آہستہ اُحد کی طرف بڑھنے لگے۔

☆۲-آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ:-

ہفتہ کے روز تک ان کے خیمے احد کے میدان میں لگ گئے۔ جمعہ کے روز صبح کو

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ اکثر مہاجرین اور تجربہ کار انصار نے مشورہ دیا کہ شہر میں پناہ گزیں ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن جوشیلے نوجوان باہر نکل کر صف آرائی کرنا چاہتے تھے۔ ان کے اصرار پر آنحضرت ﷺ ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ احد کی طرف جہاں مشرکین خیمہ زن تھے بڑھے۔ مشہور منافق عبداللہ بن ابی بھی تین سو سواروں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پابرکاب ہوا تھا۔ پھر عذر لنگ کر کے واپس لوٹ گیا اور مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی۔

☆۳۔ مسلمانوں کا بے پناہ جذبہ جہاد:۔

سچے مسلمانوں میں جوش و خروش پہلے سے بھی کہیں زیادہ تھا۔ اس سلسلے میں یہ واقعہ تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے کہ جب مدینہ سے باہر نکل کر حضور اکرم ﷺ نے لشکر کا معائنہ فرمایا تو اس میں بہت سے نوعمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو واپس بھیج دیا۔ ان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، زید رضی اللہ عنہ بن ثابت، اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید، زید رضی اللہ عنہ بن ارقم، براء رضی اللہ عنہ بن عازب، عمرو رضی اللہ عنہ بن حزم اور ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری اور رافع رضی اللہ عنہ بن خدیج بھی تھے جن کی عمر تیرہ چودہ سال سے زائد نہ تھی۔ لیکن رافع رضی اللہ عنہ بن خدیج کے شوقِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ وہ ایڑیوں کے بل کھڑے ہو کر اپنے قد کو لمبا ظاہر کر رہے تھے ان کے والد نے بھی ان کی سفارش کی کہ میرا بیٹا بہت اچھا تیرانداز ہے اس کو ضرور ساتھ لے چلیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اجازت دے دی اس پر سمرہ رضی اللہ عنہ بن جندب نے درخواست کی کہ حضور ﷺ رافع رضی اللہ عنہ سے میری کشتی کروائی جائے اگر میں اسے پچھاڑ لوں تو مجھے بھی اجازت دی جائے۔ چنانچہ سمرہ رضی اللہ عنہ نے رافع کو پچھاڑ دیا اور اجازت حاصل کر لی اس طرح اور بھی بہت سے نوعمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجازت حاصل کر لی۔

☆۴۔ فوجوں کی صف بندی:۔

اُحد پہنچ کر پہاڑ کی پشت پر صف آرائی ہوئی پہاڑ کی پشت سے مشرکین کے حملے کا خطرہ تھا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے پچاس ۵۰ آدمیوں کا دستہ اس کی حفاظت پر متعین کر کے تاکید فرما دی کہ فتح و شکست کسی حال میں بھی تم لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ قریش تعداد اور ساز و

سامان ہر چیز میں مسلمانوں سے زیادہ تھے۔ انہوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ صف بندی کی۔ میمنہ پر خالد بن ولید، میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل، سواروں پر صفوان بن امیہ تیر اندازوں پر عبداللہ بن ربیعہ علم طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔

☆۵- جنگ کا آغاز:-

قریش کے لشکر سے پہلے ابو عامر اور پھر علمبردار لشکر طلحہ آگے بڑھا اور طنزیہ پکارا۔ "کون ہے جو مجھے جہنم بھیج دے یا میں اسے جنت میں پہنچا دوں؟ اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابو دجانہ انصاری نے بے پناہ حملوں سے مشرکین کی صفیں درہم برہم کر دیں۔ حضرت حمزہ جوشِ شجاعت میں دور تک دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے۔ جبیر بن مطعم کے غلام "وحشی" نے جو آپ رضی اللہ عنہ کی تاک میں تھا نیزہ مار کر شہید کر دیا۔

(بخاری شریف)

☆۶- گھمسان کی جنگ:-

قریش بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ قریش کے بارہ علمبردار یکے بعد دیگرے قتل ہوئے جن میں آٹھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کئے۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ جس طرف جاتے لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ ہندہ زوجہ ابوسفیان نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر چبایا۔ لیکن جنگ کا نقشہ کچھ اس طرح کا تھا کہ قریش کی شکست یقینی معلوم ہوتی تھی۔ قریشی خواتین یہ منظر دیکھ کر پیچھے بھاگ کھڑی ہوئیں اور ان کے ساتھ ہی قریشی لشکر کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ دشمن کے بیس سے زائد آدمی مارے گئے۔ مسلمانوں نے تعاقب کرنے کی بجائے مالِ غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔

☆۷- خالد بن ولید کا درہ سے حملہ:-

پہاڑ کی پشت سے خالد بن ولید نے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے جواب تک اپنی جگہ پر تھے چند جاں بازوں کے ساتھ روکا مگر سب شہید ہوئے۔ خالد نے بڑھ کر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے والے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ بالکل غافل تھے اس لیے وہ ناگہانی حملہ کی

تاب نہ لاسکے اور ایسے بدحواس ہوئے کہ اپنے بیگانے کی تمیز نہ رہی آپس میں ایک دوسرے کو مارنے لگے۔

☆ ۸۔ آنحضور ﷺ کی شہادت کی خبر:۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کے پاس تھے شہید ہو گئے چونکہ ان کی شکل آنحضرت ﷺ سے بہت مشابہ تھی اس لیے یہ افواہ مشہور ہوگئی کہ نعوذ باللہ پیغمبرِ خدا شہید ہو گئے ہیں۔ اس سے مومنین کے حوصلے پست ہوگئے اور ان کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ آنحضرت ﷺ کے گرد صرف بارہ جان نثار باقی رہ گئے تھے۔ لیکن ذوالفقار حیدری اس وقت بجلی کی طرح چمک رہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دل شکستہ ہو کر تلوار پھینک دی کہ اب لڑنے سے کیا حاصل؟ ابن نضر انصاری نے کہا۔ اب زندہ رہ کر کیا کریں گے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ (بخاری و سیرت ابن ہشام)

بہت سے جان نثار اب بھی لڑ رہے تھے۔ اس وقت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی نظر آپ ﷺ پر پڑی۔ انہوں نے پہچان کر پکارا مسلمانو! رسولِ خدا ﷺ ادھر ہیں یہ آواز سنتے ہی ٹوٹی ہوئی ہمت پھر بندھ گئی اور مسلمان اس طرف آ گئے۔ کفار نے بھی ہر طرف سے سمٹ کر ادھر کا رخ کیا۔ ان کا ریلا دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے آواز دی کہ کون مجھ پر جان دیتا ہے۔ اس آواز پر سات انصاری بڑھے اور ایک ایک کر کے نثار ہوتے گئے۔ (صحیح مسلم)

☆ ۹۔ آنحضور ﷺ کا زخمی ہونا:۔

عبداللہ بن قمیہ بڑھتے بڑھتے رسول اکرم ﷺ تک پہنچ گیا اور چہرہ انور پر تلوار ماری۔ آہنی خود کی دو کڑیاں رخسار میں پیوست ہوگئیں۔ یہ دیکھ کر جان نثاروں نے آپ ﷺ کو حصار میں لے لیا۔ ابو دجانہ آپ ﷺ کے سامنے جھک کر سینہ سپر ہو گئے جو تیر آتا تھا اسے پیٹھ پر روکتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تلوار کے وار ہاتھ پر روکتے تھے۔ ایک ہاتھ کٹ کر الگ ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن رحمتِ عالم ﷺ کی زبان پر اس وقت بھی یہ الفاظ تھے:۔

''خدایا میری قوم کو بخش دے وہ جانتے نہیں۔''

چہرہ انور سے خون جاری تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زخم دھویا اور

چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اس زخم میں بھرا۔ اس سے خون رک گیا۔ (صحیح بخاری جلد دوئم)

ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کو نہ پا کر ہبل کی جے کا نعرہ لگایا۔ لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نعرہ تکبیر سے جواب دیا۔ وہ پکارا: ''کیا محمد ﷺ زندہ ہے؟ کیا عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہے؟ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اے دشمنِ خدا ہم سب زندہ ہیں۔ اس نے ہبل کی جے کا نعرہ بلند کیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر سے جواب دیا۔ وہ پکارا: ''آج کا دن بدر کی جنگ کا بدلہ ہے۔ ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ برس پھر بدر میں ہوگا۔'' آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہلوایا: ''ہمیں منظور ہے۔''

۱۰۔ خاتمہ جنگِ اُحد:۔

اس معرکہ میں ۷۰ مسلمان شہید ہوئے۔ جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، رافع بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جیسے بہادر بھی شامل تھے۔ قریش کے اس جنگ میں تیس آدمی قتل ہوئے۔ ہندہ زوجہ ابوسفیان نے شہداء کے ناک کان کاٹے اور ان کے ہار بنا کر پہنے پھر ایک اونچی پہاڑی پر جا کر بلند آواز سے فتح کا گیت گانے لگی۔

(تاریخ طبری، بخاری شریف)

☆ ۱۱۔ مسلم خواتین کی جانثاری:۔

اس غزوہ میں مسلمان عورتوں نے بھی بڑی بہادری اور جان نثاری دکھائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا مشک میں پانی بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ (بخاری) ام عمارہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے آپ ﷺ کے پاس پہنچیں اور جو مشرک آپ ﷺ کی طرف بڑھتا تھا اس کو تیر اور تلوار کے ذریعہ روکتی تھیں۔ ابنِ قمیہ کافر جب آنحضور ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بڑھ کر اسے بھی روکا۔ اس میں ان کا شانہ زخمی ہوگیا۔ انہوں نے بھی تلوار چلائی لیکن ابنِ قمیہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لیے بچ گیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول)

☆ ۱۲۔ مسلم خواتین کا بے مثال صبر وتحمل:۔

حضرت حمزہ کی بہن اور حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کی شکست کی

خبر سن کر مدینہ سے نکلیں۔ مشرکین نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو بگاڑ دیا تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائیں انہوں نے ماں سے کہا وہ بولیں:-

''میں بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن راہِ خدا میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر لاش پر گئیں۔ عزیز بھائی کے ٹکڑے دیکھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر خاموش ہو گئیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔ (تاریخ طبری)۔ ایک انصاری خاتون کے باپ بھائی اور شوہر جنگ میں مارے گئے تھے ان کو یکے بعد دیگرے تینوں حادثوں کی خبر ملی ہر مرتبہ پوچھتی تھیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں لوگوں نے کہا بخریت ہیں۔ انہوں نے پاس آ کر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھیں: ''کل مصیبة بعدك جلل'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں سب مصیبتیں ہیچ ہیں)۔

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہِ دین صلی اللہ علیہ وسلم تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

۱۴۔ مسلمانوں کی مدینہ واپسی:-

قریش کے واپس جانے کے بعد مسلمان بھی مدینہ لوٹ آئے۔ اس وقت مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور ہر گھر میں کہرام بپا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا کہ سب کا ماتم ہو رہا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کوئی رونے والا نہیں۔ یہ انسانی فطرت تھی۔ چنانچہ انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تاثر دیکھ کر اپنی عورتوں کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سوگ منانے کے لیے بھیجا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا کہ مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔

(مسند احمد بن حنبل جلد سوئم ص: ۱۸۴)

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو نقصان کیوں اٹھانا پڑا؟

غزوۂ اُحد میں لشکر قریش کو فیصلہ کن فتح حاصل نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ میدانِ جنگ سے ہی واپس لوٹ گیا اور مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ باوجود اس کے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کے ہر متکبرانہ نعرے کا جواب دیا لیکن ازسرنو جنگ شروع کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ تعاقب کرنے والے مومنین کا بھی پلٹ کر مقابلہ نہ کیا تاہم اس جنگ میں لشکرِ اسلام کا نقصان توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ اس کے اسباب میں مندرجہ ذیل امور کو گنوایا جا سکتا ہے:۔

۱۔ مسلمانوں میں ایک کثیر تعداد نومسلموں کی تھی۔ اس لیے ان کا نظم وضبط کا معیار وہ نہیں تھا جو بدر میں تھا۔

۲۔ منافقین آخر وقت میں ساتھ چھوڑ گئے اور مسلمانوں کی تعداد کل ۷۰۰ رہ گئی جنہیں...... ۳۰۰۰ کا مقابلہ درپیش تھا۔

۳۔ نوجوان مسلمانوں میں ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی تھی جس کی وجہ سے توکل میں کمی آ گئی تھی اور جنگی تدابیر میں بھی سستی برتی گئی۔

۴۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی جھوٹی افواہ نے نومسلموں کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ میدان سے ہٹ گئے۔

۵۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ نئے مسلمانوں کے ذہن میں حب مال موجود تھی اس لیے انہوں نے مالِ غنیمت کے لالچ میں پہاڑی کی وہ جگہ چھوڑ دی جہاں انہیں تیراندازی کے لیے کھڑا کیا گیا۔

۶۔ خالد بن ولید نے عقب سے حملہ کر دیا تھا جس سے مسلمان دو لشکروں کے درمیان آ کر پس گئے۔

۷۔ مسلمانوں کے نقصان کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو نظر انداز کر کے پہاڑی مورچہ چھوڑ دیا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا تھا کہ اگر پرندے ہمارا گوشت نوچ رہے ہوں تو بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ اطاعتِ

رسول ﷺ سے غافل ہونے کی وجہ سے وہ تائید الٰہی سے محروم ہو گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے۔ کسی طرف پلٹ کر دیکھنے کا ہوش تمہیں نہ تھا اور رسول ﷺ تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا، اس وقت تمہاری روش کا بدلہ اللہ نے تمہیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیئے تا کہ آئندہ کے لئے تمہیں سبق ملے۔" (آل عمران-۱۵۳)

غزوۂ اُحد کے اثرات ونتائج

غزوۂ اُحد کو مسلمانوں کی تربیت کے نقطہ نظر سے بہت اہمیت حاصل ہے۔ نیز عرب کی سیاسی صورتحال پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:-

۱-حبِ مال پر کاری ضرب:-

سود پر پابندی لگا دی گئی تا کہ حُبِ مال کا خاتمہ کیا جا سکے۔ تنگی وفراخی دونوں حالتوں میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین کی گئی تا کہ سرمایہ پرستی کی بجائے خدا کی بندگی مقصد زندگی قرار پائے۔ (آل عمران-۱۳۰،۱۳۲)

۲-تربیت کی خامیوں کو دور کرنا:-

اطاعتِ رسول ﷺ پر پورا زور دیا گیا اور جہاد سے منہ موڑنے پر سختی سے تنبیہ کی گئی اور مزید آزمائشوں کے لیے مسلمانوں کو ذہنی طور پر تیار کیا گیا۔ اس طرح تربیت کی وہ تمام خامیاں جو سامنے آئی تھیں دور کر دی گئیں۔

۳-غزوۂ احزاب کا پیش خیمہ:-

غزوۂ اُحد میں قریش کی کامیابی کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ان کے جوش انتقام کی تسکین ہو گئی اور اگلے ہی سال مدینہ پر حملہ کرنے کی بجائے انہوں نے دو تین سال بعد مدینہ پر حملہ کیا تاہم قریش کی اس کامیابی نے ان کے حوصلے بلند کر دیئے۔ اس وجہ سے اس دفعہ انہوں نے

بھرپور حملہ کیا تاکہ مدینہ کی اسلامی ریاست کو ہمیشہ کے لیے ختم کر ڈالیں۔ یہ حملہ غزوۂ احزاب کے نام سے مشہور ہے۔

۴۔ قبائل کی معاندانہ روش:۔

عرب جو جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کی وجہ سے وقتی طور پر اسلام دشمنی سے باز آ گئے تھے۔ اس جنگ کے بعد پھر آمادۂ شر ہو گئے اور انہوں نے ہر طریقے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

۵۔ منافقین کا بے نقاب ہونا:۔

منافقین ابھی تو ''نومسلم'' سمجھے جاتے تھے اس وجہ سے ان کے خطرناک عزائم کا تا حال اندازہ نہیں ہوا تھا۔ اس جنگ میں وہ بے نقاب ہو گئے۔ اگرچہ جنگ کے خاتمے کے بعد انہوں نے معذرتیں کیں جن کو قبول کر لیا گیا لیکن یہ معلوم ہو گیا تھا کہ کون لوگ ایسے ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ یہود کے عناد میں اضافہ:۔

اس جنگ نے یہودیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ بنو قینقاع کی جلاوطنی سے وہ قدرے محتاط ہو گئے تھے۔ غزوۂ اُحد میں قریش کی کامیابی سے وہ از سرِ نو شرارت پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ مسلمانوں کو بنو نضیر کے خلاف کارروائی کرنی پڑی۔

۷۔ قبائلِ عرب کی مکارانہ سرگرمیاں:۔

اُحد میں مسلمانوں کی شکست سے بہت سے قبائل عرب کے حوصلے بلند ہو گئے۔ بت پرست اور ڈاکو پیشہ ہونے کی وجہ سے وہ اسلام کے دشمن تو تھے ہی اب انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے۔ اور نہ صرف مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے درپے ہوئے بلکہ آئندہ جنگ میں مسلمانوں کے خلاف قریش مکہ کے مددگار رہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ کا جائزہ:۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ غزوۂ اُحد میں پیش آنے والی زک میں بڑی عظیم

ربانی حکمتیں اور فوائد تھے۔ مثلاً مسلمانوں کو مصیبت کے برے انجام سے آگاہ کرنا۔ تیر اندازوں نے حکم رسول ﷺ کی خلاف ورزی کی۔ اسی وجہ سے زک اٹھانا پڑی۔ ایک حکمت پیغمبروں کی اس سنت کا اظہار تھا کہ پہلے وہ ابتلا میں ڈالے جاتے ہیں پھر انجام کار انہیں کو کامیابی ملتی ہے۔ اگر انہیں ہمیشہ کامیابی ہی کامیابی حاصل ہو تو اہل ایمان کی صفوں میں وہ لوگ بھی گھس آئیں گے جو صاحبِ ایمان نہیں ہیں۔ پھر صادق و کاذب میں تمیز نہ ہو سکے گی۔ ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ اہل ایمان کو شہادت اور صبر و استقامت کے نتیجہ میں بلند درجات سے نوازتا ہے۔ (زاد المعاد جلد دوئم، ص:۹۹)

غزوۂ اُحد اور قرآنی آیات کے حوالے:-

سورۃ آل عمران آیات: ۱۲۱-۱۲۸ آیات: ۱۳۹-۱۴۵ آیات: ۱۴۹-۱۶۰۔

آیات: ۱۶۴-۱۷۱۔

غزوۂ اُحداور معجزات

اندھیرا مٹتا جاتا ہے اجالا ہوتا جاتا ہے
محمد مصطفیٰ ﷺ کا بول بالا ہوتا جاتا ہے

غزوۂ اُحد میں رونما ہونے والے چند معجزات کا ذکر ھدیہ قارئین کیا جاتا ہے:۔

☆ ۱۔لڑائی کے انجام کی خبر:۔

جمعۃ المبارک کی رات (۱۴۔شوال) کو سرورِ کائنات ﷺ نے خواب میں اپنے آپ کو مضبوط زرہ پہنے ہوئے دیکھا۔آپ ﷺ کی تلوار ایک طرف سے ٹوٹ گئی ہے اور ایک گائے ذبح کی جارہی ہے اور آپ ﷺ کے پیچھے ایک مینڈھا سوار ہے۔اس کی آپ ﷺ نے یہ تعبیر ارشاد فرمائی کہ مضبوط زرہ مدینہ ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوں گے۔اسی خواب کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی رائے میں مدینہ منورہ میں رہ کر لڑنا زیادہ بہتر تھا۔

(خصائص الکبریٰ بحوالہ بخاری ومسلم،سیرت رسولِ عربی ص:۱۶۸)

☆ ۲۔فرشتوں کا نزول:۔

بخاری ومسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ احد کے دن رسول اکرم ﷺ کے دائیں بائیں دو مردوں کو آپ کی طرف سے سخت جنگ کرتے دیکھا۔ انہیں میں نے اس سے پہلے کبھی دیکھا نہ بعد میں۔وہ دونوں حضرت جبرائیل وحضرت میکائیل علیہما السلام تھے۔(خصائص کبریٰ اردو جلد اول ص:۴۳۰)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کے علمبردار تھے،شہید ہوگئے تو اس جھنڈے کو ایک فرشتہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی صورت مین لے کر کھڑا ہوگیا۔اس کے بعد پھر حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ فرض نبھایا۔ ابن اسحاق، ابن عساکر اور واقدی کی روایت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر تیر اندازی کر رہے تھے۔ اس وقت ایک جوان آدمی آپ کو تیر دیتا جاتا تھا اور بار بار کہتا تھا کہ اے ابو اسحاق! تیر چلاؤ۔ جنگ کے بعد اس کی تلاش ہوئی تو کسی کو نہ ملا۔ (گویا یہ بھی فرشتہ ہی تھا)

(خصائص الکبریٰ ج اص: ۴۳۲)

بخاری و مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب میرے والد حضرت عبداللہ غزوۂ اُحد میں شہید کر دیئے گئے تو میری پھوپھی رونے لگیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مت رو۔ ان کے لیے کیوں روتی ہو۔ فرشتے ان کو اپنے بازوؤں میں چھپائے رہے جب تک تم نے انہیں نہ اٹھایا۔ (خصائص الکبریٰ ج اص: ۴۳۴)

طبرانی اور ابن عساکر کے مطابق حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن مجھ سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا۔ میں نے عرض کیا، میں نے انہیں پہاڑ کے پہلو میں دیکھا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان کے ساتھ فرشتے کافروں سے لڑ رہے ہیں۔ یہ سن کر میں (حارث) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس پلٹا تو ان کے پاس مشرکین کی لاشیں دیکھیں تو کہا خدا تعالیٰ نے تمہیں فتح دی، کیا ان سب کو تم نے قتل کیا ہے۔ دوسری لاشوں کو قتل کرنے والے مجھے نظر نہیں آئے۔ یہ سن کر میں نے کہا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ (خصائص الکبریٰ جلد اول ص: ۴۳۱)

۳۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا غسل:۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جب جنگ میں شہید ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کیا گیا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے بتایا، اسی رات ان کی شادی ہوئی تھی، صبح اٹھے تو غسل کی حاجت تھی۔ آدھا سر دھویا تھا کہ دعوتِ جنگ کی آواز کان میں پڑی۔ فوراً اسی حالت میں وہ شریکِ جنگ ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی سبب سے اسے فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ انہیں اسی لیے "غسیل الملائکہ" کہتے ہیں۔ (سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم عربی بحوالہ طبقات ابن سعد وغیرہ)

۴-جنت کی خوشبو:-

بخاری شریف کی ایک روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بڑی تفصیل سے اپنے چچا حضرت انس بن النصیر رضی اللہ عنہ کے شوقِ جہاد کا حال بیان کیا۔اس کے مطابق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان سے ملے تو حضرت انس بن النصیر رضی اللہ عنہ یوں مخاطب ہوئے:''ابن سعد انی اجد ریح الجنة دون احد''(اے سعد! کہاں جا رہے ہو، بے شک میں احد کے نیچے جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔)(بخاری شریف کتاب المغازی)

۵-شاخ تلوار بن گئی:-

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ احد کے دن تلوار ضائع کر بیٹھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں کھجور کی ایک شاخ عطا فرمائی جو ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔(خصائص الکبریٰ بحوالہ بیہقی جلد اول ص:۴۳۶)

میں ید بیضا کے صدقے اے کلیم
لیکن کہاں ان صلی اللہ علیہ وسلم کی کف دست کا جواب

۶-حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی آنکھ:-

ابو یعلی نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ احد کے دن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک آنکھ کو تکلیف پہنچی۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا لعاب دہن لگایا تو وہ دوسری آنکھ سے بھی زیادہ صحیح ہوگئی۔(خصائص الکبریٰ ج اص:۴۳۷)

۷-حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا ڈیلا:-

ابو یعلی اور ابو نعیم کی روایتوں کے مطابق احد کے دن حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کو صدمہ پہنچا۔اس کی پتلی رخسار پر بہہ کر آ گئی۔لوگوں نے اسے کاٹنا چاہا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا۔قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر (ڈیلے کو آنکھ میں رکھ کر اپنی ہتھیلی مبارک سے دبایا۔اب یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کونسی آنکھ زخمی تھی (بعض روایات کے مطابق وہ دوسری آنکھ سے بھی تیز ہوگئی اور خوبصورت بن گئی۔)(خصائص ج اص:۴۳۶)(طبری جلد دوئم ص:۱۸)

۸۔محسنِ انسانیت ﷺ نظر نہ آئے:۔

ابویعلی نے حضرت نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک مہاجر بیان کرتے تھے، میں احد کے دن موجود تھا اور تیر ہر طرف سے آ رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ تیروں کے درمیان تھے۔ میں نے دیکھا کہ ہر تیر آپ ﷺ سے پھیر دیا جاتا ہے اور میں نے عبداللہ بن شہاب کو احد میں دیکھا۔ وہ یہ کہہ رہا تھا کہ مجھ کو محمد ﷺ کا حال بتاؤ۔ وہ زندہ ہیں تو میں انہیں باقی نہیں رہنے دوں گا اس وقت سرکارِ دو عالم ﷺ اس کے پہلو میں تنہا کھڑے تھے مگر اسے نظر نہیں آ رہے تھے پھر وہ آپ ﷺ کے پاس سے دور چلا گیا۔ اس بات پر اسے صفوان نے دھمکایا تو ابن شہاب بولا، خدا کی قسم! میں نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کو ہم سے محفوظ کر لیا گیا۔ ہم چار آدمیوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا معاہدہ کیا تھا مگر ایسا نہ کر سکے۔ (خصائص ج اص:۲۳۷)

۹۔گستاخانِ رسول ﷺ کی سزا:۔

معجم طبرانی میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابن قمیہ نے حضور پرنور ﷺ کو زخمی کیا تو بکنے لگا: خذھا و انا ابن قمیہ ''لو اسے اور میں ابن قمیہ ہوں۔'' حضور اکرم ﷺ نے جواباً فرمایا:

''اقماك الله'' اللہ تجھے ذلیل وخوار اور ہلاک و برباد کر دے۔''

چند روز نہ گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کر دیا جس نے اپنے سینگوں سے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (فتح الباری جلد اول، زرقانی ۲)

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں محمد بن یوسف الفریابی سے روایت کی کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے کے دانت شہید کئے ان کے ہاں کوئی ایسا بچہ نہ ہوا جس کے سامنے کے دانت نکلے ہوں۔ (الخصائص الکبریٰ جلد اول ص:۲۳۷)

۱۰۔خبرِ غیب:۔

بیہقی نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے احد کے دن فرمایا مشرکین

اس کے بعد اس طرح کی گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔

ابن سعد نے واقدی سے اور انہوں نے بعض مشائخ سے روایت کی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''مشرکین یومِ احد کے بعد ہم پر غلبہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ یہاں تک کہ ہم لوگ رکن کو بوسہ دے لیں۔ (چنانچہ سیرت طیبہ کے اوراق گواہ ہیں کہ یونہی ہوا)

(الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۴۳۸)

۱۱۔ مشاہدۂ رسول اکرم ﷺ:۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اکرم ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے جابر تجھکو کیا ہوا۔ میں تجھ کو شکستہ خاطر پاتا ہوں۔ میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ اس غزوہ میں شہید ہوئے اور آل وعیال اور قرض کا بوجھ چھوڑ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں تجھ کو ایک خوشخبری نہ سناؤں، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیوں نہیں ضرور سنایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کسی شخص سے بھی اللہ نے کلام نہیں فرمایا، مگر پس پردہ، لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور بالمشافہ اور بالمواجہہ اس سے کلام کیا اور یہ کہا کہ اے میرے بندے اپنی کوئی تمنا میرے سامنے پیش کر تو تیرے باپ نے یہ عرض کیا اے پروردگار! تمنا یہ ہے کہ پھر زندہ ہوں اور تیری راہ میں پھر دوبارہ مارا جاؤں۔

حق تعالیٰ نے فرمایا یہ تو نہیں ہوسکتا، اس لیے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ واپسی نہیں۔ (سیرت المصطفیٰ از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ ترمذی شریف)

بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ کے ایک معجزے سے ان کا قرضہ بھی ادا ہو گیا۔

حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں بعض ایسے بھی ہیں اگر اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کردے۔'' ان میں سے عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ البتہ تحقیق میں نے ان کو اسی لنگ کے ساتھ جنت میں چلتا ہوا دیکھا ہے۔'' (ان کے پاؤں میں لنگ تھا)۔ (سیرت المصطفیٰ از محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ استیعاب حاشیہ اصابہ)

حضرت عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ جو اصیرم کے لقب سے مشہور تھے۔ اسی روز مسلمان ہوئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انہ من اھل الجنۃ'' البتہ تحقیق وہ اہل جنت میں سے ہیں۔

(سیرت المصطفیٰ مذکور بحوالہ سیرت ابن اسحٰق)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے بتلاؤ وہ کون شخص ہے جو جنت میں پہنچ گیا اور ایک نماز نہیں پڑھی، وہ یہی صحابی ہیں۔ (اصابہ ترجمہ عمرو بن ثابت)

۱۲۔ حیاتِ شہداء:۔

حاکم اور بیہقی نے حضرت عبد الاعلیٰ بن عبد اللہ بن ابی فردہ سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن قبورِ شہداء کو اپنی زیارت سے نوازا اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کی:

ترجمہ:۔ ''اے اللہ بے شک تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ سب شہید ہیں اور جو بھی قیامت تک ان کی زیارت کو آیا اور سلام کہا، یہ جواب دیں گے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قبر سے نکالا گیا تو اسی حالت میں تھے جو دفن کے وقت تھی۔

ایک روایت کے مطابق ان کا ہاتھ ایک زخم پر تھا، ہٹایا گیا تو خون جاری ہو گیا، پھر رکھ دیا گیا تو خون ٹھہر گیا۔ نہر کی کھدائی کے اسی موقع پر ایک کدال حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر پڑ گیا تو اس سے خون جاری ہو گیا۔ (یہ واقعات ان کی شہادت کے چالیس سال بعد ہوئے) (الخصائص الکبریٰ بحوالہ بیہقی، ابن سعد وغیرہ)

بیہقی اور واقدی کے مطابق حضرت فاطمہ خزاعیہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرتے وقت عرض کیا: السلام علیکم یا عم رسول اللہ (اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، سلام ہو آپ پر) آواز آئی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عطاف نے کہا مجھ سے میری خالہ نے بیان کیا، میرے ساتھ دو غلام تھے جو سواری کی حفاظت کر رہے تھے میں نے شہیدوں کے مزاروں پر سلام کیا اور جواب سنا۔ پھر یہ آواز بھی آئی، ہم تم کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح تم ایک دوسرے کو پہچانتے ہو، وہ کہتی ہیں کہ اس

سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں لوٹ آئی۔

ایک روایت کے مطابق حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن حرام کی قبر کے پاس رات گزاری تو قبر سے بہترین قرأت سنی۔ حضور اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا: ''وہ عبداللہ ہی تھے کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی روحوں کو قبض کر کے زبرجد و یاقوت کی قندیلوں میں رکھتا ہے پھر انہیں جنت کے وسط میں لٹکا دیتا ہے۔ رات کو روحیں اپنے جسموں کے پاس آ کر صبح تک رہتی ہیں ور پھر اپنے مقام پر چلی جاتی ہیں۔

(الخصائص الکبریٰ وغیرہ جلد اول ص: ۴۴۰)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اُنہیں ہرگز مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس رزق پاتے رہتے ہیں۔ اور ان نعمتوں سے مسرور ہیں جو اللہ اُنہیں اپنے فضل سے عطا کی ہیں۔ (آل عمران: ۱۶۹-۱۷۰)

سن ۳ ہجری کے متفرق واقعات

۱- امام حسنِ مجتبےٰ رضی اللہ عنہ کی پیدائش:-

اسی تیسرے سال پندرہ ماہ رمضان المبارک کو سبط رسول امام حسن مجتبےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ولادت باسعادت ہوئی۔

۲- نکاح سیّدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا بعثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ:-

اسی سال سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کا نکاح، ان کی ہمشیرہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے انتقال فرمانے کے بعد جن کی وفات غزوۂ بدر کے زمانہ میں ہوئی تھی، سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ منعقد ہوا۔

۳- اسی سال سرورِ کائنات ﷺ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کو اپنے عقد میں لائے۔

۴- وراثت کا قانون نازل ہوا اور مشرکہ عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام قرار پایا۔

۵- یہود کا مدینہ سے اخراج:-

یہود بڑی مدت سے مدینہ پر قابض تھے ان کے تین مشہور قبیلے بنونضیر، بنوقریظہ اور بنو قینقاع مدینہ کے گردونواح میں آباد تھے۔ مذہبی معاشی اور سیاسی لحاظ سے یہ لوگ اپنے آپ کو دوسروں پر فائق تصور کرتے تھے۔

ہجرت مدینہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے حالات کا جائزہ لے کر یہودیوں سے معاہدہ لکھوایا تھا تاکہ مسلمانوں کو ان کی طرف سے شرارتوں اور سازشوں کا خدشہ نہ رہے لیکن اپنے اقتدار کا زوال دیکھ کر اندر ہی اندر یہ سازشیں کرنے لگے۔

مسلمانوں سے دشمنی کے اسباب مندرجہ ذیل تھے:-

☆۱- مذہبی:- یہودی دین موسوی کو سب مذاہب پر فوقیت دیتے تھے لیکن عملی طور پر جھوٹے، حرام کھانے والے، طرح طرح کے گناہ کرنے والے، سود خور اور لوگوں کا مال خرد برد کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے اخلاقِ قبیحہ کا راز فاش کیا۔

☆۲- اقتصادی:- مہاجرین نے تجارت میں دلچسپی لی اور تھوڑے ہی عرصہ میں بڑے مالدار ہو گئے۔ انصارِ مدینہ یہودیوں کے قرضوں سے بچ گئے۔ خود یہودیوں کی تجارت بھی ماند پڑ گئی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یہودی مسلمانوں سے کینہ رکھتے تھے۔

☆۳- سیاسی:- ہجرت سے پہلے یہودیوں کو سیاسی فوقیت حاصل تھی۔ اسلام کی وجہ سے سیاست آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں تھی۔ اسی وجہ سے یہودی مسلمانوں کے بھی دشمن بن گئے تھے۔

کعب بن اشرف کی فتنہ انگیزیاں اور اس کا قتل:- (ربیع الاول ۳ھ)

مدینے کے یہودیوں میں کعب بن اشرف بڑے اثر ونفوذ کا مالک تھا۔ وہ یہود کے علماء اور پیشوایانِ مذہب کا مربی و سرپرست تھا۔ اس نے اکثر علماء کی ماہانہ تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ وہ ایک مشہور شاعر بھی تھا۔ اسے ابتدا ہی سے اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سخت عداوت اور جلن تھی۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قریش کی شکست کا اسے بہت رنج ہوا تھا اور وہ اظہارِ تعزیت کے لیے بذات خود مکہ گیا اور مقتولین بدر کا ایک پرزور مرثیہ لکھا اور اس کو پڑھ

پڑھ کر اہل مکہ کو انتقام پر ابھارا۔ نیز آنحضرت ﷺ کی ہجو لکھ کر قریش کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ علاوہ ازیں ابوسفیان کو خانہ کعبہ میں لے جا کر انتقام لینے کا حلف بھی اٹھوایا۔ مزید برآں مکہ سے مدینے واپس لوٹ کر اس نے آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار کہنا اور لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے خلاف برانگیختہ کرنے پر کمر باندھ لی۔ وہ عشقیہ اشعار میں اعلانیہ مسلمان عورتوں کے نام لاتا تھا۔ نیز اس نے آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کی بھی سازش کی۔ اس پر آپ ﷺ نے اس کے معاملے کو مجلس شوریٰ کے سامنے رکھا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ خدمت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ جنہوں نے اس کے گھر جا کر بڑے خوبصورت بہانے سے قتل کر ڈالا۔ مدینہ کی دولتِ مشترکہ کے دستور اور آئین کے مطابق آپ ﷺ کعب بن اشرف کو سزا دینے کے مجاز تھے۔ کیونکہ اس کی اسلام دشمن سرگرمیاں حد سے تجاوز کر چکی تھیں۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۳ ہجری کا ہے۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

۴ھ کے دیگر اہم واقعات

۱- تاجدارِ مدینہ سرورِ قلب وسینہ ﷺ کا ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ پہلے وہ حضرت عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ عبداللہ نے احد کے میدان میں وفات پائی تھی۔

۲- ماہ شعبان ۴ھ میں ابوعبداللہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

۳- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سبط رسول اللہ ﷺ کی وفات: اسی سال حضرت عبداللہ فرزند حضرت عثمان بن عفان، نواسہ رسول ﷺ کی وفات واقع ہوئی۔ (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔)

۴- اسی سال حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات بھی واقع ہوئی۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا صرف تین ماہ تک حضور اکرم ﷺ کی رفیقہ حیات رہیں۔

۵- اسی سال حضور اکرم ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور اسی سال ان کے پہلے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد مخزومی نے وفات پائی۔

۶- اسی سال فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف والدہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔

۷- رجم:- اسی سال ایک مرد نے یہودی عورت کے ساتھ زنا کیا اس پر حضور اکرم ﷺ نے اپنی شریعت کے حکم کے مطابق دونوں کو رجم کرنے یعنی سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔

۸- اسی سال حضور ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ توریت کے سوادِ خط کو سیکھیں مبادا کہ یہودی اپنے رسائل وکتب میں تغیر وتبدل اور تحریف وتبدیل عمل میں لائیں۔ چنانچہ انہوں نے پندرہ دن میں اسے سیکھ لیا۔

۹- چوری پر ہاتھ کاٹنا:- اسی سال طعمہ بن ابیرق کے چوری کرنے کا واقعہ ہے۔ آپ ﷺ نے چوری ثابت ہونے پر اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔

۱۰- شراب کی حرمت:- بقول مشہور اسی سال میں ایک قول سے چھٹے سال میں اور ایک قول سے آٹھویں سال میں۔ بعض اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ شراب کی حرمت واقع ہوئی۔

(مدارج النبوت ج دوم ص:۲۶۶)

قارئین محترم! حرمت شراب اور اس کے پینے والے کی وعید وسزا میں بکثرت احادیث ہیں۔ جو پایہ ثبوت کو پہنچی ہیں اور احادیث کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں۔

اے ذوق دیکھ دخترِ رز کو نہ منہ لگا   چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

غزوۂ احزاب یا جنگِ خندق

(ذیقعدہ ۵ ہجری/ مارچ- اپریل 627ء)

حکمت ودانش کا عظیم مظاہرہ:-

''اور جب مسلمانوں نے (دشمنوں کے) گروہوں کو دیکھا تو بول اٹھے یہ تو وہی (موقع) ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں پہلے بتا رکھا تھا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا تھا۔ اور اس بات نے ان کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔'' (سورۃ الاحزاب-۲۲)

وجہ تسمیہ:-

لفظ احزاب، حزب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں فوج یا گروہ۔ چونکہ جنگِ خندق میں عرب کے مختلف قبائل کی متحدہ افواج نے اسلام کو نیست ونابود کرنے کی غرض سے حصہ لیا، اس لیے اس جنگ کو ''جنگِ احزاب'' بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس کو غزوۂ خندق اس لیے کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے سرزمین عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مدینہ کے دفاع کے لیے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز پر مدینہ کے گرد خندق کھودی تھی۔ قرآن حکیم میں ''الاحزاب'' کے نام سے ایک سورۃ بھی نازل ہوئی۔

جنگ کے اسباب

۱۔عرب قبائل کا جذبہ انتقام:۔

قریش مسلمانوں کے دشمن قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا کرتے تھے۔ ان قبائل کی سرگرمیاں بڑھ گئی تھیں اور آنحضرت ﷺ کو کئی بار مقابلہ کرنا پڑا۔ مسلمانوں کی اس کامیابی نے قبائل کے انتقام کی آگ کو بھڑکا دیا اور وہ قریش کے ساتھ ہی متحد ہو گئے۔

۲۔یہودیوں کی سازشیں:۔

مدینہ کے یہود میثاق مدینہ کے باوجود مسلمانوں کے خلاف آئے دن سازشیں کرتے رہتے تھے۔ ان کے دو قبائل بنونضیر اور بنوقینقاع غداری اور عہد شکنی کی پاداش میں مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے۔ ان کے سرداروں حیّ بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق کے بھتیجے "کنانہ" اور سلام بن مشکم نے مسلمانوں کے خلاف خوب پروپیگنڈہ کیا اور مکہ اور قبائل عرب ساتھ ملا کر متحدہ محاذ بنایا اور مدینہ کی اسلامی ریاست کو ختم کرنے کے لیے دس ۱۰ ہزار سے زائد کا لشکر مدینہ کے گرد جمع کر دیا۔

۳۔ابوسفیان کا چیلنج:۔

غزوۂ اُحد کے موقع پر ابوسفیان چیلنج دے گیا تھا کہ آج کا دن بدر کا جواب ہے۔ اگلے سال پھر میدان ہوگا تاہم ۴ھ میں خشک سالی کی وجہ سے وہ حملہ نہ کر سکا اور ۵ھ میں احد کی فتح کو فیصلہ کن بنانے کے لیے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

۴۔قریش کی اقتصادی ناکہ بندی:۔

چونکہ مسلمانوں نے وسطی عرب پر اپنا اثر قائم کر لیا تھا۔ اس لیے قریش کی عراق سے تجارت کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ ملک شام کی تجارت پہلے ہی ان کے ہاتھ سے چلی گئی تھی۔ اسی اقتصادی رکاوٹ نے ان کو اور بھی مشتعل کر دیا۔

۵-قبائلی نظام کا خطرہ:-

اسلام کی مسلسل اشاعت کا لازمی نتیجہ عرب کی متحدہ حکومت کا قیام اور قبائلی نظام کا زوال تھا۔ اکثر قبائل عرب ڈاکہ کے پیشہ کو ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کیے ہوئے تھے۔ ان کے یہاں بات بات پر جنگ چھڑ جاتی تھی۔ فحاشی عام تھی اور اخلاقی برائیاں بافراط پائی جاتی تھیں۔ اسلام ان تمام چیزوں کا مخالف تھا اس لیے قبائلی شیوخ بھی اسلام کو ختم کر دینے کے در پے تھے۔ چنانچہ جب کفار مکہ اور یہود نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا تو انہوں نے ان کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔

جنگ خندق کے واقعات

یہود کو مدینے سے نکل جانے کا بڑا دکھ تھا۔ وہ مسلمانوں سے اس کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے یہودیوں نے قریش مکہ کے پاس پہنچ کر انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر اکسایا اور اپنی امداد کا یقین دلایا۔ قریش پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔ بس پھر کیا تھا تمام قبیلوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر کے دس ۱۰ ہزار کا بھاری لشکر لے کر مدینہ پر دھاوا بولنے کے لیے چل دیئے۔

۱- آنحضور ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ:-

رسول کریم ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایران کے جنگی طریقوں سے واقف تھے۔ انہوں نے مدینہ شریف کے گرد خندق کھودنے کی رائے دی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے یہ رائے پسند کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے بھی بذریعہ "الہام" خندق کا حکم ملا ہے۔ کاروانِ اسلام نے بیس ۲۰ دن میں خندق مکمل کر لی۔ (علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ سیرت النبی ﷺ جلد اول ص: ۴۲۱ لیکن ابن سعد اور محمد حسین ہیکل مصری کے مطابق خندق چھ روز میں مکمل ہوئی)۔ کفار نے مدینہ پہنچ کر ہر طرف سے محاصرہ کر لیا اور ایک مہینہ تک اس شدت کے ساتھ محاصرہ قائم رکھا کہ مسلمانوں پر کئی کئی فاقے گزر گئے۔ ایک دن بیتاب ہو کر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو اپنے پیٹوں پر بندھے ہوئے پتھر دکھائے۔

جب محاصرہ کی شدت خطرناک حد تک پہنچ گئی تو آپ ﷺ نے جماعتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کوئی ہے جو محاصرہ کرنے والوں کی خبر لائے۔ اس کے جواب میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی آواز آئی۔ اس جانبازی کے صلے میں ان کو ''حواریِ رسول'' کا معزز لقب عطا ہوا۔

چند دن تک کفار خندق کے پار سے تیر اور پتھر برساتے رہے جب اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلا تو ایک دن قریش کے چند شاہسواروں نے جان کی بازی لگا دی۔ ایک جگہ خندق کچھ کم چوڑی تھی وہ گھوڑے دوڑا کر اندر کود آئے۔ اسلامی لشکر کے مقابل ایک کھلے میدان میں گھوڑے دوڑنے لگے۔ ان میں عرب کا مشہور پہلوان عمرو بن عبدود بھی تھا۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عبدود کا مقابلہ:۔

عمرو بن عبدود کی عمر نوے برس تھی۔ بدر کے معرکے میں شامل ہوا تھا اور زخمی ہونے کی وجہ سے احد میں شریک نہ ہو سکا۔ غزوۂ خندق میں لڑائی کا معلم بن کر آیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ آنحضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی تلوار عطا فرمائی اور اپنا عمامہ بندھوا کر رخصت فرمایا۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ چند مجاہدین کو لے کر روانہ ہوئے اور اس جگہ کو روک لیا جہاں سے قریشی شہسواروں نے چھلانگ لگائی تھی۔ شاہسواروں نے گھوڑے ایک طرف دوڑائے۔ عمرو نے پکارا مجھ سے کون طاقت آزمائی کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور فرمایا اے عمرو تم نے عہد کیا ہوا ہے کہ قریش سے جو شخص تمہیں دو باتوں کی دعوت دے گا تو ان میں سے ایک کو ضرور قبول کرے گا۔ عمرو نے جواب دیا ہاں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو بولا مجھے اس کی حاجت نہیں۔ ''اچھا اب تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ میرے ساتھ جنگ کے لیے اترو۔''

عمرو نے کہا اے بھتیجے کیوں؟ ''اللہ کی قسم میں نہیں چاہتا کہ تمہارے خون میں ہاتھ رنگ لوں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خدا کی قسم میں تمہارا خون بہانا چاہتا ہوں۔''

عمرو اس جواب پر تلملایا گھوڑے سے اترا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں آیا کچھ دیر پینترے بدلنے کے بعد عمرو نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ضرب لگائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں اسے ڈھیر کر دیا اور تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔" (البدایہ والنہایہ)

عمرو کے باقی ساتھی بھاگے۔ ان میں ایک خندق میں گر گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کیا۔ ایک کے تیر کا زخم آیا وہ واپسی میں مکہ کی راہ میں اسی زخم سے ہلاک ہوا۔ دن بھر لڑائی جاری رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں۔ لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ محاصرہ کی طوالت کفار مکہ کے لیے سخت تکلیف کا باعث تھی۔ اس لیے کہ دس (۱۰) ہزار فوج کی رسد کا سامان آسان نہ تھا۔ اسی اثناء میں ایک دن اس زور کی آندھی آئی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔

۳۔ نعیم بن مسعود کا کردار:۔

عین اس موقعہ پر نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو در پردہ مسلمان ہو گئے تھے۔ قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوا دی۔ مشرکین کو معلوم نہ تھا کہ وہ اسلام لا چکے ہیں۔ نعیم نے انہیں بد دل اور ہراساں کرنا شروع کر دیا۔ بنو قریظہ کو یہ سبق دیا کہ خیریت درکار ہے تو قریش سے چند آدمی بطور ضمانت طلب کر کے اپنے قبضہ میں رکھ لو تاکہ قریش تمہیں تنہا نہ چھوڑ جائیں۔ بنو قریظہ نے فوراً یہ مطالبہ کر دیا۔ قریش رضامند نہ ہوئے۔ بدگمانی اور بڑھی، بنو قریظہ الگ ہو گئے۔

۴۔ غیبی مدد:۔

دشمن کے دل اکھڑ چکے تھے ایک رات اللہ تعالیٰ نے اس زور کی ہوا بھیجی کہ ان کے قدم بھی اکھڑ گئے۔ ٹھنڈی اور تیز ہوا میں آگ جلتی تھی نہ ہانڈیاں ٹکتی تھیں اور نہ خیمے کھڑے رہ سکتے تھے۔ ابوسفیان نے سب کو بلا کر کہا: "ادھر بنو قریظہ نے غداری کی اور ادھر ہوا دشمن ہو رہی ہے۔ میں تو گھر جا رہا ہوں تم بھی سفر کرو۔" ابوسفیان اپنے اونٹ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اونٹ کے گھٹنے بندھے تھے۔ ابوسفیان نے بدحواسی میں اسے مارنا شروع کیا لیکن بے سود۔ ایک اور آدمی نے اس کی رسی کھولی تو اٹھنے کے قابل ہوا۔ (تاریخ طبری۔ البدایہ والنہایہ)

جب صبح ہوئی تو خندق پار کا علاقہ دشمن کے وجود سے صاف تھا۔ قریش کے بعد بنو قریظہ

نے میدان چھوڑ دیا۔اس جنگ میں مسلمانوں کا کم نقصان ہوا۔صرف ایک صحابی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے۔اور غزوۂ بنوقریظہ کے بعد انتقال کر گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

''اب قریش کی لڑائیاں ختم ہوگئیں۔اب آئندہ ہم ان پر چڑھائی کریں گے۔''
یعنی اپنی قوت کو تو وہ بدر اور احد میں آزما چکے۔تھے اور اب کی بار انہوں نے عرب بھر سے مخالفین اسلام کو مشکلوں سے سمیٹ کر دھاوا بولا تھا۔سو وہ بھی ناکام ہوگیا۔اب جبکہ اتنی قوت کو دوبارہ مجمع کرنا ممکن نہیں تو قریش کس طرح آئندہ کوئی معرکہ لڑ سکتے ہیں جبکہ بعد کا معرکہ اس سے زیادہ قوت طلب کرے گا۔''

(محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم از مولانا نعیم صدیقی ص:۴۲۱)

کفر کی طرف سے حق کو مٹانے کی یہ آخری بھرپور کوشش تھی۔لیکن بقول شاعر:-

؎ فانوس بن کر جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

مسلمانوں کی فتح کے اسباب:-

۱- خندق: عرب میں خندق کا رواج نہ تھا۔اس لیے جب کفار مدینہ پہنچے تو یہ خندق ان کے لیے بالکل غیر متوقع تھی۔جس کو عبور کرنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

۲- نصرت الٰہی: مسلمانوں کی فتح کا سب سے بڑا سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت و امداد ہے۔جس کا اس نے قرآن حکیم میں مومنوں سے وعدہ کیا ہے۔

۳- نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کارنامہ: نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جس طرح بنوقریظہ اور قریش و غطفان میں پھوٹ ڈال دی اس کا نتیجہ کفار کی شکست کی صورت میں ظاہر ہوا۔

۴- مسلمانوں کا عزم و استقلال: مسلمانوں نے عزم و استقلال سے صرف چند دنوں میں خندق تیار کی اور خوراک و رسد کی کمی کے باوجود کامیابی سے اپنا دفاع کیا۔

۵- کفار کی توہم پرستی: کفار مکہ کی شکست کی آخری وجہ یہ ہے کہ آندھی نے جب ان کے

خیمے الٹ دیئے اور آگ بجھا دی تو انہوں نے اس سے برا شگون لیا اور راتوں رات غائب ہو گئے۔

۶- محترم مہینوں کی آمد: ذیقعد کے مہینے کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس مہینے میں عرب لڑائی کو حرام سمجھتے تھے۔ اس لیے قریش نے محاصرہ اٹھا کر واپس چلنے کا فیصلہ کر لیا۔ (ڈاکٹر حمید اللہ اس کو سب سے بڑا اور اصل سبب قرار دیتے ہیں۔)

غزوۂ احزاب کے نتائج اور اہمیت

۱- جارحانہ حملوں کا خاتمہ: غزوۂ خندق آخری جارحانہ حملہ تھا جو کفر کے علمبرداروں کی طرف سے اسلامی حکومت پر کیا گیا۔ اس حملہ میں اپنی پوری قوت استعمال کرنے کے باوجود کفر کا اسلام کو مٹانے کا مذموم ارادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس سے اسلام کے مخالفین کے حوصلے اس حد تک پست ہو گئے کہ اس کے بعد انہوں نے مدینہ پر حملہ نہیں کیا۔

۲- اسلام کے فروغ میں تیزی: جنگ خندق میں کفار کی پسپائی سے مدینہ کے آس پاس کے قبیلوں پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ اب وہ مسلمانوں کی فوجی قوت سے مرعوب ہو کر ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے لگے اور اس طرح اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔

۳- بنو قریظہ کے خلاف کارروائی: غزوۂ خندق میں مدینہ میں مقیم آخری یہودی قبیلہ کی بدطینتی کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ جنگ کے اختتام پر ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی گئی اور مدینہ کو ان سے پاک کر لیا گیا۔

۴- اپنی قوت کا اندازہ ہونا: اس جنگ میں کفار کی یہ تعداد جو بیس ۲۴ ہزار اور ایک روایت کے مطابق دس ۱۰ ہزار تھی۔ کفار نے اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پر کبھی حملہ نہ کیا تھا۔ اس سے مسلمانوں کو یہ اندازہ ہوا کہ کفار اپنے سب ذرائع استعمال کرنے کے باوجود بھی مسلمانوں کو مغلوب نہیں کر سکتے۔

۵- قریش کی اقتصادی حالت کا تباہ ہونا: قریش نے اپنا سارا سرمایہ جنگ میں جھونک دیا۔ ان کے پاس اب حسرت و ارمان کے سوا کچھ نہ رہا۔

۶۔قریش کی عرب میں ذلت: عرب میں قریش سے بدظنی عام ہوگئی۔اوران کی روحانی پیشوائی ختم ہوگئی۔

غزوۂ خندق میں کفار ومشرکین پر عذابِ الٰہی کے نزول کی قرآن حکیم نے سورۃ الاحزاب کی آیات ۹ تا ۲۵ میں تصدیق فرمائی ہے۔

۵ ہجری کے دیگر واقعات

۱۔ اسی سال آنحضرت ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا۔زینب رضی اللہ عنہا آپ کی پھوپھی امیمہ کی صاحبزادی تھیں۔ان کا نکاح حضور ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارث رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔میاں بیوی میں نباہ نہ ہوا اور طلاق ہوگئی۔اس کے بعد آنحضور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔

۲۔ ۵ھ میں ہی پردہ کے احکام (سورہ احزاب) نازل ہوئے۔اس وقت تک مسلمان خواتین عام رواج کے مطابق رہتی سہتی تھیں۔چنانچہ ان احکام سے لازم ہوا کہ ان کی جائے قرار گھر ہے۔گھر کے اندر بھی احکام کے مطابق حجاب کا لحاظ رکھیں اور اگر اشد ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلیں تو چادر اوڑھ لیں اور گھونگٹ نکال لیا کریں جس سے پہچانی نہ جاسکیں اور ظاہری زینت بھی چھپ جائے، اتنے زور سے نہ چلیں کہ پاؤں کے زیوروں کی جھنکار سے راہ چلتے مردمخل ہوں۔وغیرہ وغیرہ

۳۔ اسی سال عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر حد جاری کرنے کا حکم اور سزا دینے کا طریقہ جاری ہوا۔

۴۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت ملی اور نماز خوف کا حکم نازل ہوا۔

(فتح الباری)

غزوۂ صلح حدیبیہ

ذیقعدہ ۶ھ / مارچ 628ء

حکمت ودانش کی ایک تاریخی دستاویز

"(اے حبیب مکرم!) بے شک ہم نے آپ کے لیے (اسلام کی) روشن فتح (اور غلبہ) کا فیصلہ فرمادیا۔ (اس لیے کہ آپ کی عظیم جدوجہد کامیابی کے ساتھ مکمل ہو جائے) تا کہ آپ کی خاطر اللہ آپ کی امت (کے ان تمام افراد) کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے (جنہوں نے آپ کے حکم پر جہاد کیے اور قربانیاں دیں) اور (یوں اسلام کی فتح اور امت کی بخشش کی صورت میں) آپ پر اپنی نعمت (ظاہراً و باطناً) پوری فرمادے اور آپ (کے واسطہ سے آپ کی امت) کو سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔ اور اللہ آپ کو نہایت باعزت مدد و نصرت سے نوازے۔"

(سورۃ الفتح، آیات ۱ تا ۳)

سپہ سالار اسلام: حضرت رسول اکرم ﷺ

تعداد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: ۱۴۰۰

مقصد: عمرہ کی ادائیگی

نتیجہ:- دس ۱۰ سال کے لیے کفار مکہ کے ساتھ عدم جارحیت کا معاہدہ طے پایا۔

۱- عمرہ کے لیے روانگی: جب سے مسلمان مکہ سے نکالے گئے یعنی چھ سال سے انہوں نے کعبہ کو بالکل نہ دیکھا تھا۔ اس لیے ذیقعدہ ۶ھ میں آنحضرت ﷺ چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور اس خیال سے کہ قریش کو جنگ وغیرہ کا شبہ نہ ہو یہ احتیاط فرمائی کہ احرام باندھ کر قربانی کے لیے ۷۰ اونٹ ساتھ لے لیے۔ مسلمانوں کو حکم دیا

کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔صرف تلوار ساتھ ہو اور وہ بھی نیام کے اندر۔ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا کیں۔

۲-قریش کی رکاوٹ: قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے آپ ﷺ کو روکنے کے لیے زبردست تیاریاں کیں اور پیغام بھیج کر تمام متحدہ قبائل کو جنگ کے لیے جمع کیا۔انہوں نے جاکر قریش کو خبر دی کہ مسلمان عمیم کے مقام تک پہنچ گئے ہیں۔ان کے جانے کے بعد مسلمان آگے مقام حدیبیہ میں ٹھہرے۔حدیبیہ نام کا ایک کنواں تھا جس سے یہ میدان موسوم تھا۔یہ مقام مکہ کے علاقہ میں شامل تھا۔قرآن حکیم نے اسے ’بطنِ مکہ‘‘ (وادی مکہ) کہا ہے۔(سورۃ الفتح)۔اس کا صرف ایک حصہ حرم میں داخل ہے جہاں مسلمان اترے وہ جگہ حرم سے باہر ہے اور مکہ کے شہر سے بارہ تیرہ میل دور جدّہ اور مکہ کی سڑک پر واقع ہے۔(آج کل اس جگہ کو ’’شمیسی‘‘ کہتے ہیں)۔

۳-قریش مکہ کے ساتھ گفت وشنید: قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا۔اس کے رئیس ’’بُدیل بن ورقاء‘‘ نے جاکر رسول اکرم ﷺ کو خبر دی کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا قریش سے جاکر کہہ دو کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔(طبقات ابن سعد)

> ’’بہتر ہے کہ قریش ہم سے ایک خاص مدت کے لیے معاہدہ کرلیں اور اگر اس پر وہ راضی نہیں ہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں اس وقت تک لڑوں گا۔جب تک میری گردن الگ نہ ہو جائے اور خدا اپنا فیصلہ پورا نہ کردے۔‘‘ (سیرۃ النبی ﷺ ج اص:۴۵۰-۴۵۱ از شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ)

> ’’گویا آپ ﷺ نے مصالحت کی راہ کی طرف اشارہ بھی کردیا۔الٹی میٹم بھی دے دیا اور قریش کی پتلی حالت پر توجہ بھی دلا دی۔‘‘

(محسنِ انسانیت ﷺ از نعیم صدیقی ص:۵۰۹)

بدیل نے آنحضرت ﷺ کا پیام اور آپ ﷺ کی شرائط سنائیں۔یہ شرائط سن کر ان کی جماعت کے ایک تجربہ کار شخص عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا محمد (ﷺ) نے بڑی معقول شرائط

پیش کی ہیں مجھ کو اجازت دو کہ میں جا کر خود معاملہ طے کرلوں۔ قریش کو ان پر پورا اعتماد تھا اس لیے ان کی جانب سے رسول اکرم ﷺ کے پاس جا کر گفتگو کی اور کہا محمد! فرض کرو تم نے قریش کو ختم کر دیا کیا دنیا میں اس کی مثال مل سکتی ہے کہ کسی شخص نے اپنی قوم کو خود اپنے ہاتھوں سے برباد کیا ہو؟

۴- دربار رسالت ﷺ کا منظر عروہ کی زبانی: اگرچہ عروہ بن مسعود ثقفی کی سفارت نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی لیکن دربار نبوت ﷺ کے تاثرات اس کے دل پر ایسے نقش ہوئے کہ اس نے واپس آ کر قریش کو کہا واللہ! میں نے نجاشی حبش، قیصر روم اور کسریٰ ایران کے دربار دیکھے ہیں لیکن جتنی تعظیم محمد ﷺ کے ساتھی آپ ﷺ کی کرتے ہیں، وہ نجاشی اور قیصر و کسریٰ کو اپنے درباروں میں نصیب نہیں۔ محمد ﷺ کے وضو کا پانی گرتا ہے تو زمین پر گرنے سے قبل تبرک سمجھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہاتھوں پر لیتے اور منہ و آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ جب وہ کلام کرتے ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی آواز پست کر لیتے ہیں۔ جب کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوراً تعمیل کرتے ہیں۔ ان کے دل میں آپ ﷺ کا اتنا ادب ہے کہ ان کے سامنے نگاہ تک نہیں اٹھاتے اور ایک ایک اشارے پر کٹ مرنے کو تیار رہتے ہیں۔ میری رائے ہے کہ ان سے صلح کرلو۔'' (صحیح بخاری، باب الشروط فی الجہاد- ص:۷۹)

۵- بیعت رضوان: آنحضرت ﷺ نے مصالحت کی گفتگو کے لیے خراش بن امیہ کو بھیجا۔ قریش نے ان کو قتل کرنا چاہا مگر ان کے قبیلہ کے آدمیوں نے بچا لیا۔ خراش کی واپسی کے بعد قریش نے مسلمانوں پر حملہ کے لیے ایک دستہ بھیجا مگر وہ گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے درگزر سے کام لیتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا۔ قریش کی معاندانہ روش کے پیش نظر آپ ﷺ نے دوبارہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا۔ انہوں نے آپ (عثمان غنی رضی اللہ عنہ) کو روک لیا۔ مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو سخت صدمہ ہوا۔ آپ ﷺ نے قصاص کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جانبازی کی بیعت لی۔ (صحیح بخاری)

صرف ایک بدبخت منافق جد بن قیس نے بیعت نہ کی۔ اسی بیعت کا نام بیعت رضوان

ہے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔

ترجمہ:۔ ”تحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ یہ لوگ آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔“ (سورۃ الفتح، آیت:۱۸)

۶۔ صلح حدیبیہ: بیعت رضوان تاریخ اسلام میں خاص اہمیت رکھتی ہے بعد میں معلوم ہوا کہ شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خبر غلط تھی۔ اس دوران میں قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ مصالحت کے لیے آمادہ ہو گئے اور اپنے خطیب سہیل بن عمرو کو مصالحت کی گفتگو کے لیے بھیجا۔ مندرجہ ذیل صلح نامہ لکھا گیا۔

یہ مصالحت محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے ہوئی ہے انہوں نے یہ سمجھوتہ کیا کہ:

شرائط صلح:۔

۱۔ دس برس تک جنگ نہ ہوگی سب لوگ امن وامان کے ساتھ رہیں گے کوئی کسی پر ظلم و تعدی نہیں کرے گا۔

۲۔ فریقین اپنے جذبات کو قابو میں رکھیں گے اور ایک دوسرے سے خیانت نہیں کریں گے۔

۳۔ اگر مکہ سے کوئی شخص اپنے ولی کے اذن کے بغیر محمد ﷺ کے پاس جائے گا۔ تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور اگر محمد ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے کوئی شخص قریش کے پاس آئے گا تو اس کی واپسی نہیں ہوگی۔

۴۔ جو چاہے محمد ﷺ کا حلیف اور ہم عہد ہو جائے اور جو چاہے قریش کا حلیف ہو جائے کسی پر کوئی پابندی نہیں۔

۵۔ حضرت محمد ﷺ اس سال واپس چلے جائیں۔

۶۔ حضرت محمد ﷺ قریش کی موجودگی میں تشریف نہیں لائیں گے۔

۷۔ اگلے برس قریش تین روز کے لیے مکہ سے نکل جائیں گے۔ محمد ﷺ ان ایام میں اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ہمراہ یہاں تشریف فرما ہوں گے۔

۸- مسلمان مکہ میں بے نیام اسلحہ نہیں لائیں گے۔ (بخاری شریف-سیرت ابن ہشام)

ابو جندل رضی اللہ عنہ کا واقعہ:-

ابھی یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ سہیل کے لڑکے ابو جندل جو مسلمان ہو چکے تھے اور اس جرم میں طرح طرح کے مصائب جھیل رہے تھے کسی طرح چھوٹ کر مسلمانوں کے پاس آ گئے انہیں دیکھ کر ان کے باپ نے کہا محمد ﷺ! پابندی عہد کا یہ پہلا واقعہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا ہے۔'' سہیل نے کہا تو ہمیں صلح منظور نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے سہیل کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا۔ اس لیے آپ ﷺ نے مجبور ہو کر ابو جندل کو اس کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے جسم کے نیل دکھا کر جو مشرکین کے ظلم وستم اور تشدد سے پڑ گئے تھے مسلمانوں سے فریاد کی کہ، پھر اسی عذاب کے لیے کفار کے حوالے کر رہے ہیں۔ مسلمان ان کی دردانگیز فریاد سن کر تڑپ اٹھے لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنا فیصلہ قائم رکھا۔ قربانی کے اونٹ ذبح کر کے بال ترشوائے اور احرام کھولا۔ (صحیح بخاری)

مہاجرین چھ برس کے بعد اپنے شہر کو چلے تھے لیکن یہ تمنا بر نہ آئی۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ کے واقعہ نے ان کا سکون چھین لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں جو کلام کیا اس کے حرف حرف سے اضطراب اور بے چینی کی جھلک نظر آتی ہے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو مایوسی اور شکستہ دلی کی تصویر نظر آتے ہیں۔ تاجدارِ کائنات ﷺ حدیبیہ سے واپس آئے تو راستہ میں وحی مبارک یہ بشارت لائی ''انا فتحنا لك فتحا مبينا'' (ہم نے آپ ﷺ کے لیے فتح مبین کا دروازہ کھول دیا ہے) آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت سنائی اور فرمایا ''یہ آیت مجھے تمام دنیا سے عزیز تر ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے حد خوش ہوئے۔ (بخاری ومسلم)

صلح حدیبیہ کے اثرات ونتائج:-

فتح مبین: اگرچہ بظاہر یہ صلح مغلوبانہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین قرار دیا اور اس کا ذکر قرآن حکیم میں فرمایا۔ اس کے بعد کے واقعات اور نتائج نے اسے کھلی فتح ہی ثابت کر دیا۔ اس کے بڑے بڑے اثرات وثمرات حسب ذیل ہیں:-

۱-جنگ کا خاتمہ:-اس صلح سے اہل اسلام اور کفار مکہ کے درمیان جنگ وجدل کا سلسلہ ختم ہو گیا اور مسلمان اب معاشرتی اور معاشی سرگرمیوں کی طرف توجہ دینے لگے۔

۲-اسلامی ریاست کو تسلیم کرلیا گیا:-اس معاہدہ کی رو سے پہلی مرتبہ عرب میں اسلامی ریاست کا وجود باقاعدہ تسلیم کرلیا گیا۔اس سے پہلے عربوں کی نگاہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیثیت محض قریش اور قبائل عرب کے خلاف خروج کرنے والے ایک گروہ کی تھی۔یہی چیز مسلمانوں کی آئندہ ترقی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

۳-لوگوں کا جوق در جوق اسلام قبول کرنا:-اس معاہدے کے بعد جب فضا سازگار ہوگئی اور مسلمان مکہ آنے جانے لگے تو اہل اسلام کی صالح زندگی نے قریش مکہ پر بڑا خوش گوار اثر ڈالا اور وہ لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔

۴-قبائل کا اسلام کی طرف مائل ہونا:-چونکہ یہ معاہدہ مسلمانوں کی امن پسندی کا بین ثبوت تھا اس لیے جو قبائل شک میں مبتلا تھے۔اس سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں سے دوستانہ مراسم قائم کرلیے۔

۵-غیر ممالک کو اسلام کی دعوت:-قریش سے جنگ وجدل کے خاتمہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا موقع ملا کہ غیر ممالک کے لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچائیں۔

۶-آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تدبر:-معمولی سی ظاہری رعایت کے عوض جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو دی اسلام کو گوناگوں فائدے پہنچے۔"اسی لیے مؤرخین صلح حدیبیہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی تدبر کا شاہکار کہتے ہیں۔اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دور بینی اور سیاست دانی کا اندازہ ہوتا ہے"۔

☆ صلح حدیبیہ کی اہمیت:-

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ قریش کا اس صلح پر آمادہ ہو جانا اسلامی ریاست، خارجہ کی ایک واقعی فتح مبین تھی جس کے باعث فوری خطرات سے نجات ملنے پر انہوں نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پرامن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس ۱۰ گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نمائے

عرب کو اپنا مطیع بنا لیا۔ یہی وہ صلح حدیبیہ ہے جسے عہدِ نبوی ﷺ کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہنا چاہیے۔ (رسول اکرم کی سیاسی زندگی)

☆ قریش کی جیت ہار بن گئی:۔

سب سے زیادہ جو چیز اس صلح میں مسلمانوں کو ناگوار ہوئی تھی اور جسے قریش نے اپنی جیت سمجھا تھا، وہ تھی کہ مکہ سے بھاگ کر مدینہ جانے والوں کو واپس کر دیا جائے گا اور مدینہ سے بھاگ کر مکہ جانے والوں کو واپس نہ کیا جائے گا، مگر تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ یہ معاملہ بھی قریش پر الٹا پڑا اور تجربہ نے بتا دیا کہ نبی اکرم ﷺ کی نگاہِ دوررس نے اس کے کن نتائج کو دیکھ کر یہ شرط قبول کی تھی۔

صلح کے کچھ دن بعد مکہ سے ایک مسلمان حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ قریش کی قید سے بھاگ کر مدینہ آ گئے۔ قریش نے ان کی واپسی کا مطالبہ کر دیا اور حضور ﷺ نے معاہدے کے مطابق انہیں ان لوگوں کے حوالے کر دیا، جو ان کی گرفتاری کے لیے مکہ سے بھیجے گئے تھے، مگر مکہ جاتے ہوئے راستہ میں وہ پھر ان کی گرفت سے بچ نکلے اور ساحلِ بحرِ احمر کے راستے پر جا بیٹھے، جس سے قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے اس کے بعد جس مسلمان کو بھی قریش کی قید سے نکلنے کا موقع ملتا تھا وہ مدینہ جانے کی بجائے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے ٹھکانے پر چلا جاتا، یہاں تک کہ وہاں تقریباً ستر ۷۰ آدمی جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے قریش کے قافلوں پر چھاپے مار مار کران کا جینا دوبھر کر دیا، آخر قریش نے خود آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو مدینہ بلا لیں اور اس طرح معاہدۂ حدیبیہ کی وہ شرط خود بخود ختم ہو گئی۔

(ماخوذ از تفہیم القرآن)

شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا تجزیہ:۔

شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

"گو صلح حدیبیہ بظاہر دب کر ہوئی تھی لیکن خدا نے اس کو فتح مبین سے تعبیر کیا اور سورۃ الفتح نازل ہوئی کہ نتائج کے اعتبار سے یہ صلح درحقیقت فتح کا دیباچہ تھی، صلح سے پہلے مسلمان کافروں سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ اس کے بعد دونوں میں

میل جول اور آمد ورفت شروع ہوئی، ہر مسلمان اسلام کی سچی تصویر تھا اس تصویر کو دیکھ کر اور تبادلہ خیالات سے کفار کے دل خود بخود اسلام کی طرف کھنچنے لگے اور اسلام نہایت سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا، چنانچہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک جس کثرت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے اتنے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔" (تاریخ اسلام)

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ:-

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے، خدا نے اس کو فتح کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے، انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں۔" صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تسکین ہوگئی اور مطمئن ہو گئے۔ نتائج مابعد نے اس راز سربستہ کی عقدہ کشائی کی۔ اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے۔ اب صلح کی وجہ سے آمد ورفت شروع ہوئی خاندان اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے، مہینوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے۔ باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسنِ عمل، نیکوکاری، پاکیزہ اخلاق کی ایک زندہ تصویر تھا۔ جو مسلمان مکہ جاتے۔ ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں۔ اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے یہ لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۔ (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

☆ "حضرت خالد بن ولید سیف اللہ (فاتح شام)، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص (فاتح مصر) اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کا اسلام بھی اس زمانے کی یادگار ہے۔"

(قارئین محترم! اس بارے میں سخت اختلاف ہے کہ مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس سنہ میں اسلام لائے۔ اسماء الرجال کی بعض کتابوں میں اسے ۸ھ کا واقعہ بتایا گیا ہے۔ لیکن نجاشی کے پاس حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ معروف ہے جو کہ "۷ھ" کا ہے اور یہ

بھی معلوم ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص حبشہ سے واپس آئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے حبشہ سے واپس آ کر مدینہ کا قصد کیا تو راستے میں ان دونوں سے ملاقات ہوئی۔ اور تینوں حضرات نے ایک ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سبھی حضرات ۸ھ کے اوائل میں مسلمان ہوئے۔ جب یہ حضرات مسلمان ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے ہم کو دے ڈالے ہیں۔)

مولانا نعیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:۔

"یہ تھا وہ تاریخی معاہدہ جو اپنے نتائج کے اعتبار سے بجائے خود فتح مبین کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور جس تک قریش کو لانے اور اس سلسلے کے جملہ پُر پیچ مراحل کو طے کرنے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سیاست، حکمت اور قائدانہ بصیرت کا مظاہرہ کیا، جس سے بعد والوں کو تا قیامت راہنمائی ملتی رہے گی۔ یہ مصالحت محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست کاری کا ایک بے مثال شہ کار ہے۔"

(محسنِ انسانیت)

صلح حدیبیہ اور معجزات

☆۱- پانی کی کمی دور ہوگئی:-

حدیبیہ میں پانی کی کمی کی شکایت کی گئی تو حضور رحمت عالم ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو تیر دے کر کنوئیں میں اتارا۔ انہوں نے تیر کنوئیں کے اندر رکھا تو پانی کنوئیں کے اندر جوش مارنے لگا، سب لوگوں نے اپنی ضروریات پوری کیں اس طرح جانوروں کی سیرابی کا بھی سامان ہوگیا، عبداللہ بن ابی نے اس معجزے سے بھی انکار کیا ہے اور طرح طرح کی باتیں بناتا رہا، دوسرے منافقین بھی استہزاء کرتے رہے۔ (السیرۃ الحلبیہ ۱۲:۳)

☆۲- برکت ہی برکت:-

حدیبیہ سے طیبہ تک واپسی کا سفر ایک یادگار سفر تھا، رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے قدم قدم پر رہنما اصول گلاب بن کر مہک رہے ہیں، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوراک حاصل کرنے کے لیے سواری کے جانور ذبح کرنے لگے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں التماس گزار ہوئے کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، سفر کی سواریاں پہلے ہی بہت کم ہیں جانور ذبح کردیئے گئے تو سفرِ طیبہ اور بھی مشکل ہوجائے گا۔ آپ ﷺ دعا فرمائیں تاکہ جو تھوڑا بہت سامان خورد و نوش بچا ہے اس میں برکت ہوجائے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے۔ فرمانِ نبوی ﷺ کی تعمیل میں کوئی ایک آدھ کھجور لا رہا ہے کوئی مٹھی بھر آٹا لیے ہوئے چلا آرہا ہے۔ غرض جس کے پاس کھانے پینے کی جو چیز تھی وہ اس نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کردی، حضور ﷺ نے دستِ اقدس دعا کے لیے اٹھائے، رحمت یزداں کے دروازے کھل گئے، برکت ہی برکت، رحمت ہی رحمت،

فرمایا آقا ﷺ نے حسب ضرورت لیتے جاؤ، پھر ہر کسی نے اتنا سامان اٹھایا کہ اٹھائے نہ اٹھا لیکن سامان خورد ونوش ختم ہونے کو نہ آیا۔ جس پیغمبر اعظم ﷺ کی انگشت مبارک سے آب خنک کے چشمے رواں ہوئے ہیں، جس نبی ﷺ کے عطا کیے ہوئے تیر سے کنوئیں کا پانی جوش مارنے لگتا ہے اس رحیم وکریم رسول ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور رزق میں کشادگی کی تمنا کی تو ہر کسی کا دامن مراد بھر گیا اس کے بعد ابر کرم ٹوٹ کر برسا اور رسول ﷺ کے ساتھیوں نے جی بھر کر پانی پیا بھی اور جمع بھی کیا۔ اپنے آقا ﷺ کے نقوش پا کو چومتے ہوئے اہلِ کارواں شہرِ خنک کی طرف بڑھنے لگے۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد سوئم ص: ۲۴۴ بحوالہ سیرۃ الرسول ﷺ جلد ہشتم)

☆۳- انگشتِ مبارک سے آبِ رواں کے چشمے پھوٹنا:-

قعر مذلت میں گری ہوئی انسانیت کو ہم دوش کرنا، اصنام پرستی کے اندھیروں میں شمع توحید جلا کر انسان کے ظاہر و باطن کو روشنیوں سے منور کر دینا، دخترِ حوا کے پیروں کی زنجیروں کو کاٹ کر اس کے برہنہ سر پر تحفظ کی ردا دینا اور اللہ کی زمین پر ظلم، جبر اور ناانصافی کی ہر شکل کو مٹا کر نفاذِ عدل کا منصب سنبھالنا، بذاتِ خود ایک ایسا معجزہ ہے، تاریخ انسانی تو کیا پوری کائنات کی تاریخ میں جس کی مثال نہیں ملتی انگشت مبارک چاند کی طرف اٹھ جائے تو وہ دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ ہونٹوں پر تشنگی اگ آئے تو انہی انگلیوں سے آبِ رواں کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔

روایات میں ہے کہ لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ نے احوال دریافت فرمائے تو انہوں نے کہا حضور ﷺ ہمارے پاس پینے کے لیے پانی نہیں، آپ ﷺ کے پاس پانی کا لوٹا تھا جس سے آپ ﷺ نے وضو کیا حضور رحمت عالم ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اس لوٹے میں ڈالا تو آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ (ترجمہ حدیث):- ''ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی پانی ختم نہ ہوتا۔ اس دن تو ہم پندرہ سو تھے۔[1] (صحیح بخاری جلد دوئم ص: ۵۹۸ بحوالہ سیرۃ الرسول ﷺ جلد ہشتم)

---

[1] جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس معجزے کو مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نظم کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی، ہیں جاری واہ واہ
(حدائق بخشش)

ابوجہل کے اونٹ کا دلچسپ واقعہ:-

جب میدانِ بدر میں حق و باطل کا پہلا معرکہ برپا ہوا۔ اللہ کے بندے اللہ کی راہ میں بے سروسامانی کے عالم میں نکل پڑے اور تائیدِ الٰہی سے کامیابی نے مسلمانوں کے قدم چومے اور کفار و مشرکین اپنا سامانِ سفر چھوڑ کر بھاگ گئے تو اس مالِ غنیمت میں ابوجہل کا تاریخی اونٹ بھی شامل تھا۔ حضور ﷺ عمرہ کی ادائیگی کے لیے جب یکم ذی قعدہ ۶ ہجری کو مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوئے تو ابوجہل کا یہ اونٹ بھی قربانی کے جانوروں میں شامل تھا۔ یہ اونٹ بھاگ کر ابوجہل کے گھر پہنچ گیا۔ سہیل بن عمرو سے رابطہ کر کے یہ اونٹ واپس لیا گیا۔ مشرکین اپنے سردار کی اس یادگار کو واپس لینے کے متمنی تھے، انہوں نے پیش کش کی کہ ابوجہل کے اونٹ کے بدلے سو اونٹنیاں لے لی جائیں لیکن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہم اس اونٹ کو قربانی کے لیے مختص کر چکے ہیں ورنہ مشرکین کی پیش کش کو ضرور قبول کر لیتے، اس طرح قربانی کے دوسرے جانوروں کے ساتھ ابوجہل کے اس اونٹ کو بھی اللہ کی راہ میں ذبح کر دیا گیا۔

(سیرت حلبیہ، ۳: ۲۴، بحوالہ سیرۃ الرسول ﷺ جلد ہشتم ص: ۵۹۶-۵۹۸)

صلح حدیبیہ اور قرآنی آیات

- i- سورۃ الفتح: آیت-۱
- ii- سورۃ الفتح: آیت-۱۲
- iii- سورۃ الفتح: آیت-۱۸
- iv- سورۃ الفتح: آیت-۲۷

۶ ہجری کے دیگر اہم واقعات

۱- ہجرت کے چھٹے سال بقول جمہور حج فرض ہوا اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ یہ ہے کہ حج اسلام کی فرضیت نویں سال میں ہے۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ" (اور تم اللہ کیلئے حج وعمرے کو پورا کرو) اس آیت کا نزول چھٹے سال میں ہے اور فرماتے ہیں کہ اتمام حج سے مراد اس کے مبادیات کو سرانجام دینا ہے۔ اس کی تائید علقمہ رحمۃ اللہ علیہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ جو اجلہ تابعین میں سے ہیں نے کی ہے اور دیگر علماء کی جماعت جو یہ کہتی ہے کہ اس کی فرضیت نویں سال میں ہے ان کی دلیل سورہ آل عمران کی آیت ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آیت ۹۷)

(اور اللہ کیلئے لوگوں پر فرض ہے کہ بیت اللہ کا حج کریں جو اس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتا ہے)۔ یہ آیت سال نہم میں نازل ہوئی جسے "عام الوفود" کہتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج بنا کر بھیجا گیا۔ دلیل و حجت کے اعتبار سے بعض علماء کے نزدیک یہی قول راجح ومختار ہے۔

(مدارج النبوت اردو ترجمہ جلد دوم از شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

۲- یہ حکم نازل ہوا کہ کوئی مسلمان عورت کسی مشرک کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔

۳- ماہ شعبان ۶ ھ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق کے سردار حارث کی صاحبزادی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

۴- دعائے استسقاء:

اسی سال حضور اکرم ﷺ نے دعائے طلب باراں فرمائی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہجرت کے چھٹے سال رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں قحط پڑا۔ لوگوں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں استسقاء اور استغاثہ کیلئے عرض کیا۔

پھر آنحضور ﷺ نے دعا فرمائی اور حق تعالیٰ نے بارش فرمائی۔

غم زدوں کو رضا مژدہ دیجئے کہ ہے
بے کسوں کا سہارا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہمعصر بادشاہوں اور امراء کو دعوت اسلام

(محرم ۷ھ)

سارے جہاں کی پیاس بجھانی محال ہے
اسلام کے پیالۂ لبریز کے بغیر

"وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا"۔ (سورہ سباء آیت ۲۸)

(اور (اے حبیب مکرم!) ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ (آپ) پوری انسانیت کیلئے خوشخبری سنانے والے ہیں اور ڈر سنانے والے ہیں)۔

صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ کے آخر میں آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط لکھ کر انہیں دعوت اسلام دی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پوری دنیا کے لوگوں کو توحید کا پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا تھا۔

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

"ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہان والوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

(الانبیاء ۱۰۷)

(اے رسول محتشم!) آپ کہہ دیں اے لوگو! میں تم سب کیلئے اللہ کا رسول ہوں"۔ (الاعراف: ۱۵۸)

ان آیات مبارکہ کی روشنی میں آنحضور ﷺ نے مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کے

ر براہوں اور سرکردہ رؤسا کے نام دعوت اسلام پر مشتمل خطوط بھیجے۔
آپ ﷺ نے ان خطوط کے لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ بادشاہ اسی صورت میں خطوط قبول کریں گے جب ان پر مہر لگی ہو اس لئے سرور کائنات ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر "محمد رسول اللہ" نقش تھا۔ یہ نقش تین سطروں میں تھا۔ محمد ﷺ ایک سطر رسول ایک سطر میں اور اللہ ایک سطر میں۔ (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۸۷۲۔۸۷۳)
(اس انگوٹھی کو جناب رسول اکرم ﷺ قضائے حاجت کے وقت اتار کر رکھ دیتے تھے۔ باقی اکثر اوقات میں داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں اس طرح پہنے رہتے تھے کہ نگینہ ہتھیلی کی طرف رہتا تھا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ انگوٹھی یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی۔ آخر خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے چھٹے سال جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چاہ اریس پر بیٹھے ہوئے انگلی سے نکال کر اس انگوٹھی کو ہاتھ پر اچھال رہے تھے کہ کنوئیں میں گر گئی۔ ہر چند کہ سارا پانی نکلوا دیا گیا مگر انگوٹھی نہ مل سکی)

☆ ۱۔ قیصر روم کے نام خط:

قیصر روم کے نام آپ ﷺ کا خط حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ بن خلیفہ الکلبی لے کر گئے۔ قیصر نے ان ہی دنوں ایرانیوں کے خلاف کامیاب جنگ لڑی تھی اور ادائے شکر کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ قیصر روم ہرقل نے تحقیق حال کیلئے ابوسفیان کو بلایا جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور تجارت کے سلسلہ میں شام گئے ہوئے تھے۔ ہرقل نے ان سے متعدد سوالات کئے جس سے قیصر کو حضور ﷺ کی نبوت کا یقین ہو گیا لیکن اپنے امراء اور مذہبی رہنماؤں کی مخالفت کی وجہ سے وہ اعلان نہ کر سکا۔

☆ خسرو پرویز کے نام خط:

اسی طرح خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے پاس حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا خط لے کر گئے۔ (جس طرح رومی بادشاہ کا خطاب "قیصر" تھا۔ اسی طرح ایران کے بادشاہ کا لقب "کسریٰ" تھا۔ اس وقت ساسانی خاندان میں سے خسرو پرویز نصف مشرقی دنیا کا

شہنشاہ تھا اور زرتشتی مذہب کا پیرو تھا۔ یہ متکبر بادشاہ ہرمز کا بیٹا اور نوشیروان عادل کا پوتا تھا)
سرنامہ آنحضور ﷺ کا اسم مبارک پہلے اور پرویز کا نام بعد میں تھا۔ سرنامہ دیکھتے ہی پرویز
بھڑک اٹھا۔ اس نے نہایت گستاخی کے ساتھ نامہ مبارک پارہ پارہ کر دیا اور کہا کہ میرا غلام ہو
کر مجھے اس طرح خط لکھتا ہے۔ قاصد نے آکر ماجرا آنحضور ﷺ کے گوش گزار کیا تو
آپ ﷺ نے فرمایا اس نے اپنی سلطنت کے پرزے اڑا دیئے۔ ان دنوں یمن پر پرویز کا
نائب ''باذان'' تعینات تھا۔ پرویز نے اسے حکم دیا (بھیجا) کہ آپ ﷺ کو گرفتار کر کے
میرے پاس بھیج دو۔ باذان نے دو افسر مدینہ بھیجے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں
عرض کیا کہ ہمارے ساتھ چلئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کل آنا۔ وہ دوسرے روز حاضر ہوئے تو
آپ ﷺ نے فرمایا کہ پرویز گزشتہ رات اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ یہ افسر
یمن لوٹے اور باذان کو خبر دی۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ شیرویہ کا فرمان باذان کے نام پہنچا کہ
میں نے پرویز کا کام تمام کر دیا ہے تم میری اطاعت کرو۔ مگر باذان مسلمان ہو چکا تھا۔ یمن کا
علاقہ ایران کے قبضہ سے نکل گیا اور ایرانی سلطنت کے پرزے اڑنے شروع ہو گئے اور عہد
فاروقی رضی اللہ عنہ میں ساسانی خاندان کی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب ﷺ کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا! (ظفر علی خان)

۳۔ نجاشی بادشاہ کے نام خط:

تیسرا خط حبش کے بادشاہ نجاشی کے نام لکھا گیا۔ اس نجاشی کا نام ''اصحمہ بن ابجر'' تھا اور
لقب نجاشی۔ اس کے پاس جب نامہ مبارک پہنچا تو اس نے آنکھوں سے لگایا اور پھر پڑھ کر
اسلام سے مشرف ہوا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت
میں عقیدت نامہ تحریر کیا۔ نجاشی نے ۸ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے اس پر غائبانہ
نماز جنازہ پڑھی۔ (طبقات ابن سعد)

۴۔ والیٔ مصر مقوقس کے نام خط:

چوتھا خط حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی معرفت والیٔ مصر مقوقس کو بھیجا گیا۔ مصر میں

عیسائیت کا سکہ رواں تھا۔ یہاں قیصر روم کی طرف سے ایک نائب متعین تھا۔ عہدہ کے لحاظ سے اسے ''مقوقس'' کہتے تھے۔ اس کا نام ''جریج'' تھا۔ اس کا صدر مقام اسکندریہ تھا۔ مقوقس نے حضرت حاطب کی تعظیم کی اور عزت سے مہمان رکھا مگر مشرف بہ اسلام نہ ہوا۔

آنحضور ﷺ کیلئے تحائف روانہ کئے ان میں تین کنیزیں ایک غلام اور ایک سفید خچر ''دلدل'' نام تھا۔ ایک کنیز حضرت ماریہ قبطیہ تھیں ان سے آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

۵- جبلہ غسانی کے نام خط:

دمشق کے علاقہ میں ان دنوں جبلہ غسانی قیصر روم کی طرف سے حاکم تھا اس کے پاس سفیر پہنچا تو اس نے غصہ میں بھر کر کہا ''میری سلطنت مجھ سے کون چھین سکتا ہے۔ میں اس پر چڑھائی کروں گا''۔ جبلہ نے فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا اور قیصر کو خط لکھا۔ قیصر نے فرمان بھیجا کہ اس ارادے سے باز آ جاؤ اور فوراً میرے پاس پہنچو۔ جبلہ نے حملہ کا ارادہ چھوڑ دیا اور اسلامی سفیر کو زادراہ دے کر واپس بھیجا۔

متفرق خطوط:

آنحضرت ﷺ نے مذکورہ دعوت ناموں کے علاوہ اور بھی متعدد تبلیغی خطوط بھیجے جو سلاطین امراء اور علمائے یہود و نصاریٰ کے نام تھے۔ نجاشی مقوقس اور منذر شاہ بحرین کے نام جو خطوط بھیجے گئے تھے وہ ابھی تک زمانہ کی دستبرد سے محفوظ ہیں۔

نتائج واہمیت:

دعوت اسلام پر مشتمل خطوط کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے حکمران اور ان کی رعایا مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اس کے علاوہ دین اسلام کا چرچا ساری دنیا میں ہو گیا۔ کسریٰ ایران سے مخالفت کا آغاز بھی اسی دور سے شروع ہوا اور اس طرح یہ دور ایک وسیع اور طاقتور اسلامی مملکت کی بنیادوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

تبلیغ حق کی مہم جس کا آنحضور ﷺ نے آغاز فرمایا تھا' اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی

سعادت آپ ﷺ کے جانشین رفقاء اور آپ ﷺ سے تربیت یافتہ جماعت کے حصے میں آئی۔ آنحضور ﷺ کی اس بین الاقوامی دعوت حق کے متعلق مولانا نعیم صدیقی رقمطراز ہیں کہ: ”دعوت کے علاوہ ان خطوط کی ترسیل کا ایک بڑا مدعا یہ بھی تھا کہ آس پاس کے حکمرانوں کو یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اب عرب پہلے کی طرح کوئی کھلی چراگاہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک باضابطہ حکومت کے زیر انتظام ہے۔ ایک کارفرما طاقت موجود ہے جو ہر لحاظ سے چوکس اور مضبوط ہے۔ وہ کسی بیرونی سلطنت سے دبنے والی بھی نہیں بلکہ وہ چیلنج کر رہی ہے اور چیلنج کرنے کا دم خم موجود ہے“۔ (محسن انسانیت صفحہ ۴۵۷)

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے   دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اسلام کا زمانے میں سکہ بٹھا دیا   اپنی مثال آپ ہیں یاران مصطفیٰ

(ظفر علی خان)

اسلام کا ہم سکہ دنیا میں بٹھا دیں گے   توحید کے نعروں سے دنیا کو ہلا دیں گے

(انشاء اللہ)

غزوۂ خیبر

(۷ھ مطابق ۶۲۸ء)

غزوۂ خیبر کے اسباب:

☆۱-خیبر، یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز:

عرب میں یہودیوں کی قوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ یہ زرخیز وادی مدینہ منورہ سے جانب شمال قریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں قدیم زمانہ سے یہود آباد تھے۔ مدینہ سے جو یہودی نکالے گئے تھے وہ درۂ خیبر میں آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے وہاں مضبوط قلعے بنا لئے تھے۔ عبرانی زبان میں ''قلعہ'' کو خیبر کہتے ہیں۔ قموص، ناعم، نطاۃ، سالم، قطارہ اور مریطہ نام کے قلعے خاص طور پر قابل ذکر تھے۔

☆۲-ملت اسلامیہ کے خلاف سازشوں کا مرکز:

خیبر ملت اسلامیہ کے خلاف سازشوں کا مرکز بن گیا تھا۔ قریب ہی عرب کا ممتاز قبیلہ غطفان آباد تھا۔ جو یہود خیبر کا حلیف تھا۔ سلام بن ابی الحقیق جوان دنوں یہود کا سردار تھا، بڑا بااثر تھا۔ اس نے غطفان اور اس کے آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کر لیا۔

☆۳-مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں:

ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ آنحضرت ﷺ کو اس فتنہ انگیزی کی خبر ہوئی تو چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے ایما سے خیبر جا کر سلام کو قتل کر

دیا۔ (طبقات ابن سعد نیز البدایہ والنہایہ)

☆۴۔ اسیر کا قتل:

سلام بن ابی الحقیق کے بعد اسیر بن رزام مسند ریاست پر بیٹھا اس نے یہودیوں کو جمع کر کے ان سے کہا میرے پیشرووں نے محمد ﷺ کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کیں وہ غلط تھیں خود محمد ﷺ کے دارالحکومت پر حملہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ غطفان وغیرہ کا دورہ کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے ایک لشکر تیار کیا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہودی سردار ''اسیر بن رزام'' سے گفتگو کر کے اسے مصالحت کی غرض سے مدینہ لائیں۔ اسیر تیس آدمیوں کا جتھہ لے کر اسلامی وفد کے ہمراہ روانہ ہوا چونکہ یہود کا اعتبار نہ تھا اس لئے ہر یہودی کے ساتھ ایک مسلمان سوار تھا کہ وہ اچانک حملہ نہ کر دیں۔ اس احتیاط کے باوجود اسیر نے غداری کی۔ اس نے بے خبری میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی تلوار چھیننا چاہی۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہاتھ ایسا مارا کہ اس کی ٹانگ اڑا دی۔ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی تلواریں بے نیام کر لیں اور ہر مسلمان نے اپنے یہودی ردیف کو مار ڈالا۔ صرف ایک یہودی زندہ بچا۔ (البدایہ والنہایہ)

☆۵۔ مدینہ سے لشکر اسلام کی روانگی:

یہودی پہلے سے تیاریاں کر رہے تھے۔ اسیر کے قتل سے انہیں ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ وہ مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے بالکل آمادہ ہو گئے۔ محرم ۷ھ میں آنحضور ﷺ لشکر لے کر عازم خیبر ہوئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد فتح خیبر کی بشارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل چکی تھی۔ یہ شرکائے حدیبیہ جاں نثاری کا ثمرہ تھا اس لئے خیبر کی کامرانی ومنفعت کے حقدار بھی وہی تھے۔ آنحضور ﷺ نے اس مہم کو اصحاب حدیبیہ کیلئے مخصوص کر دیا۔ روانگی کے وقت اسلامی لشکر کی تعداد ۱۵۰۰ پندرہ سو تھی (بعض نے سولہ سو ۱۶۰۰ لکھی ہے) ان میں ۳۰۰ سوار تھے (بعض نے ۲۰۰ سوار لکھے ہیں) (تاریخ طبری، ابوداؤد)

غزوۂ خیبر کے واقعات:

مسلمانوں کا یہ لشکر رسول اکرم ﷺ کی رہنمائی میں اس جوش وخروش سے آگے بڑھ رہا تھا کہ جدھر سے یہ لشکر گزرتا تھا کافروں اور مشرکوں کے دل لرز جاتے تھے۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

۱- خیبر میں یہود کے قلعے:

خیبر میں یہودیوں کے چھ قلعے تھے ان میں بیس ہزار تجربہ کار سپاہی تھے۔ عرب کا مشہور بہادر مرحب بھی یہیں رہتا تھا۔ مسلمانوں کی نقل وحرکت دیکھ کر یہودیوں نے سامان رسد قلعہ ناعم میں جمع کیا تھا اور فوجیں دوسرے قلعوں میں تھیں اس لئے مسلمانوں نے خیبر پہنچ کر سب سے پہلے قلعہ ناعم پر قبضہ کیا لیکن یہاں کوئی بڑی قوت نہ تھی اس لئے آسانی کے ساتھ فتح کر لیا۔ (سیرت ابن ہشام) چھوٹے چھوٹے قلعے بھی آسانی کے ساتھ تسخیر کر لئے۔ سب سے اہم قموص کا قلعہ تھا۔ مرحب اسی میں رہتا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کیلئے خاص اہتمام فرمایا پہلے یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر مامور فرمایا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

۲- حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مرحب کا مقابلہ اور فتح خیبر:

دوسرے دن علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ مرحب رجز پڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی یہودی ہمت ہار گئے اور بیس دن کے محاصرہ کے بعد قموص کا قلعہ فتح ہو گیا۔ اس معرکے میں ترانوے ۹۳ یہودی مقتول اور بیس ۲۰ مسلمان شہید ہوئے۔ (سیرت ابن ہشام)

۳- یہودی زمینوں پر قبضہ:

خیبر فتح ہونے کے بعد مسلمانوں نے زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ یہودیوں نے درخواست کی

کہ زمینیں ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائیں۔ ہم اس کے معاوضہ میں نصف پیداوار دیا کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے منظور فرمالیا۔ جب بٹائی کا وقت آتا تو رسول اکرم ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجتے وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کرکے کہتے کہ جو حصہ چاہو لے لو۔ یہودیوں پر اس کا یہ اثر پڑا کہ وہ کہتے تھے زمین و آسمان ایسے ہی عدل پر قائم ہیں۔

(فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۷)

۴۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ کے نکاح میں:

اس جنگ میں رئیس خیبر حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ قید ہوئی تھیں اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں لیکن لوگوں نے اعتراض کیا کہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ دحیہ کے حصہ میں نہیں جاسکتی۔ رسول اکرم ﷺ کے علاوہ کوئی اس کا اہل نہیں ہے۔ ان کے اعتراض پر آپ ﷺ نے ان کو آزاد کرکے اپنے عقد میں لے لیا۔ (صحیح مسلم)

فتح خیبر کی تکمیل میں قریباً ایک ماہ کا عرصہ لگا۔ غزوۂ خیبر کا ذکر ہے کہ یہود کا ایک حبشی غلام آنحضور ﷺ کے پاس حاضر ہوکر اسلام لایا۔ اس کے ہمراہ بکریوں کا ریوڑ تھا جو وہ چرایا کرتا تھا۔ اس نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ یہ بکریاں میرے پاس مالک کی امانت ہیں ان کو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا انہیں واپس ہانک دو۔ یہ اپنے مالک کے پاس چلی جائیں گے۔ غلام نے تعمیل ارشاد کردی۔ غلام نے جہاد میں حصہ لیا اور شہادت پائی۔ (سیرت ابن ہشام)

۵۔ یہود کا آنحضور ﷺ کو زہر کھلانا:

مرحب کی بھتیجی زینب بنت حارث رضی اللہ عنہا (بعض نے زینب رضی اللہ عنہا کو مرحب کی بھاوج لکھا ہے۔ یہ سلام بن ابی الحقیق کی بیوی تھی) نے آنحضور ﷺ کی ضیافت کی۔ اس نے یہود کی سازش سے بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا۔ آنحضور ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ کھانے پر بیٹھے۔ آپ ﷺ کو جلد ہی علم ہوگیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کھانا چھوڑ دو اس میں زہر ہے۔ آپ کے ساتھ ایک صحابی بشر بن براء بھی تھے وہ بیمار پڑ گئے۔ آنحضور ﷺ نے بلا کر پوچھا تو انہوں نے اعتراف کیا۔ آپ ﷺ نے اس وقت درگزر سے کام لیا لیکن بشر وفات پا گئے تو زینب کو قصاص میں قتل کر ڈالا۔ (البدایہ والنہایہ)

غزوۂ موتہ

(جمادی الاول ۸ھ/ ۶۳۰ء) موتہ کا مقام شام کی ریاست بلقاء کا ایک قصبہ تھا۔ آج کل شرق اردن میں بحیرۂ لوط کے مشرقی ساحل کے قریب واقع ہے۔

☆ غزوۂ موتہ کے اسباب

۱۔ حاکم بصریٰ کا حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شرجیل بن عمرو غسانی حاکم بصریٰ، جو قیصر روم کے ماتحت تھا، کے پاس دعوت اسلام پر مشتمل خط دے کر بھیجا۔ اس نے ان کو شہید کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا سخت صدمہ ہوا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حارث رضی اللہ عنہ کے انتقام کیلئے بھیجا اور ہدایت کی کہ اگر زید رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا جائے۔ شرجیل کے جاسوسوں نے مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر کر دی۔ وہ ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کیلئے آگے بڑھا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کرنا چاہا مگر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے روک دیا کہ ہمارا مقصد فتح نہیں بلکہ شہادت ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

چنانچہ جوش شہادت میں تین ہزار مسلمانوں کا یہ گروہ ایک لاکھ کے مقابلہ میں آیا۔

۲- دنیا کی انوکھی جنگ:

اس تناسب کے باوجود مسلمانوں نے بڑی بہادری سے جنگ لڑی لیکن تین ہزار اور ایک لاکھ کا مقابلہ ہی کیا ہوسکتا ہے؟ چنانچہ پہلے حضرت زید رضی اللہ عنہ لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔ ان کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا۔ انہوں نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا یہ بھی مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی تھی کہ اگر دوران جنگ زید رضی اللہ عنہ شہید ہوں تو جعفر طیار رضی اللہ عنہ امیر لشکر ہوں اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں گے"۔ (صحیح بخاری غزوہ موتہ)

۳- خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بہادری:

سب سے آخر میں حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں علم آیا۔ یہ بڑی بہادری اور خوش تدبیری سے باقی ماندہ فوج کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے سخت قلق ہوا۔ ان کی شہادت کی خبر سن کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ (بخاری و سیرت ابن ہشام)

ادھر جنگ کا فیصلہ ہوا اور ادھر مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور فرمایا "جھنڈے کو (سیف من سیوف اللہ) اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے سنبھالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر فتح دی ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ اسی دن سے "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کہلانے لگے۔

(تاریخ طبری)

قارئین ذی وقار! جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جن جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے وہ غزوات کہلاتی ہیں اور جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت نہ فرمائی ان کو "سریہ" کہتے ہیں جس کی جمع "سرایا" آتی ہے۔ جنگ موتہ کو بھی "سریہ موتہ" کہا جاتا ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں بنفس نفیس شرکت نہیں فرمائی تھی۔

☆غزوۂ موتہ کے اثرات ونتائج

تمام عرب پر رعب ودبدبہ:

موتہ کی فتح نے اہل اسلام کی قوت ایمانی کو ہزار چند بڑھایا۔ مخالفین کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ مدینہ اور شام کے درمیان بڑے بڑے اسلام دشمن قبیلے آباد تھے۔ وہ ہمیشہ مدینہ پر منڈلاتے رہتے تھے۔ اب ان کے دل بیٹھ گئے۔ قریش کی رہی سہی امیدوں کا بھی خون ہو گیا۔ اس واقعہ کے تین ماہ بعد جب آنحضور ﷺ نے مکہ پر فوج کشی کی تو قریش نے گردنیں جھکا دیں جس طرح بدر کی جنگ بے سامانی اور قلت فوج کے عالم میں اغیار کے علاقہ میں ہوئی تھی اسی طرح موتہ کی جنگ بھی پردیس میں ہوئی۔ ان جنگوں سے کوئی ملکی توسیع نہ ہوئی لیکن سیاست واقتدار کی عدیم المثال بازی سر ہوئی جس نے تاریخ کا ایک نیا رخ متعین کردیا۔

جنگِ موتہ جنگِ بدر کی طرح تاریخ کا ایک نیا ممتاز اور درخشاں باب ہے۔

☆فتح مکہ رمضان ۸ھ/جنوری ۶۳۰ء

"قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۔

(سورۃ یوسف ۹۲)

(فرمایا آج کے دن تم پر کوئی ملامت (اور گرفت) نہیں ہے، اللہ تمہیں معاف فرما دے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے)

☆فتح مکہ کے اسباب

۱۔ اللہ کے گھر (کعبہ) کو بتوں سے پاک کرنا:

اب تک جو واقعات پیش آئے درحقیقت وہ اصل مقصد کا دیباچہ تھے۔ آنحضرت ﷺ کا سب سے مقدم فرض خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنا تھا۔ خانہ کعبہ توحید کا سب سے پہلا اور واحد مرکز تھا۔ لیکن قریش کی دشمنی اور قبائل عرب کی عام مخالفت نے اب تک اس کا موقعہ نہ دیا تھا۔

۲۔ صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی:

قریش زیادہ دنوں تک صلح حدیبیہ پر قائم نہ رہ سکے۔ حدیبیہ کی صلح کے مطابق بنی خزاعہ

مسلمانوں کا حلیف ہو گیا تھا اور اس کے حریف بنی بکر قریش کے دوست ہو گئے تھے۔ معاہدہ کی رو سے فریقین میں سے کسی کو دوسرے کے حلیف پر ہاتھ اٹھانے کا حق حاصل نہ تھا۔ بنی بکر کی حمایت میں قریش نے معاہدہ کے خلاف حرم میں بنی خزاعہ کو قتل کر دیا۔ بنی خزاعہ آنحضرت ﷺ کے پاس فریاد لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ خون بہا ادا کریں یا بنی بکر کی حمایت چھوڑ دیں ورنہ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

(تاریخ طبری و طبقات ابن سعد)

۳۔ قریش کا معاہدہ توڑنے کا اعلان:

قریش نے متکبرانہ انداز میں اعلان کر دیا کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ جب قاصد لوٹ گیا تو انہیں اندیشہ ہوا کہ مبادا مسلمان حملہ نہ کر دیں اس لئے انہوں نے فوراً ابوسفیان کو تجدید معاہدہ کے لئے بھیجا۔ آنحضور ﷺ چونکہ قریش کے رویہ سے بہت تنگ تھے اس لئے آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مکہ پر باقاعدہ چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور اپنے حلیف قبائل کو بھی تیار رہنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ احتیاط بھی کی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے۔ (زرقانی، جلد ۲، صفحہ ۳۳۶)

☆ فتح مکہ کے واقعات:۔

۱۔ اسلامی افواج کا مکہ کی طرف کوچ:

جب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو آپ ﷺ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ سے ایک منزل کی مسافت پر ''مرالظہران'' کے مقام پر قیام کیا۔ قریش کو مسلمانوں کی اچانک آمد کا پتہ چلا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔

۲۔ ابوسفیان کی گرفتاری:

ابوسفیان رات کے وقت تحقیق حال کیلئے نکلا۔ لشکر اسلام کے چند سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ مسلمان اس دشمن اسلام کے قتل کے در پے تھے مگر آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سفارش پر اسے معاف کر دیا۔ اس

حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ ابوسفیان فوراً مسلمان ہو گیا۔

۳۔ اہل مکہ کیلئے امان:

آخر ارشاد خداوندی کی تکمیل کا وقت آ گیا۔ وہی محمد ﷺ جو اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ہمراہ رات کی تاریکی میں اپنی جان بچا کر نکلے تھے۔ اس شان سے مکہ میں داخل ہوئے کہ ان کے دس ہزار جان نثار موجود تھے۔ مکہ میں داخل ہوتے وقت آپ ﷺ نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے یا حرم پاک میں پناہ لے گا یا ابوسفیان اور حکیم بن حزام کے گھر پناہ لے گا یا اپنے گھر کے دروازے بند رکھے گا۔ اسے امان دی جائے گی۔

۴۔ لشکر اسلام کا مکہ شہر میں داخل ہونا:

لشکر اسلام گروہوں کی شکل میں شہر کے تمام راستوں سے داخل ہوا۔ سوائے جنوب کے راستے کے اور کہیں مزاحمت نہ ہوئی۔ عکرمہ بن ابوجہل اور اس کے کچھ ساتھیوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دستے کو روکنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں ایک جھڑپ ہوئی۔ تین مسلمان شہید ہوئے اور تیرہ کفار جہنم واصل ہوئے۔

دنیا کی مہذب اور غیر مہذب قوموں کا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ جب بھی فاتح فوج مفتوح علاقے میں داخل ہوتی ہے تو وہاں کی رعایا کی جان و مال ان کے رحم و کرم پر ہوتی ہے اور وہ اسے جس طرح چاہیں تباہ و برباد کر سکتے ہیں لیکن جب اسلامی افواج فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہوئیں تو کسی شہری کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا۔ کسی کافر کا مال نہ لوٹا گیا۔ غیر مسلم مؤرخین آج تک اس حیرت انگیز حسن سلوک اور رواداری پر انگشت بدنداں ہیں۔

۵۔ تطہیر کعبہ:

مکہ میں داخل ہوتے ہی آپ ﷺ نے تطہیر کعبہ کی طرف توجہ دی اور اسے بتوں سے پاک کیا۔ اس وقت خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ بت توڑتے جاتے تھے اور زبان مبارک سے یہ فرماتے جاتے تھے۔

"جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا"۔ (بنی اسرائیل آیت ۸۱)

اس کام سے فارغ ہو کر آپ ﷺ صحن کعبہ میں آئے۔ وہاں بڑے بڑے دشمن اسلام موجود تھے جنہوں نے اسلام کو مٹانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے تھے۔ یہ سب لوگ اپنے انجام سے ڈر رہے تھے

۶۔ آنحضور ﷺ کا خطبہ:

خانہ کعبہ کو شرک کی آلائشوں سے پاک کرنے کے بعد کفار قریش کے روبرو توحید و رسالت پر حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا جس کا خطاب نہ صرف عرب بلکہ عالم اسلام سے تھا آپ ﷺ نے در کعبہ پر کھڑے ہو کر فرمایا:

''ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اس نے اپنے عاجز بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا چھوڑ دیا۔ جان لو کہ تمام گھمنڈ اور مال خون کے دعوے میرے ان قدموں کے نیچے ہیں۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر خدا نے اسے مٹا دیا۔ تمام انسان آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔ لوگ دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو نیک اور پارسا ہیں اور اللہ کی نگاہ میں معزز ہیں دوسرے وہ جو بدکار و بدبخت ہیں اور اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! ہم نے تمہیں نر و مادہ سے پیدا کیا اور پھر تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ تمہیں ایک دوسرے کی پہچان ہو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں معزز وہ ہے جو تقویٰ میں سب سے بڑھ کر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے''۔ (ترمذی شریف)

۷۔ قریش مکہ کے ساتھ حسن سلوک:

خطبہ کے بعد آنحضور ﷺ نے مجمع کی طرف دیکھا تو معززین قریش سامنے تھے۔ ان میں وہ سرکش بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں پیش پیش تھے وہ بھی تھے جن کی تلخ نوائی نے مومنین کے سینے چھلنی کر دیئے تھے جو تبلیغ کے وقت پتھر پھینک پھینک کر آپ ﷺ کو زخمی کر دیا کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جو قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ان کی پیاس خون نبوت کے سوا کسی اور چیز سے نہیں بجھ سکتی۔ وہ بھی تھے جن کی نفرت و عداوت کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ کر ٹکرا

۔ رسول اکرم ﷺ نے ان سب کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟'' یہ سن کر ان جابرو ظالم انسانوں کے دل لرز اٹھے لیکن انتہائی لجاجت سے پکارے۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے''۔

آپ ﷺ نے نظریں اٹھائیں اور ارشاد فرمایا ''آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو''۔

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے اور اسلام کے دشمنوں سے جس عفوو درگزر کا سلوک کیا' تاریخ عالم میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ مہاجرین کی جائیداد پر کفار مکہ نے قبضہ کر لیا تھا۔ اب اسے واپس لینا مسلمانوں کا جائز حق تھا لیکن آنحضرت ﷺ کی ہدایت پر فاتحین مکہ اس سے بھی دستبردار ہو گئے۔ آپ ﷺ کے فیاضانہ سلوک اور رحمدلی سے متاثر ہو کر لوگ جوق در جوق آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے جو لوگ اسلام لانے کیلئے حاضر ہوئے آپ ﷺ نے ان کے تمام قصور معاف کر دیئے جو خوفزدہ ہو کر مکہ سے بھاگ گئے تھے ان کو بھی امان دے کر واپس بلا لیا۔ قریش کے اسلام لانے کے بعد دیگر قبائل بھی جلد ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

۸۔ خانہ کعبہ میں پہلی اذان:

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔ قریش کا فخر و غرور اگرچہ خاک میں مل چکا تھا مگر اب بھی جاہلیت کی عصبیت باقی تھی۔ چنانچہ اذان کی آواز سن کر ان کی غیرت مشتعل ہو گئی اور عتاب بن اسید کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ ''خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کو سننے کیلئے زندہ نہ رہا''۔

تاہم ان کیلئے دامن رحمت کے علاوہ اور کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی تھی۔ آنحضرت ﷺ کوہ صفا کے ایک بلند مقام پر تشریف فرما تھے۔ کفار جوق در جوق آ کر بیعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے۔ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں پندرہ دن قیام کرنے کے بعد معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نو مسلموں کی تعلیم کیلئے چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے۔ (بخاری)

☆فتح مکہ کی اہمیت ونتائج:

فتح مکہ دراصل عرب کا شاندار انقلاب GLORIOUS REVOLUTION) تھا۔اس میں صرف تین مسلمان شہید (بعض نے دولکھا ہے) اور تیرہ کفار مارے گئے لیکن اس فتح کے نتائج دوررس تھے۔

۱-عرب کے اہم مرکز پر مسلمانوں کا قبضہ:

عرب کا مذہبی مرکز مسلمانوں کی تحویل میں آ گیا۔مشرکوں کیلئے کوئی جائے پناہ نہ رہی اور تھوڑی مدت میں شرک کوخیر باد کہہ دینا پڑا۔

۲-کعبۃ اللہ کا بتوں سے پاک ہونا:

فتح مکہ کا اہم ترین نتیجہ خدا کے گھر کا بتوں سے پاک ہونا تھا۔اگر چہ بت اکثر قدیم انبیاء علیہم السلام اور بزرگوں کے تھے لیکن چونکہ اسلام کسی بت یا تصویر کی تعظیم کی اجازت نہیں دیتا اس لئے خانہ خدا سے شرک کا خاتمہ ضروری تھا۔

۳-مشرکین کا اسلام قبول کرنا:

مشرکین کے دینی سربراہ اسلام لے آئے' اب اسلام کیلئے کوئی رکاوٹ نہ رہی۔

۴-اسلام کی بڑی کامیابی:

مکہ ایک مدت سے اہل عرب کا تجارتی' سیاسی اور مذہبی مرکز چلا آ رہا تھا' اس پر مسلمانوں کا قبضہ اسلام کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

۵-اسلام کی صداقت کا ظاہر ہونا:

اصحاب فیل کے حملہ کی عبرت انگیز ناکامی کا واقعہ ابھی اہل عرب کے ذہنوں میں تازہ تھا۔انہوں نے خیال کیا کہ حضرت محمد ﷺ کی کامیابی کا یہی راز ہے کہ آپ ﷺ حق پر ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مکہ پر قابض نہ ہونے دیتا۔ان پر اسلام کی صداقت روشن ہوگئی اور خود بخود دین اسلام میں داخل ہونے لگے۔(تفسیر خازن)

آنحضرت ﷺ کے متعلق قبائل کہا کرتے تھے کہ:

"اسے ﷺ اپنی قوم سے نبٹ لینے دو' اگر وہ ﷺ اپنی قوم پر غالب آ گیا تو ضرور سچا نبی ہے"۔ (صحیح بخاری)

فتح مکہ اور قرآن حکیم کا تبصرہ:

"بے شک اللہ نے رسول کو حقیقت کے مطابق سچا (صحیح) خواب دکھایا کہ انشاء اللہ تم مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں امن وامان سے داخل ہو گے (اور تم میں کچھ سر منڈوائے ہوں گے اور (کچھ) بال کتروائے ہوں گے اور پھر احرام کھولیں گے) تم کو کسی بات کا خوف نہ ہوگا۔ پھر وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) جانتا ہے جو تم نہیں جانتے پھر اس نے فتح مکہ سے قبل ہی ایک فوری فتح دے دی (اور یہ فتح، فتح خیبر تھی)"۔ (سورۃ الفتح' آیت ۲۷)

☆عفو عام اور فتح مکہ:

عفو عام سے نو یا دس اشخاص مستثنیٰ تھے۔ جن کی نسبت حکم دیا گیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ اس حکم کی وجہ سرور کائنات ﷺ کا ذاتی انتقام نہ تھا بلکہ اور مختلف جرم تھے۔ ان میں سے صرف تین یعنی ابن خطل، مقیس بن ضبابہ اور ابن خطل کی کنیز قریبہ قتل ہوئے۔ ابن خطل اور مقیس قصاص میں قتل کیے گئے۔ قریبہ اسلام کی ہجو گایا کرتی تھی۔ باقی سب کو امن دیا گیا اور ایمان لائے۔ ایک مستشرق عیسائی مصنف سر ولیم میور (Sir William Muir) ان دس اشخاص کی تفصیل دے کر یوں لکھتا ہے: "اس طرح عفو کے مقابلہ میں حکم قتل کی صورتیں کالعدم تھیں اور سزائے موت جہاں فی الواقع عمل میں آئی (شاید باستثنائے مغنیہ) محض پولیٹیکل مخالفت کے سوا اور جرموں کی وجہ سے غالباً روا تھی۔ جس عالی حوصلگی سے (حضرت محمد ﷺ نے اس قوم سے سلوک کیا جس نے اتنی دیر آپ ﷺ سے دشمنی رکھی اور آپ ﷺ کا انکار کیا۔ وہ ہر طرح کی تحسین و آفرین کے قابل ہے۔ حقیقت میں گزشتہ کی معافی اور گستاخیوں اور اذیتوں کی فراموشی آپ ﷺ ہی کے فائدے کیلئے تھی مگر تاہم اس کیلئے ایک فراخ وفیاض دل کی کچھ کم ضرورت نہ تھی"۔ (لائف آف محمد Life of Muhammad)

☆ سٹینلے لین پول (Stanley Lane Poole) لکھتا ہے: ''محمد ﷺ کی اپنے دشمنوں پر عظیم ترین نصرت وظفریابی کا دن ان کیلئے اپنے آپ پر سب سے زیادہ عظیم الشان فتح حاصل کرنے کا دن تھا۔ انہوں نے قریش کے سالہا سال کے تمام مصائب و آلام اور ظالمانہ تضحیک آمیز سلوک کو معاف کر دیا جس کا انہیں نشانہ بنایا گیا تھا۔ انہوں نے مکہ کی تمام آبادی کیلئے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ جب وہ اپنے بدترین دشمنوں کے شہر میں بطور فاتح داخل ہوئے تو محمد ﷺ نے صرف ان چار مجرموں کو گردن زدنی قرار دیا جو انصاف کی رو سے مستوجب سزا پائے گئے۔ ان کی فوج نے اس مثال کی تقلید کی اور وہ خاموش اور امن و آشتی کے ساتھ وارد شہر ہوئی۔ کوئی مکان لوٹا گیا نہ کسی عورت کی بے حرمتی کی گئی۔ صرف اور صرف ایک ہی چیز تباہی کی زد میں آئی۔ کعبے کے اندر داخل ہو کر محمد ﷺ تین سو ساٹھ بتوں میں سے ہر ایک کے آگے کھڑے ہو جاتے اور اپنے عصا سے اس کی طرف یہ کہتے ہوئے اشارہ کرتے ''حق آ گیا ہے اور باطل بھاگ گیا ہے''۔ ان الفاظ کو سن کر ان کے خدام بتوں کو کلہاڑی کی ضرب سے نیچے گرا دیتے۔ اس طرح تمام بت اور مکہ کے گھروں میں رکھے ہوئے (خود ساختہ) خدا نیست و نابود کر دیئے گئے''۔ دوسری جگہ یوں رقمطراز ہے: ''محمد ﷺ اس انداز سے اپنے آبائی شہر میں دوبارہ داخل ہوئے۔ فتح کی تمام داستانوں میں اس سے زیادہ فاتحانہ شان سے داخلے کی مثال اور کہیں ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی''۔

(The Speeches and Table Talk of the Prophet Muhammad)

(پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقاریر اور مجلسی باتیں)

☆ عیسائی مصنف آرتھر گل مین (Arthur GilMan) رقمطراز ہے:

''موازنہ کرنے سے صلیبی جنگ بازوں کی وہ مثال سامنے آتی ہے جس میں انہوں نے ۱۰۹۹ء میں ستر ہزار مسلمانوں، مردوں، عورتوں اور بے یار و مددگار بچوں کو یروشلم پر قبضہ کرنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا تھا یا صلیب کے زیر سایہ لڑی ہوئی انگریز فوج کی مثال جس نے ۱۸۷۴ء کے خدائی انعام کے سال میں ایک افریقی دارالحکومت کو گولڈ کوسٹ کے معرکے میں نذر آتش کر دیا تھا۔ (اس کے مقابلے میں) محمد ﷺ کی فتح، حق گوئی سے کام لیا جائے۔

مذہب کی فتح تھی نہ کہ سیاست کی۔ انہوں نے اپنی ذات کیلئے تفاخر کے اظہار کو رد کر دیا اور شاہی جاہ وجلال کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور جب قریش کے متکبر اور مغرور سرداران کے سامنے حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا:

''تم مجھ سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟'' رحمدلی کی' اے فیاض ومہربان بھائی'' وہ کہنے لگے۔ آپ ﷺ اس پر بے ساختہ پکار اٹھے ''ایسا ہی ہوگا' جاؤ تم سب آزاد ہو''۔

(The Saracens بحوالہ سیرۃ الرسول ﷺ جلد ہفتم')

غزوۂ حنین شوال ۸ھ/۶۳۰ء

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ.................. ولیتم مدبرین ۔ (التوبۃ ۲۵)

''اللہ بہت سے میدانوں (جنگوں) میں تمہاری مدد کر چکا ہے اور (خاص کر) حنین (کی لڑائی) کے دن جب کہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا پھر وہ (کثرت) تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود وسعت کے تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے''۔ (سورۃ التوبۃ' آیت ۲۵)

سپہ سالار اسلام: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قافلہ سالار کفار: مالک بن عوف نصری

تعداد مجاہدین: ۱۲۰۰۰ (بارہ ہزار)

دشمن: بنو ہوازن اور بنو ثقیف

نتیجہ: دشمن کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے ۷۰ آدمی مارے گئے اور ۶۰۰۰ (چھ ہزار) قیدی ہوئے۔ اہل اسلام کے چار جوانوں نے جام شہادت نوش کیا۔

غزوۂ حنین کے اسباب:

فتح مکہ کے بعد اگرچہ قبائل عرب نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تھا لیکن ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں نے جو جنگجو' خودسر اور طاقت ور تھے' فاتحین اسلام سے زور آزمائی کی ٹھان لی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر ہم مسلمانوں کو شکست دے دیں تو اہل مکہ کے جس قدر باغات اور جاگیریں طائف میں ہیں وہ بلادغدغہ (بلاخوف) ان کی ہو جائیں گی۔

(فتوح البلدان۔ بلاذری' صفحہ ۶۳)

(قارئین باتمکین! بنوثقیف وہی سنگ دل قبیلہ تھا کہ جب سرور کائنات ﷺ دعوت اسلام دینے کیلئے ان کے ہاں (طائف) تشریف لے گئے تو ان کے سرداروں نے آپ ﷺ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔ آپ ﷺ پر پتھر برسائے حتیٰ کہ آپ ﷺ لہولہان ہو گئے)۔

ہوازن مکہ اور طائف کے درمیان سکونت پذیر تھے۔ ان دونوں قبیلوں نے اپنے ساتھ بنونصر اور بنو ہلال کو ملا کر مکہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور اس غرض سے حنین کے مقام پر جمع ہو گئے۔ مکہ اور طائف کے درمیان حنین ایک وادی ہے اس میں کثرت سے گھاٹیاں اور دشوار گزار درّے ہیں۔ (اکثر مورخین نے طائف اور مکہ کے درمیان حنین کی نشاندہی کی ہے لیکن ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ مقام مکہ سے ۳۰، ۴۰ میل کے فاصلے پر تھا)۔

دشمن کی چار ہزار فوج نے یہیں پڑاؤ ڈالا۔ جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ عورتوں اور بچوں کو بھی ہمراہ لائے کہ ان کی وجہ سے بھاگ نہ سکیں۔ (کامل ابن اثیر)

آنحضرت ﷺ کو ان کی تیاریوں کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو تحقیق احوال کیلئے بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر ہوازن اور ثقیف قبائل کے جنگی عزائم کی تصدیق کی۔

اس لئے ۶ شوال ۸ھ کو آنحضور ﷺ ۱۲ ہزار کا لشکر لے کر دشمن سے مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے، اس میں دس ہزار وہ مجاہدین اسلام تھے جو حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے آئے تھے اور جنہوں نے بغیر کسی قابل ذکر مزاحمت کے فتح مکہ کا کارنامہ سرانجام دیا تھا، ۲ ہزار اہل مکہ تھے جن میں اکثریت نومسلموں کی تھی، چند ایک غیر مسلم بھی لشکر کے ساتھ ہو لئے۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۲، صفحہ ۱۵۰) یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں دشمن کے مقابلہ نکلے تھے۔ چنانچہ بعضوں کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ "آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے؟" (طبری اور ابن ہشام)

☆ غزوۂ حنین کے واقعات

حنین پہنچ کر فریقین میں مقابلہ ہوا۔ پہلے حملہ میں مشرکین پسپا ہوئے مگر ابھی پوری طرح ان کو شکست نہ ہوئی تھی کہ مسلمان مالِ غنیمت پر متوجہ ہو گئے۔ مشرکین کو موقع مل گیا۔ انہوں نے عین موقع پر دھوکہ دیا۔ اس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ اس طرح منتشر ہوئے

کہ آنحضرت ﷺ کے پاس صرف چند جاں نثار باقی رہ گئے لیکن آنحضرت ﷺ اپنی جگہ قائم رہے۔ آپ ﷺ نے انصار کو آواز دی۔ سب نے جواب دیا "ہم حاضر ہیں"۔ اس حالت میں آپ ﷺ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا:

"میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا پیغمبر ہوں"۔ (بخاری و تاریخ طبری)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حکم سے مہاجرین و انصار کو پکارا۔ ان کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹ پڑے اور اس جانبازی کے ساتھ لڑے کہ دیکھتے ہی دیکھتے لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ کفار ان کے بے پناہ حملوں کی تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بہت سے زندہ گرفتار کر لئے اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ قریباً ستر مارے گئے۔ اس کے مقابلہ میں صرف چار مسلمان شہید ہوئے۔

☆ غزوۂ حنین اور قرآنی آیات:

سورۃ التوبہ۔ آیات ۲۵ تا ۲۷

غزوۂ حنین سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مادی اسباب کو ثانوی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اصل چیز اپنے نصب العین کی سچائی پر وہ غیر متزلزل اور غیر مشروط یقین ہوتا ہے جس کے بغیر کار زار زندگی کا کوئی معرکہ بھی سر نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ باطل استحصالی طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں للکارا جا سکتا ہے۔ غزوۂ حنین کے تفصیلی مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دانشمندی اور دور اندیشی کس چیز کا نام ہے۔ ہر مقصد بزور بازو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ بہترین منصوبہ بندی اور حقیقت پسندانہ حکمت عملی اپنا کر ہم وہ مقاصد حاصل کر سکتے ہیں جو تلوار اٹھانے سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ کردار کی خوشبو دلوں کو مسخر کرتی ہے اور اصل حکمرانی جسموں پر نہیں دلوں پر ہوتی اور قیامت تک کیلئے ہوتی ہے۔ لوگوں کو اپنی عسکری، سیاسی اور اقتصادی طاقت کے بل بوتے پر اپنا غلام تو بنایا جا سکتا ہے، انہیں محکومی کی زندگی گزارنے پر مجبور تو کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے دلوں پر بے تاج بادشاہ بن کر حکمرانی نہیں کی جا سکتی۔

☆ غزوۂ اوطاس:

غزوۂ حنین میں جو کافر بھاگ گئے تھے وہ تین حصوں میں بٹ گئے۔ بنو ثقیف اور بنو ہوازن

طائف میں پناہ گزیں ہوئے۔ ان میں سے کچھ لوگ اوطاس نامی مقام پر جمع ہو گئے۔ ایک گروہ نخلہ کی طرف بھاگا۔ اوطاس کی جانب آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ نے بہادری کے جوہر دکھائے متعدد دشمنوں کو ہلاک کیا۔ آخر ایک تیر لگنے سے شہادت پائی۔ ان کی جگہ ان کے چچیرے بھائی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کمان سنبھالی اور وہ فتح یاب ہو کر لوٹے۔ اوطاس کے قیدیوں میں آنحضرت ﷺ کی رضاعی بہن شیما بنت الحارث (آنحضور ﷺ کی دایہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی) بھی تھیں۔ جب وہ گرفتار ہوئیں تو انہوں نے کہا: میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔ لوگ تصدیق کیلئے آپ ﷺ کے پاس لائے۔ انہوں نے بہن ہونے کی علامت یہ ظاہر کی کہ بچپن میں جس وقت آپ ﷺ کو گود میں لئے کندھے سے لگائے تھی تو آپ ﷺ نے میری کمر میں کاٹ کھایا تھا جس کا نشان اب تک موجود ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھادی اور لطف و کرم کی باتیں کرنے کے بعد فرمایا کہ: ”تم چاہو تو میرے پاس رہو اور اگر گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ شیما نے گھر جانا پسند کیا تو آپ ﷺ نے تین غلام ایک کنیز (باندی) اور چند بکریاں دے کر نہایت عزت واحترام کے ساتھ بھجوادیا۔

(طبقات ابن سعد و طبری جلد دوم صفحہ ۱۶۶۸ تاریخ اسلام از مولانا محمد عاشق میرٹھی، صفحہ ۳۳)

کچھ ان کے خلق نے کر لی کچھ ان کے پیار نے کر لی
مسخر اس طرح دنیا شاہِ ابرار ﷺ نے کر لی

محاصرۂ طائف (شوال ۸ھ):

سپہ سالار اسلام: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

دشمن: بنوہوازن اور بنوثقیف کے مفرورین

نتیجہ: نصف ماہ سے زیادہ مسلمانوں نے دشمن کا محاصرہ کئے رکھا۔ پھر حکم خداوندی کے تحت بعض حکمتوں کے پیش نظر محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ قلعہ کے اندر سے دشمن کی تیر اندازی اور سنگباری سے ۱۲ مسلمان شہید ہوئے۔

طائف کے باشندے بنوثقیف تھے جو ثمود کی اولاد میں سے تھے۔ حنین کے میدان سے

بنوثقیف کی شکست خوردہ فوج طائف کی فصیل میں پناہ گزیں ہو کر بیٹھ گئی۔ بنوثقیف اپنی شجاعت و بہادری کے لحاظ سے عرب بھر میں ممتاز تھے۔ یہ سامان رسد اور مقابلہ کیلئے ضروری سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو گئے تھے۔ یہاں وہ اپنے آپ کو نسبتاً محفوظ خیال کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۸)

آنحضرت ﷺ نے حنین سے فراغت کے بعد مال غنیمت جعرانہ کے مقام پر پہنچا دیا اور خود طائف تشریف لے گئے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ بیس دن جاری رہا۔ آپ ﷺ نے دین کی مصلحت اور اہل طائف کی فلاح کو ملحوظ رکھ کر محاصرہ اٹھا لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ بنوثقیف کیلئے بددعا کیجئے مگر آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: ''یا اللہ! ثقیف کو ہدایت فرما اور ان کو میرے پاس آنے کی توفیق دے''۔ (تاریخ طبری)

قریش نے صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کو ایک فریق کی حیثیت سے تسلیم کر لیا تھا۔ غزوہ حنین اور طائف کے بعد مسلمانوں کے سیاسی وجود کو ان لوگوں نے بھی تسلیم کر لیا جو ابھی تک پتھر کے تراشے ہوئے جھوٹے خداؤں کی غیبی امداد کے منتظر تھے۔ روایات میں ہے کہ فتح مکہ کے وقت جب ہند بنت عتبہ نے اسلام قبول کیا تو اس نے گھر جا کر اپنے بت کو اپنے ہاتھ سے توڑ دیا تھا۔ اسلام کی حقانیت دلوں میں گھر کرنے لگی۔ ہوازن کے قیدیوں سے فیاضانہ سلوک سے خوشگوار اثرات مرتب ہوئے۔ نفرت کی دیواریں گرنے لگیں، تعصب کی ہر شکل مٹتی چلی گئی اس کی جگہ اسلامی اخوت نے لے لی۔ کچھ عرصہ بعد اہل ثقیف کا ایک وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر کے اہل وفد اس عظیم برادری کا حصہ بن گئے جس نے مستقبل قریب میں چار دانگ عالم میں اسلام کی عظمت کے ڈنکے بجانے تھے۔

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

☆ مالِ غنیمت کی تقسیم:

حنین اور اوطاس کے معرکوں میں چھ ہزار مرد، عورتیں اور بچے گرفتار ہوئے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی ہاتھ آئی۔ یہ غنیمت محفوظ رہی۔

سرور کائنات ﷺ نے محاصرہ طائف سے واپس تشریف لانے کے بعد دس روز تک اس کی تقسیم ملتوی رکھی اور اس انتظار میں رہے کہ ہوازن کے لوگ شاید واپس آ کر اپنے مال کیلئے درخواست کریں گے لیکن ہوازن کا کوئی وفد نہ آیا۔ آپ ﷺ نے شرعی اصول کے مطابق مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور تالیف قلب کے خیال سے اس کا زیادہ حصہ مکہ کے نو مسلموں کو دیا۔ اس سے بعض انصاریوں کو شکایت پیدا ہوگئی اور انہوں نے کہا: ''قریش کو مال غنیمت ملتا ہے اور ہم جن کی تلواروں سے قریش کا خون ٹپکتا ہے محروم رکھے جاتے ہیں''۔

(بخاری)

(عام تقسیم کی رو سے فوج کے ہر فرد کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں ملیں اور سواروں کو تین گنا یعنی بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں۔ (طبقات ابن سعد)

آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے انصار کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے سر برآوردہ لوگوں میں سے کسی نے نہیں کہا ہاں نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے آپ ﷺ نے ان کا ملال دور کرنے کیلئے یہ خطبہ دیا:

آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا یہ سچ نہیں کہ تم گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعے سے تمہیں ہدایت کی توفیق بخشی۔ تم منتشر اور پراگندہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند بنایا۔ انصار آپ ﷺ کے ہر فقرہ پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اور رسول ﷺ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں'' تم یہ جواب دو محمد ﷺ جس وقت لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا' اس وقت ہم نے تمہاری تصدیق کی۔ جب لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا اس وقت ہم نے آپ کو پناہ دی تو اپنے یہاں سے مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح آپ ﷺ کی مدد کی تم یہ کہتے جاؤ میں جواب دیتا جاؤں گا کہ ہاں! تم سچ کہتے ہو' لیکن کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمد ﷺ کو لے کر اپنے گھر جاؤ''۔

یہ سحر آفریں خطبہ سن کر انصار چیخ اٹھے کہ ہمیں صرف محمد ﷺ مطلوب ہیں۔ اکثر کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ

کے لوگ جدید الاسلام ہیں ان کو میں نے جو کچھ دیا ہے وہ کسی حق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف تالیف قلب کیلئے دیا ہے''۔ (بخاری و فتح الباری)

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو
خوف باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو

☆ ستون سے آواز:

محاصرہ طائف کے دوران جس جگہ آپ ﷺ نماز کی امامت فرمایا کرتے تھے۔ اس مقام پر ابوامیہ بن عمرو بن وہب نے مسجد تعمیر کروائی۔ اس مسجد میں ایک ایسا ستون بھی تھا جب اس پر سورج کی روشنی پڑتی تھی تو اس سے آواز آیا کرتی تھی۔ (تاریخ طبری، جلد سوم، صفحہ ۱۳۲)

عمرۃ الجعرانہ اور مراجعت مدینہ:

آنحضرت ﷺ جعرانہ سے بقصد عمرہ احرام باندھ کر مکہ روانہ ہوئے اور چھ ذیقعدہ ۸ھ کو عمرہ ادا کیا۔ پھر آپ ﷺ نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا عامل مقرر کیا اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو معلم دین کی حیثیت سے مکہ میں چھوڑا تا کہ وہ لوگوں کو دین اسلام سکھائیں اور قرآن کی تعلیم دیں اور آنحضرت ﷺ خود مہاجرین وانصار کی معیت میں مراجعت فرمائے مدینہ روانہ ہوئے اور ۲۴ ذیقعدہ ۸ھ/ ۱۵ مارچ ۶۳۰ء کو مدینہ پہنچے۔

باقی ہے ان ﷺ کے دم سے ہی دنیا میں روشنی
جاری رہے گا حشر تک فیضان مصطفیٰ ﷺ

۸ ہجری کے دیگر واقعات

۱۔ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی ولادت:

اسی سال حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ علیہما السلام سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے متولد ہوئے اور ان کا اسم گرامی ابراہیم رضی اللہ عنہ رکھا۔ ان کی ولادت ۸ھ اور ان کی وفات ۱۰ھ میں ہوئی۔

۲۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول ﷺ کی وفات:

اسی سال سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ ابوالعاص بن الربیع نے

وفات پائی۔ان سے دو اولادتھیں۔ایک کا نام علی تھا جو بلوغ کے قریب پہنچے تھے۔مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے ان کو فتح مکہ کے دن اپنا ردیف بنایا تھا۔دوسری اولاد لڑکی تھی جس کا نام امامہ تھا اور بعد وفات سیدۃ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ان کی وصیت کے بموجب امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح فرمایا۔(مدارج النبوت اردو' جلد ۲' صفحہ ۵۴۳)

۳۔ نجاشی شاہ حبشہ نے وفات پائی اور سرور کائنات ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

۴۔ کئی بت کدے مسمار کر دیئے گئے۔مکہ اور طائف کے درمیان عزیٰ دیوی کا بت تھا' اسے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے منہدم کیا۔

۵۔ مدینہ کے آس پاس مختصر مہمات بھیجی گئیں۔مثلاً حضرت عمرو بن العاص سرحد شام کی طرف اپنے ننھیالی قبیلہ بنو بلی میں اشاعت اسلام کیلئے گئے۔چشمہ ذات السلاسل کے قریب پہنچے تو مدد طلب کی۔حضرت ابو عبیدہ کے تحت ایک لشکر بھیجا گیا۔حضرت عمرو بن العاص نے کئی قبیلوں کی گوشمالی کی۔حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے قبیلہ جہینہ پر لشکر کشی کی اور شکست دی۔یہ دونوں مہمیں فتح مکہ سے قبل بھیجی گئی تھیں۔

☆غزوۂ تبوک (رجب ۹ھ/۶۳۱ء)

رجب ۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔تبوک عرب اور شام کا ایک سرحدی مقام تھا جو مدینہ منورہ سے ۱۴ منزل کی مسافت پر تھا اور رومی حکومت کے زیر اثر تھا۔

سپہ سالار اسلام: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

تعداد مجاہدین: ۳۰ ہزار

دشمن: رومی افواج

نتیجہ: مسلمانوں کی قوت اور شجاعت سے مرعوب ہو کر دشمن مقابلے پر نہ آیا۔اس طرح مسلمانوں کو نفسیاتی محاذ پر بہت بڑی فتح نصیب ہوئی۔

روم اور عرب کے سرحدی علاقے پر رومی حکومت کی جانب سے عرب سردار حکومت کرتے تھے۔شرجیل بن عمرو غسانی والی بصریٰ بھی انہی سرداروں میں سے ایک تھا۔جنگ موتہ

کے بعد ہی سے رومیوں نے عرب پر حملہ کا ارادہ کر لیا تھا۔ شام کے غسانی خاندان کو جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھا اور رومی حکومت کے ماتحت تھا' اس مہم پر مامور کیا تھا۔ اس وقت سے عرب پر ان کے حملہ کی افواہیں برابر پھیلتی رہتی تھیں۔ اسی زمانہ میں شام کے تاجروں نے مدینہ آ کر اطلاع دی کہ شام میں رومیوں نے بہت بڑی فوج جمع کی ہے۔ یہ افواہیں بھی پھیل گئیں کہ عیسائی عربوں کی درخواست پر قیصر روم نے چالیس ہزار فوج بھیج دی ہے۔

۱۔ مسلمانوں کی دفاعی تیاری:

اس وقت شدید گرمی کا موسم تھا۔ قحط کا زمانہ تھا اور چلچلاتی دھوپ۔ مسافرت کا خیال ہی ہمت توڑے دیتا تھا۔ بڑی مشکل سے مہم مرتب ہوئی۔ اسے قرآن حکیم نے ساعت عسرت (مشکل کی گھڑی) کہا ہے۔

منافقین نے اہل اسلام کو سفر کی صعوبت سے ڈرا کر جہاز سے باز رکھنا چاہا۔ وہ سویلم نامی یہودی کے گھر جمع ہو کر مسلمانوں کو بددل کرنے کی کوشش کرتے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی سازش کا علم ہوا تو یہ گھر ہی جلوا دیا۔ (ابن اثیر)

۲۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان ایثار:

آنحضرت ﷺ نے ایک خطبے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مہم کی تیاری کیلئے مالی امداد کی سفارش کی چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑے ایثار کا مظاہرہ کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ وہ اس دفعہ ضرور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا آدھا مال حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا کُل اثاثہ اٹھا لائے۔ آنحضرت ﷺ نے جب پوچھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ! بال بچوں کیلئے کیا چھوڑا؟ اس پیکر صدق نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ۔ (طبری) حضور سرور کائنات ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس بے پناہ اور مثالی ایثار پر بہت خوش ہوئے اور اسے خدا کی خوشنودی کا سبب قرار دیا۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

پروانے کو چراغ ہے' بلبل کو پھول بس'
صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے ہے خدا کا رسول بس'

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجموعی طور پر نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے پیش کئے' دس ہزار اشرفیاں اس کے علاوہ تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اشرفیوں کو الٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: ''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جو بھی کریں' انہیں ضرر نہ ہوگا''۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی دل کھول کر مالی امداد کی۔

لشکر اسلام کی روانگی:

چونکہ رومیوں کی جانب سے حملہ کا خطرہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رجب ۹ ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ چھوڑ کر تیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ جس میں دس ہزار سوار تھے' شام روانہ ہوئے۔ تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ حملہ کی افواہیں غلط تھیں۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن تک تبوک میں قیام فرمایا۔ ایلہ کے سردار یوحنا نے حاضر ہو کر جزیہ دینا قبول کیا اور ایک خچر ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔

''دومۃ الجندل'' کا حاکم قیصر روم کے ماتحت تھا۔ اس کی جانب سے خطرہ تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو چار سو آدمیوں کے ساتھ ''دومۃ الجندل'' بھیجا۔ خالد بن ولید نے اسے گرفتار کر لیا۔ وہ مصالحت پر آمادہ ہو گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر شرائط صلح نامہ پیش کرے۔ بیس دن تک تبوک کے قیام کے بعد آس پاس کے حکمرانوں کو مطیع بنا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے۔ دومۃ الجندل کا والی مدینہ حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان نامہ عطا کر کے واپس فرما دیا۔

(طبقات ابن سعد۔ طبری)

غزوۂ تبوک کے نتائج و اثرات:

۱۔ بحیرہ قلزم کی ایک نہایت ہی مفید بندرگاہ ایلہ (عقبہ) اسلام کے زیر اثر آ گئی۔

۲۔ اسلامی حکومت کا اثر و اقتدار بیرون عرب بھی پہنچ گیا۔ اسلامی شوکت کی دھاک بندھ گئی۔ اس کے بعد عرب کا کوئی قبیلہ مقابلہ کو نہ اٹھا۔

۳۔ مفتوحین شام کے غیر مسلم ہونے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ عدیم المثال عدل و شفقت کا سلوک کیا۔ کسی کو اسلام پر مجبور نہ کیا۔ جزیہ کی شرح نہایت معمولی تھی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حضور ﷺ کے مدینہ واپس آنے کے بعد شام میں آپ ﷺ کی تعریف کے چرچے ہونے لگے۔ گویا اسلام کی اشاعت کے لئے ایک نیا باب کھل گیا۔

۴۔ منافقین کا سد باب:

جنگ تبوک کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ منافقین بے نقاب ہو گئے۔ منافقین نے مسلمانوں کو ورغلانے کیلئے جو مسجد بنائی تھی (مسجد ضرار) اس کے افتتاح کیلئے آنحضرت ﷺ کو بھی آمادہ کر رہے تھے۔ غزوۂ تبوک کے دنوں میں زبردست سازشی مرکز بن گئی چنانچہ مہم سے واپسی پر آپ ﷺ نے اسے منہدم کروا دیا۔ جس کی بنیاد اسلام کی ضرر رسانی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی گھات و تدبیر پر رکھی گئی تھی۔

۵۔ تربیتی اہمیت:

اس غزوہ سے مسلمانوں میں تنگی و عسرت کی حالت میں خدا کی راہ میں جہاد کی تربیت ملی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا۔ ''نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور اپنے اموال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو''۔ (سورۃ التوبۃ۔۴۱)

۶۔ فتح شام کا پیش خیمہ:

غزوۂ تبوک کے نتیجہ کے طور پر سرحد شام پر جنگ کا خطرہ وقتی طور پر ٹل گیا لیکن یہ کشیدگی بعد میں شام و مصر کی فتح کا موجب بنی۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زور حیدرؓ فقر بوذرؓ صدق سلمانیؓ

یہ جنگ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی آخری جنگ تھی۔

☆ اسلامی لشکر اور دیار ثمود:

دیار ثمود اسلامی لشکر کی راہ میں پڑتا تھا۔ جب لشکر اس علاقے سے گزر رہا تھا۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی دیار ثمود کے کسی کنویں کا پانی نہ پیے سوائے اس کنویں کے

جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی نے پانی پیا تھا اور فرمایا کہ اونٹ مضبوطی سے باندھے جائیں کوئی اکیلا نہ نکلے کیونکہ تیز آندھی آنے والی ہے چنانچہ ایک طوفان آیا۔ آندھی ایک شخص کو اڑا کر لے گئی اور اسے طے کے علاقے میں پھینک دیا۔ ایک آدمی کو گلا گھٹنے کا عارضہ ہو گیا جس کیلئے آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور وہ ٹھیک ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ لوگ جب رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ ثمود قوم کی جگہ یعنی مقام حجر میں اترے تو وہاں کے کنویں سے لوگوں نے پانی بھر لیا اور اس سے آٹا بھی گوندھا اس پر رسول اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ اس کنویں سے جو پانی بھرا ہے وہ بہا دو اور جو اس سے آٹا گوندھا ہے وہ اونٹوں کو کھلا دو اور آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کنویں سے پانی بھرو جس سے (حضرت صالح علیہ السلام کی) اونٹنی نے پانی پیا۔ (صحیح البخاری ۱: ۴۷۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ظالموں کی رہائشگاہوں میں داخل نہ ہونا مگر روتے روتے کہیں ایسا نہ ہو کہ جو عذاب ان پر آیا تھا وہ تمہارے اوپر بھی آجائے"۔ (صحیح البخاری ۱: ۴۷۹)

☆ ابر کرم کے چھینٹے:

اسلامی لشکر کو تقریباً ایک ہزار کلومیٹر کا سفر طے کر کے تبوک پہنچنا تھا۔ اہل عرب اس سال ویسے ہی قحط سالی کا سامنا کر رہے تھے۔ سامان سفر کی بھی کمی تھی اور سامان خورد و نوش بھی مطلوبہ مقدار میں مسلمانوں کے پاس موجود نہ تھا۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ ریگستانی سفر میں ویسے بھی پانی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پانی کی شدید کمی ہے۔ لوگ اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے معدوں سے پانی حاصل کر رہے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے دعا فرمائیے۔ دست اقدس بارگاہ خداوندی میں اٹھ گئے۔ ابن ابی حدرد فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے دست مبارک دعا کیلئے اٹھائے تو مطلع صاف تھا کہ یک بادل نمودار ہوئے۔ بارش ہوئی اور فوراً مطلع صاف ہو گیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۵: ۲۳۱ بحوالہ سیرت الرسول ﷺ جلد ۸ صفحہ ۴۳۷)

☆حضور ﷺ کی ناقہ گم ہوگئی:

اگرچہ عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ راستے ہی سے پلٹ گیا تھا لیکن ابھی تک بہت سے منافقین اسلامی لشکر میں شامل تھے۔ راستے میں ایک مقام پر حضور ﷺ کی اونٹنی ''قصویٰ'' گم ہوگئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی تلاش میں نکلے، منافقین نے پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ محمد ﷺ یوں تو تمہیں آسمانی خبریں دیتے ہیں لیکن انہیں زمین پر یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ یہ بات حضور ﷺ تک پہنچی تو حضور ﷺ نے سب کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ ایک منافق نے یہ بات کہی ہے کہ حضور ﷺ آسمانی خبریں تو دیتے ہیں لیکن انہیں اپنی اونٹنی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے جس چیز کا علم عطا فرمایا ہے میں وہی جانتا ہوں اور خدا کی قسم اللہ نے مجھے بتا دیا کہ اونٹنی اس وقت فلاں وادی اور فلاں درے میں ہے۔ (الطبری ۳: ۱۴۵)

آپ ﷺ نے درخت کا پتہ بھی بتا دیا جس کے ساتھ اس کی مہار الجھی ہوئی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گئے اور اس مقام سے اونٹنی کو لے آئے۔

☆معجزے کا ظہور:

جب ایک طویل مسافت کے بعد لشکر اسلام تبوک کے مقام پر خیمہ زن ہوا تو وہاں جس کنویں پر آپ ﷺ نے پڑاؤ کیا اس میں پانی بہت کم تھا۔ آپ ﷺ کی برکت سے اس کنویں سے وافر مقدار میں پانی نکلنا شروع ہوگیا حتیٰ کہ پورا لشکر سیراب ہوگیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے اس کنویں سے پانی نکالنے کا حکم دیا۔ بس تھوڑا تھوڑا کر کے اس سے پانی نکالا گیا حتیٰ کہ کچھ پانی جمع ہوگیا اس پانی سے حضور نبی کریم ﷺ نے اپنا چہرۂ مبارک اور دست اقدس کو دھویا پھر وہی پانی اس کنویں میں گرا دیا بعد ازاں حضور نبی کریم ﷺ کی برکت سے زیادہ پانی نکل آیا جس سے سارے لوگ سیراب ہو گئے''۔ (تاریخ الخمیس ۲: ۱۲۹)

☆وہ جن، جس نے آپ ﷺ سے قرآن سیکھا:

ابھی لشکر اسلام تبوک نہیں پہنچا تھا کہ راستے میں ایک سانپ حضور ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوا اور سیدھا کھڑا ہو گیا پھر اس نے راستہ چھوڑ دیا۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے یہ کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ان آٹھ جنوں میں سے ایک ہے جو میرے پاس قرآن سیکھنے آئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ تمہیں سلام کہہ رہا ہے تم بھی اس کے سلام کا جواب دو"۔ (السیرۃ الحلبیہ' ۳:۱۴۵' بحوالہ سیرۃ الرسول ﷺ' جلد ۸' صفحہ ۲۴۰)

حج اکبر اور اعلان برات: (۹ھ)

مکہ ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا لیکن خانہ کعبہ کا انتظام ابھی تک مشرکین کے ہاتھ میں تھا۔ حج کی رسوم زمانہ جاہلیت کے انداز میں کی جاتی تھیں۔ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعد ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں تین سو حجاج کا ایک قافلہ حج کیلئے روانہ فرمایا۔ بعد میں سورۃ برات کی آیات نازل ہوئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی تبلیغ کیلئے بھیجا۔ قرآن حکیم نے اس حج کو "حج اکبر" کہا ہے اس لئے کہ یہ پہلا موقع تھا۔ جب سنت ابراہیمی علیہ السلام کے مطابق حج کے ارکان ادا ہوئے اور خانہ خدا میں عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کے آغاز کا اعلان کیا گیا۔ دور جاہلیت کی تمام رسمیں باطل قرار پائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو احکام حج سکھائے۔ قربانی کے دن خطبہ میں مسائل حج بیان کئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۃ برات کی چالیس آیات پڑھ کر سنائیں اور اعلان کیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور نہ کوئی برہنہ حج کرنے پائے گا۔ وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے ہیں ان کی عہد شکنی کے باعث آج سے چار ماہ بعد ٹوٹ جائیں گے۔ (مسند احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جلد دوم صفحہ ۲۹۹)

یہ اعلان گویا کل عرب پر دین حق کی فتح کا اعلان تھا اور اس حقیقت کی منادی تھی کہ اب عرب کا مسلمہ دین اسلام ہے اور شرک کا چراغ اب بجھ چکا ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

"پس اس سال کے بعد نہ تو کسی مشرک نے حج کیا اور نہ کسی نے ننگے ہو کر طواف

کیا''۔(البدایہ والنہایہ ۵:۴۷' صحیح البخاری ۱:۵۳)

عام الوفود: (۹ھ)

۹ھ میں اسلام کو بڑا نمایاں فروغ حاصل ہوا۔ فتح مکہ کے بعد قریش کے ایمان لاتے ہی دیگر قبائل جوق در جوق مدینہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے۔ عرب کے گوشہ گوشہ سے مختلف قبائل کے وفود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے یا تو اسلام قبول کر لیا یا اسلامی حکومت کی اطاعت کا اقرار کر لیا۔ اس طرح کے تقریباً پینتالیس ۴۵ وفود آئے۔ ۹ھ میں بے شمار وفود کے مدینہ آنے پر اس سال کو ''عام الوفود'' (یعنی وفود کا سال) کہا جاتا ہے۔ جن قبائل نے اسلام قبول کیا ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

بنو دوس' بنو مزینہ' بنی ثقیف' بنی عبد القیس' بنی حنیفہ' بنو طے' بنو اشعر' بنی ازد' بنو حزام' بنو ہمدان' بنی سعد' بنو اسد' بنو مہرہ' بنو عذرہ' بنو بکر' بن وائل' بنو کندہ' بنو شیبان' بنی حارث' بن کعب' بنو عبس' بنو ہذیل' بنو فرازہ' بنو نجران' بنو اشجع' بنی تمیم' بنی عامر' بنو حمیر' بنو اسلم' بنو سلیم' بنو ربیعہ' بنو ثعلب' بنو بہرا' بنو کلب' بنو جرم' ہبار بن الاسود۔

رسول اکرم ﷺ نے ان وفود کی بڑی آؤ بھگت کی۔ آپ ﷺ کا ان وفود کے ساتھ حسن سلوک آپ ﷺ کی رواداری اور فراخ دلی کا کھلا ثبوت ہے۔

مقام نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد معاہدے کیلئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے حسن سلوک نے انہیں بہت متاثر کیا۔ ان وفود کی آمد کی وجہ سے اسلام بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا۔ آپ ﷺ مقتدر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اشاعت اسلام کیلئے ان وفود کے ہمراہ کر گئے تا کہ وہ وہاں کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائیں۔

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے (اقبالؒ)

۹ ہجری کے دیگر اہم واقعات:

۱۔ اصحمہ نجاشی (شاہ حبشہ) نے وفات پائی اور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی (بعض نے اس کی وفات ۸ھ لکھی ہے اس لئے ہم نے دونوں

جگہ اس کا ذکر کر دیا ہے)

۲- سرور کائنات ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا عازم فردوس ہوئیں۔ ان کی وفات پر آنحضور ﷺ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر میرے پاس تیسری لڑکی ہوتی تو اس کی شادی بھی تم سے کر دیتا۔

۳- غامدیہ سبیعیہ عورت کو جس نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بدکاری کا اقرار کیا تھا، رجم کیا گیا تھا (اس عورت کو بچے کی پیدائش کے بعد جب دودھ چھڑا لیا گیا تو تب اسے رجم کیا گیا)

۴- تبوک سے سرور کائنات ﷺ کی واپسی کے بعد عومیر عجلانی اور ان کی بیوی کے درمیان لعان ہوا۔

۵- اسی سال عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے وفات پائی۔ (تبوک سے واپسی کے بعد) سرور کائنات ﷺ نے اس کے لئے دعائے مغفرت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ بعد میں وحی نازل ہوئی اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت اور تائید کرتے ہوئے منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

۶- منافقین نے مسجد قبا کے مقابلہ میں ایک مسجد تعمیر کی جس کو "مسجد ضرار" کہا جاتا ہے چونکہ یہ مسجد فتنہ پردازی کیلئے تعمیر کی گئی تھی اس لئے یہ نام دیا گیا۔ آنحضور ﷺ کے حکم سے یہ مسجد جلا دی گئی تھی۔

۷- اسی سال حضرت ماعز رضی اللہ عنہ بن مالک اسلمی کو بدکاری کی وجہ سے رجم کیا گیا تھا۔

ہجرت کا نواں سال کئی حوالوں سے تاریخ اسلام کا ایک اہم سال ہے۔ عظمت و شوکت کے سفر میں اس سال کئی اہداف حاصل کئے گئے۔ اگرچہ اس سال بھی مختلف مقاصد کیلئے مہمات روانہ کی جاتی رہیں تاہم کسی بڑے مسلح تصادم کی نوبت نہیں آئی۔

حجۃ الوداع

(۱۰ہجری/۶۳۲ء)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ..................اَلْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدۃ۔۳)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام بطور دین پسند کیا''۔ (المائدہ۔۳)

جب سارا عرب نور اسلام سے منور ہو گیا۔ خدا کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصل مرکز پر واپس ہوئی اور اسلام کے عقائد و اعمال اور اصول و فروع کی تکمیل ہو گئی اور سارے عالم کی رہنمائی کیلئے ایک جماعت تیار ہو چکی تو اس وقت یہ سورۃ کریمہ نازل ہوئی۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۔ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۔ (النصر ا تا ۳)

(''جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچے اور آپ لوگوں کو دیکھ لیں (کہ) وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو آپ (تشکراً) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح فرمائیں اور (تواضعاً) اس سے استغفار کریں' بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا (اور مزید رحمت کے ساتھ رجوع فرمانے والا ہے''۔)

اس وحی نے آنحضور ﷺ پر یہ واضح کر دیا کہ دنیا میں آپ ﷺ کا مشن مکمل ہو چکا اب آپ ﷺ کا اپنے خالق حقیقی سے ملنے کا وقت آ پہنچا ہے۔ چنانچہ ۱۰ھ میں آپ ﷺ نے حج کا ارادہ کیا اور تمام قبائل کو اطلاع دے دی۔ یہ سنتے ہی چاروں طرف سے لوگ جوق در جوق حاضر ہونے لگے چنانچہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۰ھ (۲۳ فروری ۶۳۲ء) کو جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ کے ساتھ ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ (زرقانی)

☆ (قارئین باتمکین! اس حج کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ اس حج کے بعد امت مسلمہ سے رخصت ہوئے۔ اسے حج اکبر بھی کہتے ہیں اس لئے کہ حج کے تمام ارکان خود رسالت مآب ﷺ کی موجودگی میں حتمی طور پر قائم ہوئے۔ اس حج کو 'حجۃ البلاغ'' ''حجۃ الاسلام'' ''حجۃ الکمال'' اور ''حجۃ التمام'' بھی کہتے ہیں کیونکہ اس حج میں اسلام کے بنیادی اور کامل

اصول بیان ہوئے۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق کے کامل ہو جانے کا اعلان ہو گیا اور اس کے بعد احکام اسلام کے بارے میں قرآن حکیم کی مزید کوئی آیت نازل نہیں ہوئی)

تمام ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا۔ ہر طرف انسانوں کا سمندر نظر آتا تھا۔آنحضرت ﷺ لبیک فرماتے تو مسلمانوں کی آواز سے دشت وجبل گونج اٹھتے مکہ کے قریب مقام سرف میں قیام فرمایا۔دوسرے دن غسل کر کے مکہ میں داخل ہوئے کعبہ کو دیکھ کر فرمایا:''اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ شرف وعزت عطا کر''۔پھر کعبہ کا طواف کیا۔ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم علیہ السلام میں دو رکعت نماز ادا کی۔پھر کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے:''خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔اس کا کوئی شریک نہیں۔اسی کیلئے سلطنت ملک اور حمد ہے۔وہ مارتا اور زندہ کرتا ہے اور تمام چیزوں پر قادر ہے۔کوئی خدا نہیں مگر وہ اکیلا۔خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔

(ابوداؤد کتاب الحج)

خطبہ حجۃ الوداع:

۹ ذی الحجہ ۱۰ ھجری کو نماز فجر کے بعد مسلمانوں کے ساتھ میدان عرفات میں تشریف لے گئے۔ ناقہ پر سوار ہو کر وہ آخری اور مشہور ومعروف خطبہ دیا جو تاریخ اسلام میں ''خطبہ الوداع'' (آخری خطبہ) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ ہے۔یہ وہ دن تھا کہ اسلام اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کی تمام بے ہودہ رسمیں مٹادی گئیں۔اس خطبہ کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:۔

حمد وثنائے باری تعالیٰ کے بعد محسن انسانیت ﷺ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:''اے لوگو! میں جو کچھ کہوں اسے غور سے سنو۔شاید آئندہ سال اور اس کے بعد پھر کبھی یہاں تم سے ملاقات نہ ہو سکے۔

۱۔جاہلیت کے دستور ومراسم کا خاتمہ:

آنحضور ﷺ نے فرمایا لوگو! جاہلیت کے تمام دستور ومراسم آج میرے قدموں کے نیچے ہیں۔(مسلم شریف ابوداؤد کتاب الحج)

۲۔مساوات:

لوگو! یقیناً تمہارا اللہ ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر۔ نہ سرخ کو سیاہ پر فضیلت ہے نہ سیاہ کو سرخ پر۔ فضیلت کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ (مسند احمد' طبری' ابن ہشام)

۳۔ غلاموں کے حقوق: لوگو! غلاموں سے برابر کا سلوک کرو جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔ (طبقات ابن سعد' ترمذی کتاب الوصایا)

۴۔جاہلیت کے تمام خون کا باطل کرنا:

جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیئے گئے سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے مقتول عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون جسے ہذیل نے قتل کر دیا تھا' معاف کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم کتاب الحج' ابن ہشام)

۵۔سود کا خاتمہ:

دور جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

۶۔ عورتوں کے حقوق: اے لوگو! عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تمہارا عورتوں پر حق ہے اور عورتوں کا تم پر ان سے نرم سلوک کرو اور مہربانی سے پیش آؤ۔ (طبری)

۷۔جان و مال کا تحفظ:

جس طرح تم اس مہینے اس دن اور اس جگہ کی عزت کرتے ہو اسی طرح تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ کوئی چیز جو ایک بھائی کی ملکیت ہے دوسرے کیلئے حلال نہیں جب تک کہ وہ خود اپنی خوشی سے نہ دے۔ (بخاری' ابن ہشام)

۸۔امانت:

جس کسی کے پاس دوسرے کی امانت ہو وہ اسے اس کے مالک کے حوالے کر دے۔ عاریت لوٹائی جائے' تحفہ پھیرا جائے' قرضہ چکایا جائے' تاوان کا بوجھ ضامن پر ہوگا۔

(ابن ہشام' طبقات ابن سعد' ترمذی کتاب الوصایا)

۹۔غلو سے بچنا:

خبردار غلو سے بچ کر رہنا۔تم سے سابقہ قومیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے دین میں غلو کیا۔(ابن سعد' جلد۲)

۱۰۔گمراہی سے بچاؤ کا طریقہ:

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں اگر تم نے انہیں مضبوطی سے تھام لیا تو گمراہ نہ ہو گے اور وہ چیزیں ''کتاب اللہ'' اور میری سنت ہیں۔(مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ)

۱۱۔عمل میں اخلاص:

عمل میں اخلاص' مسلمانوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتحاد یہ ایسی چیزیں ہیں جو سینے کو پاک رکھتی ہیں۔

۱۲۔اطاعت امیر:

لوگو! اگر کوئی حبشی غلام بھی تمہارا حاکم ہو اور وہ تمہیں کتاب اللہ کے مطابق چلائے تو اس کی فرمانبرداری کرو اپنے رب کی عبادت کرو' نمازیں پڑھو' روزے رکھو' میرے احکام کی پیروی کرو' جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

۱۳۔ تبلیغ: تمہارے لئے ضروری ہے کہ میری یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ممکن ہے وہ ان لوگوں سے زیادہ بہتر طور پر ان کو محفوظ رکھنے والے ہوں جو یہاں اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔

۱۴۔خدا کا پیغام بندوں تک پہنچانے کی گواہی:

یہ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے پوچھا ''قیامت کے دن اللہ تم سے میرے متعلق دریافت فرمائے گا تو تم کیا جواب دو گے''۔سب نے عرض کیا کہ ہم کہیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا کہ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔

تکمیل دین کی بشارت:

خطبہ کے اختتام کے فوراً بعد میدان عرفات میں وحی نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا''۔ (المائدہ۔ آیت ۳)

اس کے بعد نزول وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ (صحاح ستہ، ابن ہشام، طبقات ابن سعد اور تاریخ طبری)

ارکان کی ادائیگی:

خطبہ سے فارغ ہو کر ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ پھر قبلہ رو کھڑے ہو کر دیر تک دعا میں مصروف رہے۔ غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ میں مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ رات بھر آرام کر کے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں لوگ حج کے مسائل دریافت کرتے رہے۔ آپ ﷺ جواب دیتے جاتے تھے۔ اس دوران یہ بھی فرمایا ''حج کے مسائل سیکھ لو (دیکھ لو) شائد اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے''۔ (صحیح مسلم شریف)

طریقہ ابراہیمی علیہ السلام پر حج کا احیاء:

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے طریقہ حج میں عربوں نے اپنے اغراض و مقاصد کی بنا پر بہت سی ترامیم کر دی تھیں۔ حج کے مہینے میں خون ریزی حرام ہے اس لیے جنگجو عرب جنگ کا جواز پیدا کرنے کیلئے مہینوں میں الٹ پھیر کر دیتے تھے۔ اب حج بھی اپنی اصل شکل و صورت نمودار ہو رہا تھا اس لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

''سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں۔ تین متواتر ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور چوتھا رجب''۔

جان مال اور آبرو کا تحفظ:

دنیا میں عدل و انصاف اور امن و امان کا انحصار تین چیزوں پر ہے۔

(۱) ''جان'' (۲) ''مال'' اور (۳) آبرو کی حفاظت۔ آنحضور ﷺ نے نہایت بلیغ

الفاظ میں ان کی تاکید فرمادی۔

سرور کائنات محسن انسانیت ﷺ نے عربوں سے مخاطب ہو کر پوچھا'' کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا خدا اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا: ''کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بے شک' پھر فرمایا ''کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟'' لوگوں نے کہا ہاں! بے شک' پھر پوچھا ''یہ کون سا شہر ہے؟'' لوگوں نے وہی جواب دیا۔'' آپ ﷺ نے پھر سکوت کے بعد فرمایا کہ یہ 'بلدۃ الحرام' (حرمت والا' عزت والا شہر) نہیں ہے''۔

لوگوں نے عرض کیا بے شک۔

جب لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہو گیا کہ آج کا دن' مہینہ اور شہر (مکۃ المکرمہ) قابل احترام ہیں یعنی اس دن اس مقام پر خونریزی و جنگ جائز نہیں تو فرمایا۔

''تمہارا خون' تمہارا مال اور تمہاری آبرو تا قیامت اس طرح محترم ہے جس طرح اس دن' اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔'' (فتح الباری)

لوگوں کو حج کے احکام و مسائل بتانے کے بعد آپ ﷺ نے بقیہ احکام حج ادا کیے۔ ۱۳ ذوالحجہ تک منیٰ میں تشریف لے گئے اور آخری طواف کر کے وہیں فجر کی نماز کے بعد مدینہ کی طرف کوچ فرمایا راستہ میں ''غدیر خم'' (خم کا تالاب) کے مقام پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک مختصر خطبہ دیا:

حمد و ثنا کے بعد۔ اے لوگو! میں ﷺ بھی انسان ہوں۔ ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے (موت کو) قبول کرنا پڑے۔ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں ﷺ اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں۔ (صحیح مسلم جلد دوم)

''لوگو! جس کا میں رفیق ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کا رفیق ہے' اے اللہ جو شخص علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو علی رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ''۔

خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت:

خطبہ حجۃ الوداع ایک بین الاقوامی منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ خطبہ تمام دینی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اس کا نقطۂ آغاز اللہ اور اس کے بندے کے درمیان صحیح تعلق کی وضاحت کرتا ہے اور بھلائی کی تلقین کرتا ہے۔ یہ خطبہ اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیادیں مہیا کرتا ہے۔ معاشرتی مساوات، نسلی تفاخر کا خاتمہ، عورتوں کے حقوق، غلاموں کے ساتھ حسن سلوک ایک دوسرے کے جان و مال اور عزت کا احترام، یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر اسلام کا معاشرتی نظام ترتیب پاتا ہے۔ اس خطبہ نے معاشی عدم توازن کا راستہ بند کرنے کے لئے ''سود'' کو حرام قرار دیا کیونکہ سود سرمایہ دار طبقہ کو محفوظ طریقہ سے دولت جمع کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے اور ان کی تمام افزائش دولت سودی سرمائے کے حصول ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کیلئے مرگ مفاجات (اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اس خطبہ کے ذریعے یہ پیغام دیا گیا کہ اسلام ایک نظام اخوت ہے اور مسلمانوں کی بنائے اجتماع اور بنائے اخوت سوائے اسلام کے کچھ نہیں۔ ان کو حق نہیں کہ وہ وطن اور نسل اور قبیلے اور علاقے اور رنگ کی بنیاد پر جمع ہونے کیلئے ایک دوسرے کو پکاریں۔

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ﷺ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

ڈاکٹر حمید اللہ نے اس خطبہ کو ''انسانیت کا منشور اعظم'' قرار دیا ہے۔ مولانا نعیم صدیقی رقمطراز ہیں کہ ''جب کبھی اور جہاں بھی اسلامی تحریک چلے گی اور نظام حق استوار ہوگا۔ اس کی بنیادیں بہر حال اس خطبہ کے اٹل نظریات و تصورات پر رکھی جائیں گی۔ یہ منشور اسلام کا بنیادی منشور ہے اور اس کی طرف انسانیت کو بلایا گیا ہے۔ ان کلمات حقیقت افروز سے ہٹ کر زندگی کا جو نقشہ بھی بنایا جائے گا وہ غیر اسلامی ہوگا اور کوئی سچا مسلمان اس پر مطمئن اور راضی نہیں ہوسکتا''۔ (محسن انسانیت ﷺ)

۱۰ ہجری کے متفرق واقعات

۱۔ تقسیم مملکت باذان: ۱۰ھ میں یمن سے اطلاع ملی کہ وہاں کے حاکم باذان جس نے اسلام قبول کرلیا تھا فوت ہوگیا ہے۔ آپ ﷺ نے ملک یمن کو کئی حصوں میں تقسیم فرما کر ہر ایک حصہ پر حاکم مقرر فرمایا لیکن وہاں اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کر کے بغاوت کردی اور بہت سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن اس کے ساتھیوں نے اسے مار ڈالا۔ (تفصیل کے لیے ہماری کتاب "عظیم خلفائے راشدین" ملاحظہ فرمائیں)۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں وحی کی بنیاد پر لوگوں کو یہ خبر سنائی کہ گزشتہ شب اسود عنسی مارا گیا۔

اسی سال مسیلمہ کذاب نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا اور آنحضرت ﷺ سے ملک عرب تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا۔ قبائلی تعصب کی وجہ سے جنوبی عرب کے قبائل نے اپنے جھوٹے نبی کو قریش کے سچے نبی ﷺ پر ترجیح دینی شروع کردی۔ اس فتنہ کا خاتمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا۔

اسی سال کا ایک اور واقعہ شام کی طرف سے نئے خطرے کا احساس تھا جس کے مقابلے کے لیے آنحضرت ﷺ نے ایک لشکر تیار کیا جس کا سپہ سالار اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا۔ لیکن یہ لشکر ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کی خبر سن کر واپس مدینہ منورہ لوٹ آیا۔ بعد از وصال النبی ﷺ یہ لشکر بھیجنے کی سعادت خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔

آنحضرت ﷺ کا وصال (پیر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ / 632ء):-

وما محمد .... الشکرین ۝ (آل عمران: ۱۴۴)

"اور محمد (ﷺ) رسول ہی ہیں (نہ کہ خدا)، آپ ﷺ سے پہلے بھی کئی پیغمبر

(مصائب اور تکلیفیں جھیلتے ہوئے اس دنیا سے) گزر چکے ہیں، پھر اگر وہ وفات فرما جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنے (پچھلے مذہب کی طرف) الٹے پاؤں پھر جاؤ گے (ہاں) جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہیں بگاڑے گا، اور اللہ عنقریب (مصائب پر ثابت قدم رہ کر) شکر کرنے والوں کو جزا عطا فرمائے گا۔" (آل عمران-۱۴۴)

علالت کا آغاز:-

"جزیرۃ العرب سے کفر و شرک کے استیصال (خاتمے)، اسلام کی اشاعت، شریعت مکارمِ اخلاق کی تعلیم، حجۃ الوداع میں تکمیلِ دین کے آخری فرائض سے سبکدوشی اور "اَلْیَـوْ اَکْـمَـلْـتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" کی تصدیق کے بعد سور کائنات ﷺ کی بعثت کا مقصد پورا ہو چ تھا۔ اس کے بعد روحِ قدسی کو عالمِ جسمانی میں رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔"

(تاریخ اسلام حصہ اول از شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ ص: ۱۱

حج سے واپس آ کر آپ ﷺ امورِ ملکی کی طرف متوجہ ہوئے۔ قبیلوں اور صوبوں کو منظم کیا۔ زکوٰۃ حج کا انتظام کیا اور اہل عرب کی اخلاقی حالت کو بہتر بنانے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اطرافِ ملک میں بھیجا تاکہ ان کو تعلیم دیں چونکہ آپ ﷺ کا کام ختم ہو چکا اور دین مکمل ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ خدا سے ملنے کی تیاری کرنے لگے۔ زیادہ وقت عبادت میں صرف فرماتے۔ ہجرت کا گیارہواں سال تھا۔ آپ ﷺ پر اس آیت کا نزول ہوا: وَلَلْاٰخِـرَ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝ (الضحیٰ-۴)

ترجمہ:- "(اور بے شک (ہر) بعد کی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے بہتر (یعنی باعثِ عظمت و رفعت) ہے۔"

گویا تمام دنیا کو اطلاع دے دی گئی کہ آنحضرت ﷺ کی رحلت کا وقت آ پہنچا۔ چنانچہ صفر ۱۱ھ (اپریل و مئی 632ء) میں آپ ﷺ احد پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ اور احد کے شہیداں پر نماز پڑھی اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ وہاں سے واپس ہو کر ایک مختصر خطبہ دیا، جس میں فرمایا:-

''لوگو! میں تم سے آگے جانے والا ہوں۔ اور تمہاری شہادت دینے والا ہوں۔ واللہ میں حوضِ کوثر کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے سلطنتوں کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں (یعنی مختلف ممالک دعوتِ حق کے نتیجے میں فتح ہونے والے ہیں) مجھے یہ ڈر نہیں رہا کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے۔ البتہ اس کا اندیشہ ہے کہ دنیاوی مفاد کی کشمکش میں نہ پڑ جاؤ اور اس کے لیے آپس میں کشت وخون کرو اور اس طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوئیں۔''

(صحیح بخاری کتاب المغازی عن عقبہ بن عامر، صحیح مسلم کتاب الفضائل)

☆ جنت البقیع میں دعا:-

(۱۸ یا ۱۹ صفر) صفر ہی کے مہینے میں ایک روز نصف رات کو آپ ﷺ بقیع تشریف لے گئے اور اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی۔ فرمایا: ''اے قبر والو! تم پر سلام! لوگ جس حال میں ہیں اس کے مقابل تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم ہو۔ فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک کے پیچھے ایک چلے آ رہے ہیں اور بعد والا پہلے سے زیادہ برا ہے۔'' اس کے بعد یہ کہہ کر اہلِ قبور کو بشارت دی کہ ہم بھی تم سے آ ملنے والے ہیں۔

جنت البقیع سے واپسی پر آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لائے۔ جہاں پہنچتے ہی سر مبارک میں درد شروع ہو گیا۔ اور اس مرض کی ابتدا ہوئی جس میں آپ ﷺ نے وصال فرمایا۔

مرض کا آغاز:-

جنت البقیع سے واپسی پر ہلکا ہلکا دردِ سر شروع ہوا تھا۔ پھر ۲۹- صفر بروز دوشنبہ کو ایک جنازے سے واپس آ رہے تھے کہ راستے ہی میں دردِ سر شروع ہو گیا۔ پھر سخت بخار لاحق ہوا، اور اس میں اتنی شدت پیدا ہوئی کہ بدن مبارک پر ہاتھ رکھنا مشکل تھا۔ بیماری کی حالت میں بھی آپ ﷺ باری باری از راہِ عدل ازواجِ مطہرات کے گھروں پر آرام فرماتے تھے۔ مگر جب مرض بہت بڑھ گیا تو ان سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں مستقل قیام فرمایا۔

(بخاری شریف)

جب تک چلنے پھرنے کی سکت رہی، نماز مسجد میں ادا فرماتے رہے۔ آخری نماز مغرب کی پڑھائی۔ عشاء کی نماز کے لیے کئی مرتبہ مسجد کا قصد کیا مگر مرض کی شدت و نقاہت سے مرتبہ غش آ گیا۔ اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کے بعد کئی دن تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ۔ باب الامامۃ)

(حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمعرات کی نماز عشاء سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کل سترہ نمازیں پڑھائیں آخری نماز پیر کے روز فجر کی تھی۔) (کامل ابن اثیر)

☆ واقعہ قرطاس:۔

وصال سے چار روز قبل جمعرات کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کاغذ دوات لاؤ۔ کچھ لکھوا دوں کہ آئندہ کبھی جھگڑا نہ پڑے۔ اس وقت گھر کے اندر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے جن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے جنہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض کی شدت ہے اور ہمارے پاس ہدایت کے لیے قرآن حکیم موجود ہے جو ہمارے لیے کافی ہے اس لیے پھر کسی وقت دیکھا جائے گا اور کوئی ضروری امر اگر لکھوانا ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ حکم دیں گے۔ اس میں حاضرین میں اختلاف ہوا۔

بعض کہتے ہیں کہ تعمیل ارشاد ہو اور بعض حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تائید میں تھے۔ اس اختلاف کی آواز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گراں گزرا اور غصے سے فرمایا:

''میرے پاس سے سب چلے جائیں اور مجھے میری حالت پر چھوڑ دو۔ میں جس مقام پر ہوں وہ اس سے بہتر ہے: جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔'' (بخاری اور مسلم۔ کتاب الوصیت) از اں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند وصیتیں فرمائیں کہ:

''کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے۔ سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے، جس طرح اس زمانے میں کیا جاتا ہے۔''

(بخاری، باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، البدایہ والنہایہ، بحوالہ صحیحین)

نمازِ ظہر کے وقت طبیعت کو کچھ سکون ہوا تو غسل فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر کو پٹی باندھے ہوئے مسجد میں تشریف لے گئے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے

انھوں نے اپنی جگہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ جانا چاہا۔لیکن آپ ﷺ نے انہیں اپنی جگہ کھڑے رہنے کا اشارہ فرمایا اور خود ﷺ ان کے برابر پہلو میں بیٹھ گئے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی اقتداء میں اور دوسرے نمازیوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔(بخاری و مسلم، طبقات ابن سعد)

نماز کے بعد ایک مختصر سا خطبہ ارشاد فرمایا۔یہ آپ ﷺ کی زندگی کا آخری خطبہ تھا۔ سب سے اول آپ ﷺ نے شہدائے احد کے لیے استغفار کیا اور ان پر نزول رحمت کی دعا مانگی۔اس کے بعد فرمایا:

''خدا تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دیا ہے کہ یا دنیا پسند کرے یا خدا تعالیٰ کے پاس جو انعامات ہیں ان کو حاصل کرے۔سو اس نے وہی چیز پسند کی جو خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔سب سے زیادہ میں جس شخص کی دولت وصحبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔اگر میں دنیا میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے۔مسجد کے رخ کوئی دروازہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے دیکھو تم ایسا نہ کرنا، میں تم کو منع کرتا ہوں۔

(تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ ص:۱۱۵ بحوالہ بخاری و مسلم مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ)

اس کے بعد انصار کے متعلق جو اسلام کی قوت بازو تھے، ارشاد فرمایا:۔

''اے لوگو! میں ﷺ انصار کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جس طرح کھانے میں نمک۔وہ اپنی طرف سے فرض ادا کر چکے۔اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا چاہیے۔

اے لوگو! انصار کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، یہ میرے خواص ہیں۔جن کے دامن میں مجھے پناہ ملی۔ان کی خوبیوں کی قدر اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرتے

رہنا۔“

اے لوگو! اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو اپنی خدمت کے انجام دینے سے مت روکو اور قسم ہے اپنی حیات کی۔ اگر تم کو اسامہ رضی اللہ عنہ کی سرداری پر اعتراض ہو، تو کیا تعجب ہے جبکہ ان کے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔ حالانکہ اسامہ رضی اللہ عنہ بھی سرداری کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کے والد زید بن حارث رضی اللہ عنہ میں بھی اس کی قابلیت پوری موجود تھی۔“ (تاریخ اسلام از مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی، ص: ۲۷۷)

☆ حلال وحرام کے بارے میں ارشاد فرمایا:-

”دیکھو! حرام وحلال کی نسبت میری طرف نہ کی جائے۔ میں صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی چیز حلال کی جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی اور وہی چیز حرام کی جو خدا تعالیٰ نے حرام کی ہے۔“

آخر میں فرمایا کہ:-

”جزا اور سزا صرف ذاتی اعمال پر موقوف ہے۔ کوئی رشتہ، کوئی سفارش، کوئی نسبت نیک عمل کے بغیر کام نہیں دے سکتی۔ اے پیغمبرِ خدا کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا! اور اے پیغمبرِ خدا کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا خدا تعالیٰ کے ہاں کے لیے کچھ کرلو۔ میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔ (تاریخِ اسلام از محمد عبداللہ ملک، ص: ۲۰۹)

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے اور متفرق تعلیمات کا سلسلہ آخری وقت تک جاری رہا۔

غلاموں سے حُسنِ سلوک کی وصیت کی اور فرمایا: اپنے غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو۔ گھر میں سات دینار موجود تھے۔ وہ غریبوں میں تقسیم فرما دیئے اس دن کی شام کو گھر کی حالت یہ تھی کہ چراغ کے لیے تیل نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پڑوس سے تھوڑا سا تیل ادھار لیا۔ دوسری جو چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھیں مثلاً تلواریں اور کمانیں یا قصوئی (اونٹنی) یا زمین سب مسلمانوں کو ہبہ فرما دیں۔ گویا اس دنیا سے رخصت کا وقت آیا تو جو معمولی سامان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا اسے بھی نہ رکھا۔

آنحضرت ﷺ کا وصال:-

آخری دن (دوشنبہ) نماز صبح کے وقت آنحضرت ﷺ نے وہ پردہ اٹھایا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے اور مسجد نبوی ﷺ کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ اس وقت نماز ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک آپ ﷺ اس پاک نظارے کو ملاحظہ فرماتے رہے۔ اس نظارے سے رخِ انور پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ آپ ﷺ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس قرآن کا ورق معلوم ہوتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شوق اور اضطراب سے یہ حال ہو گیا تھا کہ ان کی آنکھیں رخِ پر نور کی طرف ہی متوجہ رہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سمجھے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارادہ نماز میں آنے کا ہے، وہ پیچھے ہٹنے لگے تو رسول اکرم ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ نماز پڑھتے رہو۔ یہی اشارہ سب کی تسکین کا موجب ہوا۔ پھر حضور سرورِ کائنات ﷺ نے پردہ چھوڑ دیا۔ یہ نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نے مکمل کروائی۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے گفتگو:-

دن چڑھا تو پیاری بیٹی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ کان میں کچھ بات کہی تو وہ رو پڑیں، پھر کچھ اور بات کہی تو وہ ہنس پڑیں۔ بتولِ پاک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پہلی بات حضور ﷺ نے یہ فرمائی تھی کہ میں دنیا کو چھوڑ رہا ہوں اور دوسری بات یہ فرمائی کہ اہلِ بیت سے سب سے پہلے تم ہی میرے پاس پہنچو گی (یعنی انتقال ہو گا)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی)

اسی روز آنحضرت ﷺ نے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو سیدۂ نساء العالمین ہونے کی بشارت دی۔ سیدۃ النساء نے حضور ﷺ کی حالت کو دیکھ کر کہا: ''آہ میرے باپ کی بے چینی۔'' آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ تیرے باپ کو آج کے بعد کوئی بے چینی نہ ہو گی۔ پھر حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ دونوں کو چوما اور ان کے احترام میں وصیت فرمائی۔

(مدارج النبوۃ اردو ترجمہ جلد دوئم، ص:۷۱۰)

پھر ازواجِ مطہرات کو بلوایا اور ان کو نصیحتیں فرمائیں۔ حالتِ نزع طاری تھی۔ اس وقت سرورِ کائنات ﷺ کا سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا۔ پانی کا ایک برتن حضور ﷺ

کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ پیالے میں ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ اقدس پر پھیر لیتے تھے چہرہ مبارک کبھی سرخ ہوتا تھا اور کبھی زرد پڑ جاتا تھا۔ زبان مبارک سے فرماتے تھے
لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ موت میں تلخی کرتی ہے۔) اور کبھی یہ الفاظ ادا ہوتے رہتے۔ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ (ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا۔) (صحیح بخاری)

اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی۔ آپ ﷺ نے مسواک کو رغبت سے دیکھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نرم کر کے پیش کی۔ آپ ﷺ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک فرمائی۔ آپ ﷺ کے وصال کا وقت قریب آ رہا تھا۔ آپ ﷺ کا مزاج مبارک بگڑتا گیا۔ سہ پہر کے وقت سینہ مبارک میں کھڑکھڑاہٹ محسوس ہوتی تھی۔ لب مبارک ہلے تو یہ فرمایا:۔

"نماز اور غلام"

پانی پاس رکھا تھا۔ اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرہ مبارک پر مل لیتے۔ یکا یک ہاتھ اٹھایا اور انگلی کے اشارے سے تین مرتبہ فرمایا:۔

اللّٰھم الرفیقُ الاعلیٰ۔ (اب صرف اللہ درکار ہے جو سب سے بڑا رفیق ہے۔)

یہی فرماتے فرماتے ہاتھ لٹک آئے۔ آنکھ کی پتلی اوپر کو اٹھ گئی۔

۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ / 632ء یوم دوشنبہ وقت چاشت تھا کہ جسم اطہر سے روحِ انور نے عالمِ قدس میں پرواز کی۔ (صحیح بخاری)

۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق 8 جون 632ء کو جب کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک قمری حساب سے ۶۳ سال ۴ دن (بعض نے ۶۳ سال تین دن لکھا ہے) اور شمسی حساب سے 61 سال 2 ماہ اور 24 دن کی تھی۔ یہ روحِ اعظم فردوس بریں ہوئی۔

یٰۤاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ○ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ○ (الفجر: ۲۷-۲۸)

(اے اطمینان پا جانے والے نفس! تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ آ کہ تو اس کی رضا کا طالب بھی ہو اور اس کی رضا کا مطلوب بھی (گویا اس کی رضا

تیری مطلوب ہو اور تیری رضا اس کی مطلوب)۔

☆ آپ ﷺ کے وصال کی خبر سے مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا:-

جب آپ ﷺ کے وصال کی خبر مدینہ منورہ میں پھیلی تو ہر طرف کہرام مچ گیا۔ مسلمانوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالتِ زار:-

غم واندوہ کے باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہوش وحواس گم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شدتِ الم اور فرطِ محبت وعقیدت میں آپ ﷺ کی وفات کا یقین نہ آتا تھا۔ اور وارفتگی کے عالم میں برہنہ تلوار لے کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ جو شخص کہے گا کہ رسول اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا ہے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اسی دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو گھبرائے ہوئے سیدھے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہوئے اور رخِ انور سے نقاب اٹھا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور بصد حزن وغم روتے ہوئے کہا:-

"یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ خدا کی قسم آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ وہ موت جو آپ ﷺ کے لیے مقدر تھی۔ اس کے بعد دوسری موت نہ آئے گی۔ (بخاری شریف، کتاب الجنائز)

حجرے سے نکل کر دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ قسم کھا کھا کر وفات نبوی ﷺ کا انکار کر رہے تھے۔ یہ بڑا نازک وقت تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دینی بصیرت اس وقت دستگیری نہ کرتی تو نہ معلوم کیا نتائج برآمد ہوتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: درحقیقت آقائے نامدار آخرت کو سدھارے۔ شاہِ دین ودنیا نے دنیا سے منہ موڑا۔ جان سے زیادہ پیارا محبوب رخصت ہوا۔ ہم سب کو لکھا پڑھا کر، بتا اور سکھا کر اور اللہ والا بنا کر ہمارے پیغمبر رضی اللہ عنہ نے لقائے رب کو اختیار فرمایا۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ﷺ کے منبر پر چڑھ گئے اور وفات پر آیات کے اعلان کا خطبہ پڑھا۔"

☆ وصالِ نبوی ﷺ پر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا خطبہ:

حمد وصلوٰۃ کے بعد کہ:-

''واضح ہو کہ جو کوئی شخص تم سے محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا تو بے شک وہ وفات پا گئے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک وہ زندہ ہے اسے موت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: ''محمد تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں۔ کیا اگر وہ وصال کر جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ ہاں، جو کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تو شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دینے والا ہے۔''

یہ تقریر ایسی دلنشین تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہوں سے پردہ اٹھ گیا اور وہ مطمئن ہو گئے۔ (بخاری کتاب الجنائز، رحمۃ للعالمین ﷺ جلد اول ص:۲۴۴)

☆ آنحضور ﷺ کے دفن کا مسئلہ:۔

وصال کے دن شام ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ سوال اٹھا کہ آپ ﷺ کو کس جگہ دفن کیا جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد بخوبی یاد ہے کہ نبی اسی جگہ وصال پاتا ہے جہاں وہ دفن ہونا پسند کرتا ہے۔ قرار پایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں ہی جہاں وصال کے وقت آپ ﷺ کی چارپائی تھی وہیں قبر مبارک کھودی جائے۔ (ترمذی کتاب الجنائز، البدایہ والنہایہ)

☆ تجہیز و تکفین:۔

تجہیز و تکفین اور قبر کے کئی مراحل رات سے پہلے انجام نہیں پا سکتے تھے۔ دوسری طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غم سے نڈھال اور مبہوت ہو رہے تھے۔ اس لیے تجہیز و تکفین دوسرے دن سہ شنبہ (منگل) کو عمل میں آئی۔ غسل دینے میں خاص عزیزوں نے حصہ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پشت مبارک کو ٹیک دیئے ہوئے غسل دے رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، اور ان کے دونوں لڑکے فضل اور قثم، آپ ﷺ کی کروٹ بدل رہے تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور شقران رضی اللہ عنہ پانی ڈال رہے تھے۔ اور حضرت اوس رضی اللہ عنہ (انصاری) بن خولی نے آپ ﷺ کو اپنے سینے سے ٹیک دے رکھی تھی۔ آپ ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔

(تاریخ ابن خلدون اول)

☆ تدفین:-

حضرت ابو طلحہ انصاری نے مدینہ کے رواج کے مطابق بغلی لحد کی قبر کھودی۔ یہی (حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ انصاری) اہلِ مدینہ کی قبریں کھودا کرتے تھے۔ زمین میں نمی کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر لحد میں بچھایا گیا۔ کفن کے لیے تین سفید سوتی کپڑے استعمال کیے گئے۔ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا۔ دو سفید تھے اور ایک یمنی چادر تھی۔ (تاریخ ابن خلدون جلد اول) بعض روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید یمنی چادروں میں کفنایا گیا۔ ان میں کرتا اور پگڑی نہ تھی۔ (صحیح بخاری ج ا ص: ۱۶۹، صحیح مسلم ج ا ص: ۳۰۶)

بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چادروں ہی میں لپیٹ دیا گیا تھا۔

☆ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ:-

تدفین کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ (دس ۱۰ اصحابہ رضی اللہ عنہم) باری باری جاتا اور نماز جنازہ پڑھ کر واپس آ جاتا تھا۔ کمرہ چھوٹا تھا اس لیے بیک وقت تھوڑے آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ کوئی امام نہ تھا۔ سب سے پہلے بنو ہاشم (خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز جنازہ پڑھی۔ پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر مردوں کے بعد عورتوں نے اور ان کے بعد بچوں نے۔ نماز جنازہ پڑھنے میں سہ شنبہ (منگل) کا پورا دن گزر گیا اور بدھ کی رات آ گئی۔ رات میں کونین کی یہ دولت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی پاک سرزمین کے سپرد کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مقدس کو لحد میں اتارنے کا شرف حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔ پیکرِ نور صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ انور وہیں پر ہے۔

☆ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ:-

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے وقت کچھ نہیں چھوڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سفید خچر، کچھ ہتھیار اور زمین تھی جسے عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔ اگر کچھ چھوڑا بھی تو یہی چیزیں تھیں اور ان کے متعلق بھی فرما چکے تھے

کہ "ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔" (بخاری وابوداؤد)

☆ آنحضور ﷺ کا حلیہ مبارک:۔

آنحضرت ﷺ نہ بہت طویل القامت تھے اور نہ زیادہ پستہ قد، سر بڑا، بھری ہوئی داڑھی، دونوں بازو اور جسم پُر گوشت، سرخی مائل گندمی رنگ، گول بڑی سیاہ پُر رونق آنکھیں، سر کے بال سیدھے، پیشانی چوڑی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کے بالوں میں پیری کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھی میں قریب بیس ۲۰ پچیس ۲۵ بال سفید تھے۔ جو تیل لگانے اور کنگھی کرنے سے چھپ جاتے تھے۔ سر کے بال کبھی کندھے تک اور کبھی کانوں تک بڑھے رہتے تھے۔ سر میں تیل بکثرت ڈالتے اور آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے۔ شجاع، خلیق، شیریں کلام، خندہ رو ظاہری و باطنی محاسن سے مزین تھے۔ تبسم فرمایا کرتے تھے کھل کر کبھی نہیں ہنسے۔ (شمائل ترمذی و تاریخ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ جلد اول)

ہجرت مدینہ کے وقت رسول اکرم ﷺ اُم معبد رضی اللہ عنہا خزاعیہ کے خیمے سے گزرے تو اس نے آپ ﷺ کی روانگی کے بعد اپنے شوہر سے آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کا جو نقشہ کھینچا وہ یہ تھا:۔

"چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، نہ تو ندے پن کا عیب، نہ گنجے پن کی خامی، جمالِ جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر، سرگیں آنکھیں، لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں، سیاہ سرگیں پلکیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمکدار کالے بال، خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو پرکشش، دور سے (دیکھنے میں) سب سے تابناک و پرجمال، قریب سے سب سے خوبصورت اور شیریں، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ درمیانہ قد، نہ ناٹا کہ نگاہ میں نہ جچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے۔ دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح ہیں جو سب سے زیادہ تازہ و خوش منظر ہے، رفقاء آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجالاتے ہیں، مطاع و مکرم، نہ ترش رو، نہ لغوگو۔ (زادالمعاد جلد دوئم، ص:۵۴)

ازواجِ مطہرات

سرورِ کائنات ﷺ نے عالمِ شباب میں صرف ایک معمر اور بیوہ خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر قناعت کی۔ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت میں لکھا ہے کہ تیرہ عورتیں آپ ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔ جن میں سے (۹) نو آپ ﷺ کے وصال کے وقت موجود تھیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے گیارہ عورتوں سے عقد فرمایا جن میں سے نو (۹) عورتیں آپ ﷺ کے وصال کے وقت حیات تھیں اور دو عورتیں آپ ﷺ کی زندگی ہی میں وفات پا چکی تھیں (یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ان کے علاوہ مزید دو عورتیں تھیں جن کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کا ان سے عقد ہوا تھا یا نہیں! لیکن اس بات پر اتفاق ہے کہ انہیں آپ ﷺ کے پاس رخصت نہیں کیا گیا۔

(قارئین محترم! سرورِ دو عالم نبی محترم ﷺ کو امت کے بالمقابل یہ امتیازی خصوصیت حاصل تھی کہ آپ ﷺ مختلف اغراض کے پیشِ نظر چار سے زیادہ شادیاں کر سکتے تھے۔)

☆ ۱۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد:۔

سب سے پہلی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوئی۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور ان کی عمر ۴۰ سال تھی۔ ان کے جیتے جی آپ ﷺ نے کوئی اور شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا شادی کے بعد ۲۵ برس تک زندہ رہیں۔ نبوت کے دسویں ۱۰ سال وفات پائی۔ ان کے بطن سے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی۔

☆ ۲۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا:۔

ان سے تاجدار مدینہ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے چند دن بعد نبوت کے دسویں سال ماہ شوال میں شادی کی۔ بیوہ تھیں پہلے خاوند کا نام سکران بن عمرو تھا۔ جو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا چچا زاد بھائی تھا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور سکران نے حبشہ میں ہجرت کی۔ سکران وہاں عیسائی ہو کر مر گیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد زمعہ نے چار سو درہم مہر کے عوض ان کا عقد آنحضرت ﷺ سے کر دیا۔ آپ ﷺ نے مہر ادا کیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے بروایات صحیح خلافتِ فاروقی رضی اللہ عنہ کے دور میں وفات پائی۔

☆۳- حضرت عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما:-

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نبوت کے دسویں سال (بعض نے گیارہویں سال لکھا ہے) ماہِ شوال میں آپ ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔ عقد کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس تھی۔ رخصتی تین برس بعد (ہجرت مدینہ کے سات ماہ بعد) مدینہ میں ہوئی جبکہ ان کی عمر ۹ برس سے کچھ زیادہ تھی۔ ان کے سوا امہات المومنین میں سے کوئی بھی دوشیزہ نہ تھیں۔ یہ آپ ﷺ کی سب سے محبوب ترین ازواج سے ہیں۔ اور امت کی عورتوں میں علی الاطلاق سب سے زیادہ فقیہہ اور صاحب علم تھیں۔ ان سے کوئی اولاد نہ تھی۔ ۵۸ھ میں وفات پائی۔

☆۴- حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب:-

یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ خنیس جنگِ بدر میں زخمی ہوئے اور شہادت پائی۔ ان کے انتقال کے بعد رسول اکرم ﷺ نے ۳ھ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے عقد فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۴۵ھ میں ہوا۔

☆۵- حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما:-

یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو ہلال بن عامر بن صعصعہ سے تھا۔ غریب پرور اور رحم دل ہونے کی وجہ سے ام المساکین کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔ ان کا پہلا خاوند عبداللہ بن جحش، غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تو رسول اکرم ﷺ نے ۴ھ میں ان سے شادی کر لی مگر صرف

آٹھ ماہ رسول اکرم ﷺ کی زوجیت میں رہیں اور فوت ہوگئیں۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ انتقال کے وقت تیس ۳۰ سال کی عمر تھی۔

☆۶۔ حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما:۔

آپ کا نام ہند اور کنیت سلمہ تھی۔ والد کا نام ابی امیہ سہیل تھا۔ پہلے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ جمادی الآخر ۴ھ میں حضرت ابو سلمہ کا انتقال ہوگیا۔ (احد میں زخمی ہو کر شہادت پائی)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا شوال ۴ھ میں حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وفات پائی۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر ۸۴ برس تھی۔ یہ آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہیں۔ علمی اعتبار سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد ان ہی کا درجہ ہے۔

☆۷۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:۔

یہ قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتی تھیں اور رسول اکرم ﷺ کی پھوپھیری بہن (پھوپھی کی صاحبزادی) تھیں۔ ان کی شادی خود رسول اکرم ﷺ نے اپنے متبنیٰ اور غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے ساتھ کر دی لیکن دونوں میں نباہ نہ ہو سکا اور طلاق ہوگئی۔ خاتمہ عدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: (ترجمہ) ''جب زید نے ان سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے انہیں آپ ﷺ کی زوجیت میں دے دیا۔'' (سورۃ الاحزاب، آیت:۳۷)

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا۔ ۲۰ھ میں بعمر ۵۳ سال وفات پائی۔

☆۸۔ حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا:۔

بنو المصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں۔ جنگ میں گرفتار ہو کر آئیں۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا۔ اس رشتہ کا یہ اثر پڑا کہ مسلمانوں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے بنی المصطلق کے تمام لونڈی غلام آزاد کر دیئے۔ آنحضور ﷺ سے

شادی ۵ھ یا ۶ھ میں ہوئی۔ ۵۹ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

☆۹۔ حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا:۔

اصلی نام رملہ تھا اور ام حبیبہ کنیت سے مشہور تھیں۔ اپنے پہلے خاوند عبداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ ابن جحش وہاں عیسائی ہو گیا اور وہیں مر گیا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو آپ ﷺ نے نجاشی شاہ حبش کی وساطت سے ان کے پاس شادی کا پیغام بھیجا انہوں نے قبول کر لیا۔ نجاشی نے رسول اکرم ﷺ کی طرف سے مہر کی رقم ادا کی اور ولیمہ کیا۔ نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو شرجیل بن حسنہ کے ساتھ حضور سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا۔ انہوں نے ۴۴ھ میں انتقال کیا۔

☆۱۰۔ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا:۔

ان کے والد کا نام حارث تھا۔ یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ ان کی پہلی شادی مسعود بن عمرو کے ساتھ ہوئی تھی اس نے طلاق دے دی تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ عقد کر لیا۔ آپ ﷺ نے عمرہ قضا (۷ھ) کے وقت مقام سرف میں ان سے نکاح کیا۔ ان کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی۔

☆۱۱۔ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا:۔

یہ بنی اسرائیل سے تھیں۔ غزوۂ خیبر کے بعد آپ ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔ یہ پہلے سلام بن مشکم کی زوجہ تھیں۔ پھر کنانہ بن ربیع کے عقد میں آئیں۔ یہ جنگ خیبر میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ یہ فتح خیبر ۷ھ کے بعد کا واقعہ ہے۔ ان کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا۔ اس وقت آپؓ کی عمر ساٹھ برس تھی۔ آپؓ جنت البقیع میں دفن ہیں۔

☆ مذکورہ صدر گیارہ امہات المؤمنین ہیں جن کو شرف خانہ آبادی سے مشرف کیا گیا ان میں سے دو یعنی خدیجہ رضی اللہ عنہا و زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی عازم جنت ہوئیں باقی ۹ اُمہات المؤمنین کو چھوڑ کر آپ ﷺ نے انتقال فرمایا۔ دو بیویاں ایسی تھیں جن

سے خانہ آبادی کی نوبت نہیں آئی۔

۱۲-اسماء بنت نعمان کندیہ:-

ان سے آپ ﷺ نے نکاح کیا۔لیکن سفید داغ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کو ان کے خاندان کی طرف لوٹا دیا۔

۱۳-عمرہ بنت یزید کلابیہ:-

یہ جدید الاسلام تھیں۔جب رسول اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے طلاق کی خواہش کی۔آپ ﷺ نے ان کو ان کے خاندان کی طرف واپس بھیج دیا۔(تاریخ ابن خلدون و تاریخ طبری جلد اول)

☆ آپ ﷺ کے پاس مقوقس شاہ مصر نے ایک لونڈی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو بطور ہدیہ بھیجا ان سے آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے۔جو بچپن ہی میں ۲۸ یا ۲۹ شوال ۱۰ھ/27 جنوری 632ء کو مدینہ میں انتقال کر گئے۔

دوسری لونڈی ریحانہ رضی اللہ عنہا بنت زید تھیں۔یہ بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھیں رسول اکرم ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا تھا۔ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان دو لونڈیوں کے علاوہ مزید دو لونڈیوں کا ذکر کیا ہے جس میں سے ایک کا نام جمیلہ رضی اللہ عنہا تھا۔جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔اور دوسری کوئی اور لونڈی تھیں جنہیں زینب بنت جحش نے آپ ﷺ کو ہبہ کیا تھا۔

(زاد المعاد از علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ، جلد اول، ص:۲۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ اطہار

☆صاجزادے:-

۱-حضرت قاسم رضی اللہ عنہ:-یہ سب سے پہلی اولاد تھے۔ان کی پیدائش نبوت سے گیارہ برس پیشتر ہوئی۔بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ''ابوالقاسم'' ان کے نام پر تھی۔

۲-حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ[۱]،۳-حضرت طاہر رضی اللہ عنہ،۴-حضرت طیب رضی اللہ عنہ:-یہ چاروں فرزند حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور قبل نبوت وفات پا گئے۔

۵-حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ:-۸ھ میں پیدا ہوئے۔حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ڈیڑھ سال کی عمر میں وفات پائی۔(۲۸-۲۹ شوال ۱۰ھ/ 27 جنوری 632ء)

☆صاجزادیاں:-

۱-حضرت زینب رضی اللہ عنہا:ان کی شادی اپنے خالہ کے بیٹے ابوالعاص سے ہوئی تھی۔یہ لڑکیوں میں سب سے بڑی تھیں۔یہ قاسم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوئیں۔زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں ۸ھ میں وفات پائی۔ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی امامہ یادگار چھوڑی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امامہ سے اتنی محبت کرتے تھے کہ نماز کی حالت میں بھی ان کو جدا نہ کرتے تھے۔

۲-حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا:-ان کی شادی قبل از اسلام ابولہب کے لڑکے عتبہ کے ساتھ ہوئی

[۱] بعض سیرت نگار لکھتے ہیں کہ طاہرؓ اور طیب حضرت عبداللہؓ ہی کے لقب تھے۔

تھی۔ ظہورِ اسلام کے بعد ابولہب نے اپنی کینہ پروری میں عتبہ سے طلاق دلوادی۔ طلاق کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی۔ ان کا انتقال بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ۲ھ میں غزوۂ بدر کے زمانے میں ہوا۔ ان ہی کی تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بدر کی جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

۳۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا:۔ رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی شادی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ کے ساتھ ہوئی۔ انہیں بھی ابولہب نے طلاق دلوادی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دی۔ شادی کے چھ ۶ سال بعد تک زندہ رہیں۔ ۹ھ میں انتقال ہوا۔

۴۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا:۔ سب سے چھوٹی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جنگ بدر کے بعد یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ ان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ان کے پانچ بچے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، محسن، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا۔ محسن بچپن ہی میں وفات پا گئے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی محبت تھی مگر یہ محبت سونے چاندی کے زیورات اور اینٹ چونے کے مکانوں میں کبھی ظاہر نہیں ہوئی۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے کام کرتیں، مشک بھر کر پانی لاتیں، آٹا خود گوندھتیں اور کبھی اپنے ابا جان صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غلام یا لونڈی (کنیز) کی فرمائش کرتیں تو فرماتے کہ بیٹی یہ تسبیح پڑھ لیا کرو۔

ایک دفعہ جب بہت سی لونڈیاں اور غلام آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کی۔ فرمایا، جانِ پدر! بدر کے یتیم اور صفہ کے مسافر تم سے زیادہ مستحق ہیں۔

افلاس سے تھا سیدہ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا

سینے پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا

اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا

آخر گئیں جناب رسولِ خدا ﷺ کے پاس
یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذنِ عام تھا

محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کرسکیں نہ عرض
واپس گئیں کہ پاسِ حیا کا مقام تھا

پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضور ﷺ نے
کل کس لیے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا

غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں
حیدر رضی اللہ عنہ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا

ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن
جن کا کہ صفہ نبوی ﷺ میں قیام تھا

میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز
ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا

جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں
میں ان کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا

کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے ان کا حق
جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا

خاموش ہو کے سیدۂ پاک رہ گئیں
جرأت نہ کرسکیں کہ ادب کا مقام تھا

یوں کی ہے اہل بیت مطہر رضی اللہ عنہم نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیر الانام ﷺ تھا

محسن انسانیت ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں

یہ سرورِ عالم محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی عظمت ہے کہ اپنے ہی نہیں بیگانے بھی آپ ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی عظیم شخصیت، آپ ﷺ کا خلق عظیم اور آپ ﷺ کی سیاسی اور تاریخی عظمت ایسے حقائق ہیں جن کا علم ہونے پر کوئی غیر مسلم بھی اپنے تعصبات میں قید نہیں رہ سکتا۔

۱- پروفیسر لیونارڈ (Prof. Leonard) اپنے ایک مقالے میں لکھتا ہے کہ:
''حضرت محمد ﷺ سے بڑھ کر کوئی مخلص اور سچا آدمی پیدا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ ذکاوت اور اخلاص کے پیکر تھے''۔

۲- نپولین بوناپارٹ (Napoleon Bonaparte) محسن انسانیت آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے: ''محمد ﷺ کی ذات ایک مرکز ثقل تھی جس کی طرف لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ ان ﷺ کی تعلیمات نے لوگوں کو اپنا مطیع و گرویدہ بنا لیا اور ایک گروہ پیدا ہو گیا جس نے چند ہی سالوں میں اسلام کا غلغلہ نصف دنیا میں بلند کر دیا۔ اسلام کے ان پیروؤں نے دنیا کو جھوٹے خداؤں سے چھڑا لیا۔ انہوں نے بت سرنگوں کو دیئے۔ موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں نے پندرہ سو سال میں کفر کی نشانیاں اتنی منہدم نہیں کی تھیں جتنی ان متبعین اسلام نے صرف پندرہ سال میں کر دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد ﷺ کی ہستی بہت ہی بڑی تھی''۔

(''بوناپارٹ اور اسلام'' از شیفلو (پیرس، فرانس ۱۹۱۴ء) صفحہ ۵-۱ بحوالہ تاریخ اسلام)

۴۔ ایک بھارتی غیر مسلم ''راما کرشنا راؤ (Rama Krishnarao) اپنی کتاب ''محمد ﷺ'' میں لکھتا ہے کہ: ''آنحضرت کی شخصیت کے کل تک تو پہنچنا مشکل ہے میں حضور پاک ﷺ کی صرف ایک جھلک دیکھ سکتا ہوں۔ خوبصورت مناظر کا کیا خوبصورت سلسلہ ہے۔ آپ ﷺ جرنیل ہیں' آپ ﷺ بادشاہ ہیں' آپ ﷺ سپہ سالار ہیں' آپ ﷺ تاجر ہیں' آپ ﷺ داعی ہیں' آپ ﷺ فلاسفر ہیں۔ آپ ﷺ خطیب ہیں' آپ ﷺ مصلح ہیں' آپ ﷺ یتیموں کی پناہ گاہ ہیں' آپ ﷺ عورتوں کے نجات دہندہ ہیں' آپ ﷺ جج ہیں' آپ ﷺ ولی ہیں' یہ تمام اعلیٰ عظیم الشان کردار ایک ہی شخصیت کے ہیں۔ ہر شعبہء زندگی کے لئے آپ ﷺ کی حیثیت مثالی ہے''۔ مصنف مذکورہ مزید لکھتا ہے کہ ''آپ ﷺ کے کارنامے کسی ایک شعبہء زندگی تک محدود نہیں ہیں بلکہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہیں۔ مثال کے طور پر کسی قوم کی اصلاح کرنا عظمت کی علامت ہے تو اس کا سہرا آنحضرت ﷺ کے سر سجتا ہے۔ عرب قوم بربریت کا شکار تھی اور اخلاقی پسماندگی کی ایسی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے اس کی کایا پلٹ دی۔ ہیئت بدل دی اور پوری قوم کو سربلند کر دیا۔ اگر عظمت معاشرے کے منتشر عناصر کو بھائی چارے اور اخوت میں پرو دینے کا نام ہے تو یہ اعزاز بھی اللہ کے رسول ﷺ کیلئے خاص ہے۔ اگر عظمت شکوک و توہمات اور لایعنی رسومات سے نجات دینے کا نام ہے تو رسول اکرم ﷺ نے کروڑوں انسانوں کو بے معنی خوف اور بے بنیاد رسومات سے نجات دلائی۔ اگر عظمت اعلیٰ ترین کردار کے مظاہرے کا نام ہے تو آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دوستوں اور دشمنوں نے ''الصادق اور الامین'' قرار دیا۔ اگر فاتح عظیم ہوتا ہے تو ہمارے سامنے ایک ایسا شخص ہے جو بے سہارا یتیم اور عام انسان کے درجے سے بلند ہو کر عرب کا حکمران بن جاتا ہے۔ ایک ایسا حکمران جس نے ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد رکھی جو آپ ﷺ کے چودہ سو برس بعد بھی قائم ہے۔ اگر عظمت کا معیار قائد سے اس کے پیروؤں کا لگاؤ اور عشق ہے تو آپ ﷺ کا نام دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کروڑوں

چاہنے والوں کے دلوں کیلئے آج بھی طلسماتی کشش رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایتھنز، ایران، روم، ہندوستان یا چین کے مکتبوں سے فلسفہ کی تعلیم حاصل نہ کی تھی اس کے باوجود آپ ﷺ انسانیت کے سامنے ابدی سچائیاں اور اصول پیش کرتے رہے۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود آپ ﷺ اس فصاحت اور لطافت سے گفتگو فرماتے کہ فرط تاثر سے سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے"۔

☆۴۔ معروف خاتون مفکر ڈاکٹر مسز اینی بیسنٹ (Dr.Mrs. Annie Besant)

نے 1912ء میں ایک "تصوف کانفرنس" میں حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا ہے:

"جہاں تک اسلام کے بانی کا تعلق ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کی تاریخ میں علم الاصنام کا وہ عنصر نہیں پایا جاتا جس نے دوسرے بڑے مذہبی پیشواؤں کی زندگیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی ایک ایسے زمانے میں بسر ہوئی تھی، جسے تاریخی زمانہ کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی اپنے خدوخال کے اعتبار سے کس قدر سادہ، کس قدر بہادرانہ تھی۔ تاریخی آدمیوں کی عظیم الشان زندگیوں میں سے ایک۔ آپ ﷺ تاریخ کے ایک کٹھن دور میں پیدا ہوئے تھے جو سرتاپا اوہام پرستی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

ہمیں آپ ﷺ کی زندگی اس قدر شریفانہ اور اس قدر سچی نظر آتی ہے کہ ہم فوراً معلوم کر لیتے ہیں کہ کیوں آپ ﷺ کو اپنے گردوپیش لوگوں تک اپنے خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کیلئے منتخب کیا گیا تھا۔ مکہ کے تمام مرد، عورتیں اور بچے آپ ﷺ کو "الامین" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ یعنی صادق، دیانتدار، مجھے اس سے زیادہ پائے کا اور زیادہ شریفانہ اور کوئی لقب نہیں ملتا جس سے وہ اس شخص کو پکارا کرتے تھے"۔ (The Life and Teachings of Muhammad p,4-9)

۵۔ ہٹلر (Hitler)

اپنی کتاب "Mein Kamp" میں لکھتا ہے کہ عظیم خیالات پیش کرنے والا کبھی کبھار ہی عظیم قائد ہوتا ہے۔ احتجاج کرنے والے میں ان صفات کے پیدا ہونے کا زیادہ امکان ہے وہ

ایک بہتر قائد ثابت ہوسکتا ہے۔ قیادت کا تو مطلب ہی انسانوں کے مجمع کو حرکت میں لانے کی صلاحیت ہے۔ خیالات پیدا کرنے اور قیادت کرنے کی صلاحیت میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے اس کا یہ بھی کہنا ہے "نظریاتی مفکر، منتظم اور قائد کا ایک شخص میں جمع ہو جانا اس زمین پر شاذ و نادر ممکن ہے۔ یہی اصل عظمت ہے۔ دنیا نے پیغمبر اسلام کی ذات میں یہ شاذ عمل دیکھ لیا ہے۔

☆٦- پنڈت گوپال کرشن (Pandat Gopal Krishan) ایڈیٹر بھارت سماچار ممبئی "مہارِش" کے عنوان سے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ یوں بیان کرتے ہیں:

"رشی محمد ﷺ صاحب کی زندگی پر جب ہم وچار کرتے ہیں تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ایشور نے ان ﷺ کو سنسار سدھارنے کیلئے بھیجا تھا۔ ان کے اندر وہ شکتی موجود تھی جو ایک گریٹ Great ریفارمر (مصلح اعظم) اور ایک مہارِش (ہستیِ اعظم) میں ہونی چاہیے۔ وہ عرب کے فاتح اعظم تھے مگر مفتوح اقوام کے لئے پیغام رحم و کرم تھے۔ آپ ﷺ کی تعلیم میں ایک چمکتا ہوا ستارہ یہ بھی ہے کہ وہ ﷺ امیر و غریب کو ایک ہی سطح پر زندگی بسر کرنے کا ڈھب سکھلاتے تھے۔ آپ ﷺ کا قول تھا کہ غریب کے پہلو میں بھی دل ہے جو اچھے سلوک سے خوش اور برے سلوک سے ناخوش ہوتا ہے"۔

راما کرشنا راؤ (Rama Krishna rao)

مزید رقمطراز ہے کہ فتح مکہ کے بعد دس لاکھ مربع میل سے زائد علاقہ آپ ﷺ کے زیر نگیں آ چکا تھا۔ آپ ﷺ شہنشاہ عرب تھے لیکن اپنے جوتے اور کپڑے خود ہی ٹھیک کر لیتے تھے۔ اپنی بکریوں کا دودھ خود دوہ لیا کرتے تھے، چراغ جلا لیا کرتے تھے اور روزمرہ گھریلو کام کر لیا کرتے تھے۔ مدینہ کا پورا قصبہ جہاں آپ ﷺ نے زندگی گزاری آپ کی زندگی کے آخری حصے میں خوشحال ہو چکا تھا۔ ہر طرف سونا اور چاندی کی بہتات تھی لیکن خوشحالی کے اس دور میں شہنشاہ عرب ﷺ کے گھر کئی کئی روز تک چولہا نہ جلتا تھا اور آپ ﷺ کی خوراک پانی اور کھجوروں پر ہی مشتمل رہتی۔ آپ ﷺ کے گھر والے مسلسل کئی کئی راتیں فاقہ کشی میں گزار دیتے کیونکہ گھر میں شام کو کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ سارے دن کی طویل مصروفیت کے بعد آپ ﷺ کسی نرم بستر پر نہیں بلکہ کھجور کی چٹائی پر آرام فرماتے۔ رات کا بیشتر وقت

آپ ﷺ اپنے رب کے حضور دعاؤں میں رو رو کر گزارتے۔ روایات کے مطابق روتے روتے آپ ﷺ کی آواز رندھ جاتی اور یوں محسوس ہوتا کہ ہانڈی چولہے پر رکھی ہوئی ہے اور ابل رہی ہے۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو آپؐ کے ترکے میں چند درہم تھے جس کا ایک حصہ ایک قرض کی ادائیگی میں اور بقیہ ایک حاجت مند کو دے دیا گیا جو دروازے پر آ گیا تھا۔ جس لباس میں آپ ﷺ نے آخری سانس لی اس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کے گھر میں تاریکی تھی اور جس گھر نے ساری کائنات میں روشنی پھیلائی تھی۔ اس گھر میں اس لئے اندھیرا تھا کہ چراغ میں تیل نہ تھا۔ فتح ہو یا شکست، طاقت ہو یا محکومی، خوشحالی ہو یا تنگ دستی، آپ ﷺ کی ایک شخصیت تھی اور آپ ﷺ نے ایک ہی کردار کا مظاہرہ فرمایا۔ جس طرح اللہ کے طریقے اور قوانین تبدیل نہیں ہوتے اسی طرح اس کے نبی بھی نہیں بدلتے''۔

☆۷۔ مشہور یورپین محقق ''لین پول'' (Stanley Lane Poole) رقمطراز ہے کہ:

> محمد ﷺ نہایت بااخلاق اور رحمدل بزرگ تھے۔ ان ﷺ کی بے ریا خدا پرستی، عظیم فیاضی مستحق تعریف ہے۔ آپ ﷺ اس قدر انکسار پسند تھے کہ بیماروں کی عیادت کو جایا کرتے تھے۔ غلاموں کی دعوت قبول کر لیتے۔ غریبوں سے زیادہ محبت کرتے اور اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔ بیشک آپ ﷺ مقدس پیغمبر تھے''۔

(THE SPEECHES AND THE TABLE TALK OF THE PROPHET MUHAMMAD)

☆۸۔ ایک اور مصنف "JOSEPH SCHACHT"

نے آپ ﷺ کی کامیابیوں کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

''حضور اکرم ﷺ کو اپنی رسالت کی صداقت پر جو پختہ یقین تھا وہ ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت کا جو پہلو نہایت شدت سے ابھرا وہ آپ ﷺ کا دلی جذبہ تھا۔ جب اس کا امتزاج آپ ﷺ کی غیر معمولی سیاسی صلاحیتوں سے ہوا تو آپ ﷺ کی رسالت دنیا میں ہی کامیابی سے ہمکنار ہوگئی۔ مکے میں آپ ﷺ کا صبر واستقلال اور مدینے

میں آپ ﷺ کے مدبرانہ اعمال اور منصوبے' یہ سب آپ ﷺ کی اس نظریاتی جدوجہد کے مظاہر تھے جس کیلئے آپ ﷺ ساری عمر انتھک کوشش کرتے رہے۔ آپ ﷺ کی غیر معمولی شخصیت نے' جس کے اثر و نفوذ نے آپ ﷺ کی کامیابی کی راہیں ہموار کیں' اسلام پر اپنے انمٹ اثرات چھوڑے ہیں''۔

☆ ۹- انگلستان کا مشہور اہل قلم مسٹر تھامس کارلائل

(MR. THOMAS CARLYLE)

لکھتا ہے کہ:

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب نہایت صاف وشفاف اور ان ﷺ کے خیالات ہوا و ہوس سے بے لوث تھے۔ وہ ﷺ نہایت سرگرم ریفارمر اور باخدا بزرگ تھے۔ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کامیاب نظر آتی ہے''۔ (ON HEROES, HERO WORSHIP AND THE HEROIC IN HISTORY, P-61)

☆ ۱۰- مسٹر گبن "MR.E.GIBBON"

لکھتے ہیں: ''ہر انصاف پسند شخص یہ یقین کرنے پر مجبور ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و ہدایت خالص سچائی اور خیر خواہی پر مبنی تھی''۔

(History of the Saracene Empire, P-17)

☆ ۱۱- مشہور روسی محقق'' کاؤنٹ ٹالسائی' (KAUNT TALSAI)

رقمطراز ہے:

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مصلح عظیم بن کر آئے اور آپ ﷺ میں ایسی برگزیدہ قوت پائی جاتی تھی جو کہ قوت بشری سے بہت زیادہ ارفع و اعلیٰ تھی''۔

اقوام مشرق کے افکار و عادات میں رسول اکرم ﷺ کی سیرت اور تعلیمات نے جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مصنف

☆" باسورتھ سمتھ" (BOSWORTH SMITH)

لکھتا ہے کہ:

"صبح دم موذن کی آواز "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" ہر روز اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جہاں جہاں بھی رسول عربی ﷺ کا پیغام پہنچا اس کا مشرق کی روایتی سستی اور آرام پرستی پر گہرا اثر پڑا۔ یہ دعوت آج بھی گواہی دیتی ہے کہ محمد ﷺ کو دنیا میں اللہ کی حکومت کے قیام پر اور انسان کی آزادیٔ فکر پر کتنا گہرا یقین تھا۔

("MUHAMMAD AND MUHAMMADANISM" P-138, BY BASWORTH SMITH)

☆۱۳- جارج برناڈشا (GEORGE BERNADSHA)

لکھتا ہے:

"ازمنۂ وسطیٰ میں عیسائی راہبوں نے اپنی جہالت اور تعصب کی وجہ سے مذہب اسلام کی بڑی بھیانک تصویر پیش کی ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے مذہب کے خلاف باضابطہ تحریک چلائی۔ میں نے ان باتوں کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہستی عظیم تھے اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ"۔

ڈاکٹر جی ڈبلیو لیٹنر (DR. G.W. LEITNER)

لکھتا ہے: "(ترجمہ) قرآن کی رو سے کسی شخص کو قیدی نہیں بنایا جا سکتا۔ ماسوائے خون آشام معرکے کے خاتمہ پر اور مذہبی جنگ (جہاد) کے دوران جوان کفار ومشرکین کے خلاف لڑی گئی ہو جو سچے دین کو دبانے کیلئے کوشاں ہوں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں لفظ غلام مذکور ہوا اس کا ذکر "وہ جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں" یا "گردن چھڑانے" کے خصوصی معنوں میں یعنی جس کی دوران جنگ جان بخشی کی گئی صراحت کے ساتھ "جنگی قیدی" پر دلالت کرتا ہے جو کسی فرد واحد نہیں بلکہ بیشتر افراد کی کارروائیوں کے نتیجے میں ہوا۔

پیغمبر عربی ﷺ نے ازراہ تلقین کہا ''جب جنگ اپنے اختتام کو پہنچ جائے تو ان (غلاموں یا قیدیوں) کو آزاد کردو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو''۔

(MUHAMMADANISM, P-17)

☆۱۵- ایچ او آرمسٹرانگ (H.O.ARMSTRONG)

لکھتا ہے: (ترجمہ) ''عرب کی سرزمین بوجوہ الگ تھلگ اور گمنام رہی کیونکہ وہ رحم و مروت اور دوستداری کے جذبات سے ناآشنا ملک تھا اور اس کے باسی بھی اتنے ہی بے رحم اور ظالم تھے جتنا کہ ان کی زمین دیہاتی اور بدو دونوں مشقت اور خطروں بھری زندگی بسر کرتے تھے وہ مذہب سے بیگانہ، وحشی، غلیظ عسرت زدہ اور گھٹیا عادات رکھنے والے لوگ تھے۔ جنسی معاملات میں وہ حیوانوں کی سطح پر تھے ان میں کسی قسم کی شرم وحیا، انس پذیری اور وضعداری نام کو بھی نہیں تھی۔ ان کا شیرازہ بکھر کر چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا تھا اور وہ مسلسل ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے۔ وہ وحشیوں اور جنگلی جانوروں کی طرح کسی طرز نو کی حامل نامانوس اجنبی چیز سے بدکتے تھے۔ یکایک اس عفریت آشنا بدنظمی میں مبتلا ماحول سے ایک ایسا بطلِ جلیل منصۂ شہود پر نمودار ہوا جو ایک عظیم مذہب کا داعی بن کر سامنے آیا۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر اسلام تھا۔ اسلام نے عربوں کی از سر نو شیرازہ بندی کردی اور انہیں متحد کر کے ایک قوم بنا دیا۔ محمد ﷺ نے ان کے اندر ایمان کی عظیم طاقت بھر دی۔ ان کی طاقت میں سریع الرفتاری سے اضافہ ہوتا گیا اور دس سالوں کے اندر پورا عرب ان کے زیر نگیں آ گیا۔

(LORD OF ARABIA)

☆۱۶- جان ڈیون پورٹ (JOHN DAVENPORT)

لکھتا ہے:

(ترجمہ) ''محمد (ﷺ) جاہ وجلال کو ناپسند کرتے تھے اور راہب نہ ہوتے ہوئے بھی انتہائی کفایت شعاری اور پس اندازی کی زندگی بسر کرتے۔ ان کے رہن سہن کا انداز بہت سادہ مشہور ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس بات کو تسلیم نہ کیا جائے۔ وہ انتہائی ادنیٰ اور چھوٹے سے چھوٹے کام بھی اپنے ہاتھوں سے کرنے میں عار

نہیں سمجھتے تھے اور راسخ العقیدہ پاکیزہ مذہبی زندگی گزارنا ان کا طرہ امتیاز تھا۔ ان کا فرمان تھا کہ وحی الٰہی کی رو سے ان کیلئے سونا یا ریشم پہننا حرام ہے"۔

☆ ۱۷۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں ہے:

''حضرت محمد (ﷺ) تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیات میں کامیاب ترین انسان تھے''۔ لیکن یہ کوئی حادثاتی کامیابی نہیں تھی اور نہ ہی یہ کوئی نعمت غیر مترقبہ تھی۔ یہ اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ آپ اپنے معاصرین کی نظر میں ایک سچے اور کھرے انسان تھے اور یہ کہ آپ ﷺ ایک قابل ستائش اور جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔"

قارئین محترم! ان چند اقتباسات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا بے تعصبی سے مطالعہ کرتا ہے تو بے ساختہ آپ ﷺ کی عظمت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آج انسان بے شمار روحانی، مادی اور معاشرتی مسائل کا شکار ہے۔ ان جملہ روحانی و معاشرتی مسائل کا حل سیرت طیبہ کے عملی پہلوؤں کو اجاگر کرنے میں مضمر ہے۔

آمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق بشارات الہامی کتب وصحائف میں!

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق ومستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یسین، وہی طٰہ

قرآن حکیم اور کتب احادیث مبارکہ کے علاوہ رسول رحمت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ، مبشرات اور شمائل وخصائل وغیرہ الہامی صحائف تورات، زبور، انا جیل اور دیگر مذاہب کی کتب مقدسہ میں موجود ہیں۔ ان میں آپ ﷺ کی بحیثیت پیغمبر آخر الزماں بعثت کی پیش گوئیاں کی گئی ہیں۔ ان میں آپ ﷺ کو ایسے مدحیہ انداز میں سراہا گیا ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی اور پیغمبر کیلئے اختیار نہیں کیا گیا۔

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

ان میں آپ ﷺ کو ایسے توصیفی اسماء والقاب سے بھی یاد کیا گیا ہے جو آپ ﷺ سے پہلے کسی دوسرے پیغمبر کیلئے بیان نہیں کئے گئے۔

قارئین محترم! ان تمام مبشرات کی وضاحت وصراحت سے ایسی جامع شہادتیں ملتی ہیں کہ جن کے مصداق نبی کریم ﷺ ہی قرار پاتے ہیں۔ قرآن وحدیث سے بھی ان مبشرات کی تائید وتوثیق ہوتی ہے۔

☆ قرآن حکیم میں الہامی صحائف میں مذکور مبشرات:

قرآن حکیم میں بڑے واضح الفاظ میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کی بعثت کی بشارات تورات اور انجیل میں موجود ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

(ترجمہ) ”وہ رسول نبی امی جس کو اہل کتاب تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں“۔ (سورہ الاعراف ۱۵۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو نبی کریم ﷺ کی بشارت دی۔ قرآن حکیم میں ہے:

(ترجمہ) ”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم علیہا السلام کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں“۔ (سورہ الصف۔۶)

کئی اور مقامات پر بھی قرآن حکیم نے آپ ﷺ کی تشریف آوری کی تورات اور انجیل کے حوالے سے نشاندہی کی ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیات ۵۵، ۵۶، ۶۳، ۸۹ سورۃ المائدہ کی آیات ۶۶، ۶۸ اور سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۱ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) ”اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ وعدہ لیا کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے۔ پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ۔ سب نے عرض کی۔ ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور تمہارے ساتھ میں گواہوں میں سے ہوں“۔ (سورۃ آل عمران آیت ۸۱)

ابن ابی حاتم نے سدی سے اس آیت کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جو بھی نبی بھیجا اس سے یہ میثاق (پختہ وعدہ) لیا کہ وہ محمد ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے پختہ وعدہ لیا کہ اگر اس کی موجودگی میں حضور خاتم الانبیاء ﷺ تشریف لائیں تو اس نبی پر لازم ہے کہ وہ حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان لا کر آپ ﷺ کی امت میں شمولیت کا شرف حاصل کرے اور ہر طرح سے حضور ﷺ کے دین کی نصرت و تائید کرے اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام نے یہی عہد اپنی اپنی امتوں سے لیا۔

(جواہر البحار فی فضائل النبی المختار از امام یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ)

اس میثاق کے مطابق یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر پیغمبر نے اپنے اپنے عہد میں سرور عالم ﷺ کی آمد کی خبر اپنی امت کو دی اور انہیں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری پر ایمان لانے کی تاکید کی۔ قدیم صحائف تحریف اور ردوبدل کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ توریت، زبور اور انجیل میں آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کی بشارات موجود ہیں۔

احادیث نبوی ﷺ میں الہامی صحائف میں مذکور مبشرات:

احادیث نبوی ﷺ میں بھی الہامی صحائف میں مذکور مبشرات کا ذکر ملتا ہے۔ خالد بن معدان الکلاعی سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں''۔

(سیرت النبی ﷺ کامل۔ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ)

ابن سعد، جویر سے اور وہ ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میری آمد کی میرے باپ ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت دعا مانگی جب وہ بیت اللہ کی بنیادیں رکھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی''۔

ابن عساکر، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے کہا گیا کہ آپ ﷺ اپنے بارے میں بتلایئے فرمایا ہاں ''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور میری آمد کی بشارت سب سے آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہا السلام نے دی ہے''۔

(خصائص الکبریٰ، از علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

تورات (THE OLD TESTAMENT) میں بشارات مصطفیٰ ﷺ:

''تورات'' حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ۱۴۵۰ ق۔م کے لگ بھگ نازل ہوئی۔ تورات زبور اور انجیل ان تینوں کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا ملتا ہے اور ان کے ماننے والوں کو اہل کتاب کا خطاب دیا گیا ہے۔ تورات آج کل بائبل (Bible) میں ہے۔ تورات کے پانچ حصے ہیں۔ ان میں سے پانچویں کتاب ''استثناء'' میں ہے۔

(ترجمہ) ''آیا رب پہاڑ سینا سے اور روشن ہوا ساعیر سے اور ظاہر ہوا فاران کے پہاڑ سے''۔ (پیدائش۔۲۱:۱۹ تا ۲۱۲)

اس آیت میں تین جلیل القدر پیغمبروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوہ سینا پر تورات اتری' ساعیر پہاڑ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل ملی اور فاران کے پہاڑ پر محمد مصطفیٰ ﷺ پر نزول قرآن ہوا۔ یہ پہاڑ مکہ معظمہ کے قریب ہے جس میں غار حرا واقع ہے۔ فاران یا پاران اس پہاڑی کا نام ہے جو مکہ کے نزدیک ہے۔

(اسلام اور دنیا کے مذاہب از جی این امجد)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ''میں ان کیلئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا' اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا' نہ سنے گا تو اس کا حساب اس سے لوں گا''۔ (تورات باب ۱۸' آیت ۱۸-۲۰)

یہ بشارت بالکل واضح ہے بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل کے سوا اور کون ہو سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بنی اسماعیل میں ہوگا اور تجھ سا ایک نبی سوائے نبی کریم ﷺ اور کسی پر صادق ہی نہیں آ سکتا کیونکہ تورات خود اس کی گواہی دے رہی ہے کہ بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ علیہ السلام کے مانند ہوا ہی نہیں''۔ پھر قائم نہ ہوا کوئی نبی' بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے مانند' جس نے پہچانا ہو اللہ کو دوبدو''۔ (استثناء ۲' باب ۳۴' درس ۱۰)

تورات میں ایک اور جگہ مذکور ہے: ''اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ کہہ کر بلوایا کہ تم سب ایک جگہ جمع ہو جاؤ تا کہ میں تم کو بتاؤں کہ آخری دنوں میں تم پر کیا گزرے گی۔ اے

یعقوب کے بیٹو! جمع ہو کر سنو اور اپنے باپ اسرائیل کی طرف کان لگاؤ۔ یہوداہ کی سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا۔ جب تک شلوہ نہ آئے پھر لوگ اس کے اردگرد جمع ہو جائیں گے۔ (تورات' باب پیدائش ۴۹)

''شلوا'' یا ''شلوہ'' کے معنی میں لوگ اختلاف کرتے ہیں' اس آیت کی وضاحت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بادشاہت کے بعد حضرت محمد ﷺ تشریف لائیں گے اور ان دونوں پیغمبروں کے بعد جو اس دنیا میں کتاب و قانون لائے وہ آنحضرت ﷺ ہیں۔

''اشعیاہ'' کی صحیح تورات باب ۴۱ میں مذکور ہے۔ ''اے جزیرے والو! خاموش ہو جاؤ اور سب قبیلے اپنی اپنی قوت کی ازسرنو تنظیم کر لیں اور باہم مل جائیں پھر اس بارے میں مشورہ کریں کہ ہم سب مل کر فیصلہ کیلئے اس ہستی کے سامنے پیش ہو جائیں جو مشرق سے نمودار ہوگی اور فتح و نصرت اس کے قدم چومے گی۔ اس کے سامنے دوسری قومیں ہیچ ہو جائیں گی۔ دنیا کے بادشاہوں پر اس کا غلبہ ہو جائے گا۔ وہ انہیں اپنی تلوار سے کاٹ کر مٹی میں ملا دے گا اور اپنے تیر و کمان سے شکست دے کر خشک گھاس کی طرح کر دے گا۔ وہ انہیں اپنی تلوار سے ہٹا دے گا اور خود اس راستے سے صحیح و سالم گزر جائے گا جس پر کوئی دوسرا نہ چلا ہوگا۔ وہ ابتدائی انسانی نسلوں کے سامنے اس کا مدعی ہوگا کہ میں ہی پہلا رب ہوں اور بعد کو آنے والی نسلوں سے کہے گا کہ میں ہی پہلا رب ہوں''۔ اس میں قبائل سے مراد عرب کے قبائل ہیں اور تلوار و کمان والے حضرت محمد ﷺ ہیں اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی کسی سے جنگ نہیں کی''۔

(محمد ﷺ رسول اللہ از شیخ محمد رضا)

تورات میں مذکور وصف مصطفیٰ ﷺ:

حضرت عبداللہ بن سلام راوی ہیں کہ تورات میں آپ ﷺ کا وصف اس طرح مذکور ہے: ''اے نبی! ہم نے آپ ﷺ کو شاہد' مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپ نہ ترش رو ہیں اور نہ سخت مزاج ہیں اور نہ بازاروں میں جھگڑنے والے ہیں۔ آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ درگزر فرما

دیتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت تک نہیں اٹھائے گا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی تعلیم سے امت درست نہ ہو جائے اور وہ سب "لا الہ الا اللہ" نہ کہہ لیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ذریعے سے اندھی آنکھوں کو بینا بناتا' بہرے کانوں کو سننے کے قابل بناتا اور تالے پڑے ہوئے دلوں کو کھولتا ہے"۔ (خصائص الکبریٰ جلد اول صفحہ ۳۱)

تورات نے حضرت حبقوق کے اس بیان کی تصدیق کی ہے کہ پروردگار فاران کی پہاڑیوں سے قوت کے ساتھ آیا تو نام احمد ﷺ کی تسبیح سے آسمان معمور ہو گئے اور اس کی امت کا سمندروں پر تصرف ایسا ہی ہوگا جیسا خشکی پر وہ ایک ایسی نئی کتاب لے کر آئے گا جس کا تعارف بیت المقدس کی تقریب کے بعد ہوگا۔ (شواہد النبوۃ از حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نقشبندی ﷫) اور حضرت سلیمان نے تورات میں حضور ﷺ کی آمد کی پیش گوئی ان الفاظ میں فرمائی: "مہر نبوت ان کی پشت پر ہوگی اور ان کا نام احمد ہوگا۔ (تورات' یسعیاہ' باب ۴۲)

تورات میں آپ ﷺ کے دار الہجرت کا ذکر:

تورات میں آپ ﷺ کے دار الہجرت کا ذکر بھی موجود ہے اور اس کے آثار وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ارکان حج ادا کرنے کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اس سفر میں بنی اسرائیل کی کثیر تعداد (جماعت) آپ علیہ السلام کے ہمراہ تھی۔ حج سے لوٹتے وقت ان لوگوں کا گزر مدینہ طیبہ کی سرزمین پر ہوا اور اس مقام میں وہ تمام آثار و اوصاف موجود دیکھے جو نبی آخر الزمان ﷺ کے وطن میں توریت کی پیش گوئی کے مطابق ہونا چاہئے تھے تو ان میں سے ایک گروہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی ترک کرنے کے متعلق مشورہ کیا اور جدا ہو کر اس مقام پر مقیم ہو گئے۔ (تاریخ مدینہ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی ﷫)

☆ تبع بادشاہ اور احترام مدینہ:

تبع نے جب مدینہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو اس وقت یہود کے بعض علماء اس کے سامنے آئے اور کہا کہ یہ شہر حفاظت الٰہی میں محفوظ ہے اس کو کوئی شخص برباد نہیں کر سکتا۔ ہم نے اپنی کتاب میں اس کے اوصاف پڑھے ہیں اور اس کا نام طیبہ ہے۔ یہ پیغمبر آخر الزماں کا دار الہجرت ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے۔ آپ اس کی ویرانی سے باز

رہیں۔ علماء یہود کی باتوں سے اس نے نصیحت پکڑی اور چار سو علماء توریت نے اسے چھوڑ کر مدینہ منورہ میں نبی آخرالزمان ﷺ کی صحبت کیلئے اقامت اختیار کی۔ تبع نے ان میں سے ہر ایک کیلئے ایک ایک مکان تعمیر کرا دیا اور مال کثیر دے دیا اور ایک کتاب لکھی جس میں اپنے اسلام لانے کی شہادت کا اظہار کیا۔ یہ کتاب مہر کر کے اس جماعت کے سب سے بڑے عالم کے سپرد کر کے وصیت کر دی کہ اگر وہ نبی آخرالزمان ﷺ کا زمانہ پائے تو وہ یا پھر ان کی اولاد اسی طرح آگے منتقل کرتی رہے۔ اس کتاب میں دیگر اشعار کے علاوہ یہ شعر بھی ہے:

شھدت علی احمد انہ ــــ ''گواہی دیتا ہوں میں اوپر احمد کے' کہ بے
رسول من اللہ باری النسم ــــ شک وہ رسول ہیں اللہ کی جانب سے وہ اللہ جو پیدا کرنے والا ہے روحوں کا''۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کے لئے بھی ایک مکان تعمیر کرایا تا کہ مدینہ تشریف آوری کے وقت اس میں نزول فرمائیں۔ علمائے یہود میں سے ایک کو اس کا متولی بنا دیا۔ حضور اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں قدم رنجہ فرمایا اور یہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں سے ہیں۔ اہل مدینہ میں سے جن لوگوں نے حضور ﷺ کی مدد کی وہ انہی علماء کی اولاد میں سے تھے۔

(تاریخ مدینہ صفحہ ۵۷)

زبور (THE PSALMS OF DAVID) میں بشارات مصطفی ﷺ:

زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر ۱۰۰۰ ق۔م کے قریب نازل ہوئی۔ حضرت داؤد نے آپ ﷺ کے نزول کی خبر دی اور وحی الٰہی کے تحت اس شہر کا بھی تعین کر دیا۔ جہاں آنحضور ﷺ مبعوث ہونے والے تھے۔ زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں:

''مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں بستے ہیں' وہ سدا تیری حمد کریں گے۔ وہ بکہ کی وادی سے گزرتے ہوئے ایک کنواں بناتے ہوئے۔

(زبور باب ۸۴ آیت ۶تا۵)

☆ یہاں بکہ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ ''مارگولیوتھ'' (MARGOLIUTH) نے بھی

گواہی دی ہے کہ زبور کا بکہ' عرب کے مکہ مکرمہ کے سوا اور کوئی جگہ نہیں۔

(النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم از مناظر احسن گیلانی)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت وہب بن منبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خوشخبری دی: "اے داؤد تمہارے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ جس سے میں کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور وہ کبھی میری نافرمانی نہیں کرے گا۔ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے۔

(خصائص الکبریٰ' جلد اول صفحہ ۲۹)

انجیل (THE NEW TESTAMENT) میں بشارات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ۵۷۱ سال پہلے نازل ہوئی۔ انجیل مقدس پانچ انجیلوں کی صورت میں ملتی ہے:

۱۔متی کی انجیل ۲۔لوقا کی انجیل ۳۔مرقس کی انجیل ۴۔یوحنا کی انجیل

اور ۵۔برنباس کی انجیل۔

آج کل قدیم ترین انجیل چوتھی یا پانچویں صدی کی ملتی ہے وہ بھی یونانی زبان میں ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کی زبان "آرامی" تھی۔

انجیل متی:

انجیل متی میں حضرت یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کی زبانی اس طرح مرقوم ہے:

"میں تو تم کو توبہ کیلئے پانی سے بپتسمہ "BAPTISMA" دیتا ہوں (عیسائی مذہب کی ایک رسم جس میں بچے کی پیدائش پر اس کے سر پر مقدس پانی کے چھینٹے ڈال کر اسے عیسائی مان لیا جاتا ہے) لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے۔ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا"۔ (باب ۳' آیت ۱۸)

حضرت مسیح علیہ السلام نے ان بارہ (رسولوں) کو بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا۔ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی

بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے"۔

(متی باب۔۱۰ آیت ۱۶)

یہ آسمان کی بادشاہی سے مراد نبی کریم ﷺ کی بعثت تھی یعنی "یہ لوگ اندھیرے میں بیٹھے تھے۔انہوں نے بڑی روشنی دیکھی اور جو موت کے ملک میں بیٹھے تھے ان پر روشنی چمکی"۔

(متی باب ۴' آیت ۱۶)

یہی وجہ ہے کہ آج حضور اکرم ﷺ کا ابدی پیغام بنی نوع انسان کے لئے مشعل راہ سے بڑھ کر ہے۔

انجیل لوقا:

انجیل لوقا میں انجیل متی کی پہلی بشارت حرف بحرف موجود ہے"۔لوقا باب ۳' آیت ۱۶-۱۷)

انجیل مرقس:

مرقس کی انجیل میں بھی نبی کریم ﷺ کی عظمت کا اقرار انجیل متی اور انجیل لوقا کی متذکرہ بالا پہلی بشارت کے حوالے سے پہلے ہی باب میں موجود ہے:

"اور یوحنا اونٹ کے بالوں کا لباس پہنے اور چمڑے کا پٹکا اپنی کمر سے باندھے رہتا اور ٹڈیاں اور جنگلی شہد کھاتا تھا اور منادی کرتا تھا کہ میرے بعد وہ شخص آنے والا ہے جو مجھ سے زور آور ہے۔میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اس کی جوتیوں کا تسمہ کھولوں۔میں نے تم کو پانی سے بپتسمہ دیا مگر وہ تم کو روح القدس سے بپتسمہ دے گا"۔(مرقس باب' آیات ۶ تا ۸)

انجیل یوحنا:

یوحنا کی انجیل حضور ﷺ کے مبعوث ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔درج ذیل پیش گوئیاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کی بابت کی ہیں:

"اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں"۔(انجیل مقدس' نیا عہدنامہ باب ۱۴' آیت ۳۱)

’’مجھے تم سے اور بھی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ (محمد ﷺ) یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی مرضی سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا‘‘۔ (باب ۱۶ آیت ۱۲-۱۳)

’’تمہارے درمیان میں ایک شخص کھڑا ہے جسے تم نہیں جانتے یعنی میرے بعد آنے والا۔ میں جس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں‘‘۔

(انجیل مقدس نیا عہد نامہ باب اول آیات ۲۶، ۲۷)

انجیل برناباس:

انجیل برناباس ۳۲۵ء تک مستند انجیل تسلیم کی جاتی رہی۔ ۴۹۶ء میں بابائے گلائیس اول نے اور بہت سی کتابوں کی طرح برناباس کو گمراہ کن قرار دے کر عیسائیوں کیلئے اس کو اپنے پاس رکھنا جرم ٹھہرالیا۔ رفتہ رفتہ یہ کتاب غائب ہو گئی۔ ۳۸۳ء میں پوپ نے اس کا ایک نسخہ حاصل کر کے اپنی لائبریری میں محفوظ کر لیا۔ اطالوی زبان میں لکھا ہوا نسخہ ۱۷۱۳ء میں شہزادے یوگین نے جے ایف کریمر سے حاصل کیا جو ’’وی آنا‘‘ کے شاہی کتب خانے میں ۱۷۳۸ء میں منتقل ہوا اور یہ مسودہ اب بھی وہاں محفوظ ہے۔ ۱۹۰۷ء میں اس کا انگریزی ترجمہ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس سے چھپا۔ اس کا عربی ترجمہ مصری عیسائی عالم ڈاکٹر خلیل سعادت نے ۱۹۰۸ء میں کیا۔

عربی ترجمہ کو محمد حلیم انصاری نے اردو میں منتقل کر کے ۱۹۱۰ء میں لاہور سے شائع کیا۔ ۱۹۷۳ء میں انگریزی ترجمہ قرآن کونسل آف پاکستان کراچی سے دوبارہ شائع ہوا۔ (محمد مظفر عالم جاوید صدیقی) یہ انجیل برناباس بڑی حد تک تحریف سے محفوظ ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی حضور ﷺ کے بارے میں کئی بشارات درج ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

’’جب آدم علیہ السلام اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا تو اس نے آسمان میں ایک تحریر سورج کی طرح چمکتی دیکھی، جس کی عبارت تھی ’’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ تب آدم نے اپنا منہ کھولا اور کہا میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔ اے میرے پروردگار، اے میرے خدا میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے

میری تخلیق فرمائی لیکن میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو مجھے خبر دے کہ ان الفاظ کا کیا مطلب ہے (محمد رسول اللہ) کیا مجھ سے پہلے اور بھی انسان ہوئے ہیں۔ خدا نے کہا مرحبا! اے میرے بندے آدم، میں تجھے بتاتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جسے میں نے پیدا کیا اور وہ جسے تو نے دیکھا ہے تیرا بیٹا ہے، جو دنیا میں اب سے بہت سال بعد آئے گا اور میرا رسول ہوگا جس کیلئے میں نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں جب آئے گا تو دنیا کو نور بخشے گا، جس کی روح ہر شے پیدا کرنے سے ساٹھ ہزار سال پہلے ملکوتی شان میں رکھی گئی تھی۔

('THE GOSPEL OF BARNABAS, Chapter-39 Page:46-45)

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تحقیق چاند اس کو اس کے بچپن میں سلانے کیلئے لوریاں دے گا اور جب وہ رسول بڑا ہوگا تو اس چاند کو اپنی دونوں ہتھیلیوں سے پکڑے گا''۔

(باب ۷۲، صفحہ ۱۱۰)

قارئینِ محترم! یہ عبارت آنحضور ﷺ کے معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ کر رہی ہے''۔

''اور آدھی رات کو نماز کے بعد شاگرد یسوع کے قریب آ گئے تب یسوع نے ان سے کہا یہی رات رسول اللہ کے زمانے میں سالانہ جوبلی ہوگی جو کہ اس وقت ہر سو برس پر آتی ہے اس لئے میں نہیں چاہتا ہوں کہ ہم سو رہیں بلکہ یہ کہ ہم سو مرتبہ اپنے سر کو جھکاتے ہوئے نماز پڑھیں۔ اپنے قدیر رحیم محبوب کیلئے سجدہ کریں جو کہ ابد تک مبارک ہے''۔

(برناباس، باب ۸۳، صفحہ ۱۲۵)

''ہمیں اللہ کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے ہم کو اس رات میں ایک بڑی رحمت عطا کی ہے کیونکہ وہ اس زمانہ کو پھر واپس لایا جس کا اس رات میں گزرنا لازم ہے اس لئے کہ تحقیق ہم نے یکجہتی کے ساتھ رسول اللہ کے ہمراہ دعا مانگی اور تحقیق میں نے اس کی آواز سنی''۔ (برناباس، باب ۸۴، صفحہ ۱۲۶)

قارئین محترم! ان دونوں عبارات سے حضرت مسیح علیہ السلام کے نزدیک شب میلاد رسول ﷺ کی رفعت اور عظمت نمایاں ہے اور اس رات نیند کو نامناسب سمجھتے تھے بلکہ زیادہ سے زیادہ عبادات کر کے برکات و فیوض حاصل کرنے کے درپے ہیں اور اپنے حواریوں کو بھی اسی امر کی تلقین فرماتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس رات اور اس دن کو بطور عید میلاد رسول ﷺ

منانے کا علم رکھتے تھے۔اس سے جہاں آپ ﷺ کا مستقبل میں وقوع پذیر امور غیبیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے وہاں اس رات اور دن کو مسرت وشادمانی اور فرحت وخوشی کے اظہار کا پسندیدہ امر ہونا بھی واضح ہوتا ہے۔نواب صدیق حسن نے بھی وضاحت فرمائی: سو جس کو حضرت کے میلاد کا حال سن کر فرحت حاصل نہ ہو اور خدا کا شکر اس نعمت کے حصول پر نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضور سرور کائنات ﷺ کی بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''مسیحا کا نام'' قابل تعریف'' ہے۔اللہ تعالیٰ نے جب ان کی روح مبارک کو پیدا کیا اور آسمانی آب وتاب میں رکھا تو خود ان کا نام رکھا۔اللہ نے فرمایا:''اے محمد ﷺ! انتظار کرو! میں نے تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے۔ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا۔تیری بات سچی ہوگی۔آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہو سکتا''۔آپ علیہ السلام نے کہا کہ:''محمد ﷺ اس کا بابرکت نام ہے۔اس پر تمام سامعین نے فریاد کرنی شروع کی۔اے خدا! ''اپنے رسول ﷺ کو ہماری طرف بھیج یا محمدؐ دنیا کی نجات کیلئے جلد تشریف لے آئیں''۔

(THE GOSPEL OF BARNABAS, CHAPTER 97 PAGE113)

قارئین محترم! صرف برناباس کی انجیل میں ہی حضور اکرمؐ کے بارے میں مبشرات کا سراغ لگایا جائے تو آپ ﷺ کی سیرت پاک اور خصائل وشمائل کے بارے میں بہت سی وقیع معلومات ملتی ہیں مثلاً آپ ﷺ کو نبیوں کا سرتاج (باب ۱۲۔صفحہ ۱۰) خدا کا رسول

(باب ۳۹' صفحہ ۴۵-۴۶)

باعث تخلیق کائنات (باب ۳۹۔صفحہ ۴۶) مالک ومختار (باب ۴۱' صفحہ ۴۹) رحمۃ للعالمین ﷺ

(باب ۴۳-آیت ۱۳ تا ۱۵' صفحہ ۶۸-باب ۱۳۶' آیت ۱۵-۱۶' صفحہ ۲۰۴ اور باب ۱۶۳' آیت ۳ تا ۱۰' صفحہ ۳۴۳)

قیامت کے دن حضور ﷺ کا ہزار سورج کی طرح چمکنا اور انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کا ان کے گرد جھرمٹ مارنا۔

(باب ۵۴ آیت ۲ تا ۱۱ صفحہ ۸۴۔۸۵) خاتم النبیین ﷺ کا نسل اسماعیل علیہ السلام سے ہونا (باب ۲۰۸ صفحہ ۲۸۹ باب ۴۳ صفحہ ۶۹ باب ۱۹۱ صفحہ ۲۷۱) آدم علیہ السلام کے ناخنوں پر اسم محمد ﷺ کا لکھا جانا (باب ۳۹ آیت ۱۴ تا ۲۸ صفحہ ۶۰) اور حضور کا دنیا کی سب چیزوں سے پہلے پیدا کیا جانا (باب ۳۵ صفحہ ۵۳-۵۴)

حضور سرور کائنات ﷺ کے اسمائے مبارکہ میں سے "احمد ﷺ" ایسا نام نامی ہے جسے آپ کے بتانے سے پہلے اہل عرب میں کوئی نہ جانتا تھا۔ اس نام کے بارے میں انجیل میں یہ اشارہ موجود ہے۔ "آپ کا ایک نام جسے آپ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

(مکاشفہ یوحنا باب ۱۹- آیت ۱۱-۱۲)

یہ نام نامی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بتایا گیا۔ اس کی تصدیق مسند احمد بن حنبل سے ہوتی ہے جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں تشریف لائے تو نجاشی نے کہا "خوش آمدید ہو آپ کو اور اس کو (نبی کریم ﷺ) جس کے پاس سے آپ آئے ہیں۔ میں (نجاشی) گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ وہ ہیں جن کا نام ہم انجیل میں پاتے ہیں اور جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہا السلام نے دی"۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نجاشی جو مذہبی اعتبار سے عیسائی تھا۔ اسے آپ ﷺ کا نام نامی معلوم تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور بشارات مصطفیٰ ﷺ:

غزل الغزلات (نشید الانشاد)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقدس صحیفہ کا نام ہے۔ یہ آج کل بائبل عہد نامہ عتیق اور جدید کے مجموعہ میں شامل ہے۔ اصل صحیفہ عبرانی زبان میں تھا۔ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضور ﷺ کی آمد کی بشارت میں اشاروں کنایوں سے کام لینے کے بجائے صاف طور پر حضور ﷺ کا اسم گرامی بتایا ہے۔

"خلو محمد یم زہ رودی زہ رعی" (وہ ٹھیک محمد ﷺ ہیں، وہ میرے محبوب ہیں میری جان) (تسبیحات سلیمان، پ ۵:۱۲)

اسی صحیفہ میں آپ ﷺ کا اسم گرامی مع حلیہ مبارکہ یوں بیان کیا گیا ہے: ''میرا محبوب نورانی' گندم گوں' ہزاروں میں سردار ہے اس کا سر ہیرے کا سا چمکدار ہے اس کی زلفیں مثل کوے کی کالی ہیں۔ اس کا چہرہ مثل ماہتاب کے' جوان مانند صنوبر کے' اس کا گلا نہایت شیریں اور وہ بالکل محمد ﷺ یعنی تعریف کیا گیا ہے۔ یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب'' اس کلام میں بین السطور صرف ایک ہی شخصیت ہے اور وہ ہیں سرور کشور رسالت حضرت محمد ﷺ کیونکہ اس میں بعض الفاظ صراحت کے ساتھ آپ ﷺ ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے سلطنت مصطفیٰ ﷺ کے متعلق یوں بشارت دی:

''اس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریائے فرات سے زمین کی انتہا تک ہوگی۔ بیابان کے رہنے والے اس کے آگے جھکیں گے اور اس کے دشمن خاک چاٹیں گے۔ اس کا نام ہمیشہ قائم رہے گا۔ جب تک سورج ہے اس کا نام رہے گا اور لوگ اس کے وسیلہ سے برکت پائیں گے۔ سب قومیں اس کو خوش نصیب کہیں گی''۔ (فرمودہ ۷۲)

دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور بشارات مصطفیٰ ﷺ:

حضرت ادریس علیہ السلام: آپ علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں درج ذیل الفاظ میں پیش گوئی کی: ''دیکھو ہمارا آقا اپنے دس ہزار ہمراہیوں (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے ساتھ آرہا ہے تاکہ سب لوگوں کا انصاف کرے''۔ (کتاب یہوداہ ۱: ۱۴-۱۵)

☆ حضرت نوح علیہ السلام:

آپ علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا: ''میں اپنی کمان کو بادلوں میں رکھ دیتا ہوں۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب میں زمین کے اوپر ایک بادل کو لاؤں گا جس سے وہ کمان بادلوں میں دکھائی دینے لگ جائے گی''۔ (کتاب پیدائش ۹: ۱۳ تا ۱۶)

☆ حضرت شعیب علیہ السلام:

آپ علیہ السلام کے کلام میں ہے: ''میں نے دو سوار دیکھے جن کے نور سے زمین روشن ہوگئی۔ ان میں سے ایک خچر سوار تھا اور دوسرا اشتر سوار''۔ (خچر سوار سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور شتر سوار

سے مراد ہمارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) اسی طرح انہوں نے فرمایا:
''اے قوم میں نے ایک صورت انور اونٹ پر دیکھی ہے جو اپنی ضوفشانی میں چاند سے مشابہ تھی''۔ (شواہد النبوۃ' صفحہ ۳۱)

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام:

آپ علیہ السلام کے صحیفہ میں مذکور ہے۔ ابن سعد نے شعبی سے روایت کیا ہے: ''ابراہیم علیہ السلام کی کثیر اولاد ہوگی۔ یہاں تک کہ ان کی اولاد میں نبی اُمی اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے''۔

(خصائص الکبریٰ' جلد اول' صفحہ ۲۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کم وبیش تین ہزار سال قبل عالم انسانی کو یہ نوید سنائی۔ ''وہ عربی ہوگا' وہ اپنے سب بھائیوں کے درمیان بود و باش کرے گا''۔

(پیدائش باب ۱۶: ۱۳)

حضرت یسعیاء نبی علیہ السلام:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے جانشین انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت یسعیاء علیہ السلام نے اپنے صحیفے میں جو الہامی الفاظ فرمائے ہیں اور حیرت انگیز پیش گوئی کی جو نہایت عظیم الشان طریقے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں پوری ہوئی۔ ''ان پڑھ کو کتاب دی گئی کہ اسے پڑھ' وہ کہتا ہے کہ میں ان پڑھ ہوں' پڑھ نہیں سکتا''۔ (نقوش رسول نمبر جلد نمبر ۹' صفحہ ۳۰)

محبوب خدا کا کوئی ہم پایہ نہیں ہے
اس شان کا مرسل تو کوئی آیا نہیں ہے
بے مثل نے محبوب کو بے مثل بنایا ہے
واں جسم نہیں تو یہاں سایہ نہیں ہے

خاتم النبیین ﷺ کی صداقت ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

برصغیر پاک و ہند تو صدیوں سے اسلام کا وطن رہا ہے یہاں کے غیر مسلموں کو بہت قریب سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی سیرت کے مطالعہ کا موقع ملا لیکن یورپ کے مذہبی مفاد پرست طبقے نے اسلام کے متعلق نہ صرف لوگوں کو ناواقف رکھا بلکہ یورپ کے عوام میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنے معاندانہ رویے پر پورا زور صرف کر دیا اور مختلف پہلوؤں سے آپ ﷺ کی ذات کو سب سے زیادہ ہدف تنقید بنایا۔ بقول رائے سٹن پائک ''غالباً دنیا میں سب سے زیادہ جو ہستی بے بنیاد اتہامات کا نشانہ بنی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں''۔

سرور عالم ﷺ کی شخصیت' آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ اور آپ ﷺ کی رسالت کی عظمت ایسے حقائق ہیں جن کا علم ہونے پر کوئی غیر مسلم بھی اپنے تعصبات میں قید نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ جب انیسویں صدی میں سیاسی اور مذہبی مفاد پرستیوں سے ہٹ کر علمی سطح پر مغربی یورپ کا رابطہ اسلام سے ہوا تو حضور اکرم ﷺ کی عظمت کے اعتراف اور آپ ﷺ کی ذات اقدس سے عقیدت کے اظہار کے جذبے نے یہاں کے علماء کی تحریروں کو بھی تعصبات کی زنجیروں سے رہائی دلا دی۔ مغربی مفکرین کی تحریروں سے چند اقتباسات پیش کرنے کے بعد

اب ہم ہندوؤں کی مقدس کتب اور بعض ہندو مفکرین کی آراء سے چند اقتباسات ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

ہندوؤں کی مقدس کتاب ''اتھرو ید کھنڈ'' میں یہ بات درج ہے: ''اے لوگو! کان کھول کر سن لو محمد لوگوں میں مبعوث ہوگا اس کی بلند و بالا حیثیت آسمانوں کو چھو لے گی''۔

(اتھرو ید کھنڈ ۲۰)

ایک دوسری کتاب ''شلوک'' میں درج ہے: ''ایک بدیسی رسول اپنے ساتھیوں کے ساتھ آئے گا اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا''۔ (شلوک ۵:۸)

پھر حضور سرور کائنات ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ کے متعلق ایک کتاب ''اسکنڈ'' میں درج ہے: ''اس کے دن جاری رہنے تک جو کوئی خدا تک پہنچنا چاہے گا بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے پار نہ ہوگا''۔ (اسکنڈ۔۱۲)

قارئین محترم! حال ہی میں ہندوستان سے پروفیسر ویر پرکاش کی نادر تحقیق ''کلکی اوتار'' (ساری کائنات کا راہبر یا پیمبر) کے نام سے منظر عام پر آئی ہے جو رسول رحمت ﷺ اور رسالت محمدی ﷺ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کتاب سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں کہ:

''ہندومت اور ہندوؤں کی جن اہم کتابوں میں رہبر اور رہنما کا ذکر ''کلکی اوتار'' کے نام سے کیا گیا ہے وہ درحقیقت عربستان کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات مبارکہ پر ہی صادق آتا ہے۔ اس لئے ساری دنیا کے ہندوؤں کو چاہئے کہ وہ مزید کسی انکار کی تکلیف نہ کریں بلکہ اس ہستی ''کلکی اوتار'' یعنی پیغمبر اسلام پر ایمان لے آئیں''۔ مصنف نے مزید لکھا ہے کہ یہ انتظار ایسا ہے جو کہ قیامت تک ختم ہونے والا نہیں ہے کیونکہ یہ جس اعلیٰ ہستی کا انتظار کر رہے ہیں اس مقدس ہستی کا ظہور اس دنیا میں ہو چکا ہے اور وہ اپنا کام مکمل کر کے چودہ سو سال قبل اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں۔ پنڈت ویر پرکاش اپنی اس تحریر کے ثبوت کیلئے ہندوؤں کی مقدس کتاب ''وید'' سے دلیل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

۱۔ وید (ہندوؤں کی اہم اور مقدس مذہبی کتاب) میں مذکور ہے کہ ''کلکی اوتار'' اس دنیا میں

بھگوان کے آخری پیغمبر ہوں گے جو ساری دنیا کی رہنمائی کرنے کیلئے بھیجے جائیں گے"۔اس حوالہ (Reference) کو نقل کرنے کے بعد پنڈت صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ بات صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہی صادق آتی ہے"۔

۲۔ ہندومت کی ایک پیشن گوئی (Prediction) کے مطابق "کلکی اوتار" (پیغمبر اسلام) ایک دیپ یعنی جزیرہ میں پیدا ہوں گے۔ ہندومت کے کہنے کے مطابق یہ عرب کا علاقہ ہے جو کہ جزیرۃ العرب کے نام سے مشہور ہے۔

۳۔ ہندوؤں کی مقدس مذہبی کتاب میں "کلکی اوتار" کے والد کا نام "وشنو بھگت" اور والدہ کا نام "سومانت" بتایا گیا ہے۔ سنسکرت (زبان) میں "وشنو" کے لفظی معنی "اللہ" ہے اور "بھگت" کے معنی عبداللہ" ہے۔اسی طرح سنسکرت میں "سومانی" کا لفظی معنی ہوگا "امن وسلامتی" جس کو عربی میں "آمنہ" کہتے ہیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ اور والدہ ماجدہ کا نام آمنہ ہے۔

۴۔ ہندوؤں کی بڑی کتابوں میں مذکور ہے کہ "کلکی اوتار" کا معاش زندگی کھجور اور زیتون پر ہوگا۔ نیز وہ سب سے بڑھ کر قول کے سچے ہوں گے اور ایماندار ہوں گے۔اس کے متعلق بھی پنڈت وید پرکاش لکھتے ہیں: "یہ بات بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور پر ثابت نہیں ہوتی"۔

۵۔ وید میں لکھا ہوا ہے کہ "کلکی اوتار" اپنے علاقہ کے معزز گھرانے میں پیدا ہوں گے جبکہ یہ بھی عیاں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے معزز گھرانے میں پیدا ہوئے اور اسی قبیلہ کو مکہ میں مکمل عزت حاصل تھی۔

۶۔ "کلکی اوتار" کو بھگوان اپنے "قاصد" فرشتے کے ذریعے غار میں تعلیم دیں گے جبکہ مکہ کے محمد ﷺ ہی وہ شخص تھے کہ جن کو فرشتہ (جبریل علیہ السلام) نے غار حرا میں تعلیم دی۔

۷۔ "کلکی اوتار" (نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو بھگوان (اللہ تعالیٰ) آسمانی مدد پہنچاتے رہیں گے جبکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے فرشتوں کے ذریعے مدد کی تھی۔

۸- مزید لکھا ہے کہ ”کلکی اوتار“ بہت گھڑ سوار، تیر انداز اور تلوار چلانے کے بھی ماہر ہوں گے اس کے متعلق پنڈت صاحب نے جو کچھ لکھا ہے قابل غور ہے۔ لکھتے ہیں: نیز تلواروں اور گھوڑوں کا زمانہ کب کا ہی ختم ہو چکا ہے جبکہ اب جدید ہتھیار ٹینک، بندوقوں اور میزائلوں کا زمانہ ہے اس لیے اب کسی تیر یا تلوار والے ”کلکی اوتار“ کا انتظار کرنا بڑی بے وقوفی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آسمانی کتاب ”قرآن مجید“ والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل میں کلکی اوتار (پیغمبر عالم ﷺ) ہیں جن کا تذکرہ ہماری کتابوں میں موجود ہے“۔ (کلکی اوتار از پروفیسر وید پرکاش، ہندوستان)

قارئین باتمکین! اگر کوئی غیر مسلم بھی رسول کریم ﷺ کی سیرت کا بے تعصبی سے مطالعہ کرتا ہے تو بے ساختہ آپ ﷺ کی عظمت کا قرار کرنے لگتا ہے۔ ماضی قریب میں غیر مسلم سیرت نگاروں میں جس طرح اضافہ ہوا ہے اور جوں جوں سیاسی اور مذہبی مفادات کی گرد بیٹھتی جارہی ہے اور تعصبات کی تاریکیاں کافور ہو رہی ہیں پوری دنیا میں رسول کائنات ﷺ کی سیرت اور رسالت کے ڈنکے بجتے جارہے ہیں۔

وہ دن دور نہیں جب مذہب وملت کی تقسیم اور تفریق سے بلند ہو کر ساری دنیا رسالت محمدی ﷺ کو ایک کسی ایک مذہب یا علاقے سے مخصوص کرنے کی بجائے ساری انسانیت کے رسول کی حیثیت سے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کرے گی اور اس عظیم پیغام کی طرف متوجہ ہوگی جس میں ساری انسانیت کی فلاح مضمر ہے۔ (انشاءاللہ)

قارئین محترم! ہندوؤں کی دینی تعلیمات کا دارومدار جن کتابوں پر ہے۔ ان میں چاروں وید (رگ وید، سام وید، یجروید، اتھروید)، اپنشد، گیتا اور دس پران شامل ہیں۔

پران اور بشارات مصطفیٰ ﷺ:

بھوبشن پران: اس میں ہے: اے دیتاؤ! سنبل گرام میں یہ کتب پیدا ہوگا۔ وہ وشنوایشیاء کے نام سے مشہور ہوگا۔ وشنو کیرتی اس کی چہیتی بیوی ہوگی“۔

(بھوبشن پران حصہ ۴، پرتی سرگ بردباب ۲۵، صفحہ ۱۵۹۷، شلوک ۸ تا ۱۰)

اس سے مراد ہے کہ عرب میں وہ پیغمبر پیدا ہوں گے اور رسول اللہ کے نام سے مشہور

ہوں گے۔ان کی چہیتی بیوی کا نام خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا (وشنو کیرتی) ہوگا۔

پوتھک اوتران:

پوتھک اوتران یا پوتھک سنگرام ہندوؤں کی مقدس کتاب ہے۔ بیاس جی کی اس مقدس کتاب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی واضح الفاظ میں موجود ہے: ''آنے والے زمانہ میں ''مہامت'' پیدا ہوگا۔ اس کی نشانی یہ ہوگی کہ اس کے سر پر بادل سایہ کرتا ہوگا اور اس کے جسم کا کوئی حصہ سیاہ نہ ہوگا۔ وہ دنیا کے لئے کوئی تلاش نہیں کرے گا۔ اس کی تلاش سراسر دین کیلئے ہوگی جو کچھ بھی اس کے ہاتھ آئے گا اسے خدا کی راہ میں دے دیا کرے گا۔ اپنی زندگی میں اس کا طریقہ کم کھانے کا ہوگا۔ عرب کے سرداران اس کے دشمن ہوں گے لیکن وہ خود خداوند تعالیٰ کا محبوب ہوگا''۔ (رہبر عالم از قاضی عبدالحلیم اثر۔ صفحہ ۵۸)

دھرم اوترا اکھنڈ:

دھرم اوترا اکھنڈ مہادیو جی (۱۵۲۰ق-م، ۱۴۵۳ق-م) کے خطبات اور تقاریر پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہوا ہے: ''وہ مخلوقات سے ڈرتا نہیں ہوگا۔ بہت ہی دلاور اور سمجھدار ہوگا۔ اس کا نام ''مہامت'' ہوگا۔ اس مہامت کی اوضاع دیکھنے سے لوگ حیران ہوں گے۔ اس کی قوم اور قبیلہ کے لوگ جس طریقہ سے عبادت کیا کرتے ہیں وہ اس طرح کی عبادت نہیں کرے گا اور اپنی قوم سے کہے گا کہ مجھے اس قادر ذات کی طرف سے جو واحد ہے اور کوئی شریک نہیں رکھتا۔ یہ حکم ہے کہ اس قسم کی بے معنی عبادت مت کیا کر اور میں سوائے ایک اللہ کی ذات کے دوسرے کسی کی طرف بھی رجوع کرنے والا نہیں ہوں۔ آپ لوگ میری تابعداری کریں۔ اس کی تبلیغ اور دعوت کی وجہ سے اس کی قوم کے سب لوگ اس سے الگ ہو جائیں گے۔ (رہبر عالم، قاضی عبدالحلیم اثر)

(قارئین محترم! مہامت سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے)

سام وید:

سام وید چار ویدوں میں سے ایک ہے۔ برہمنوں کے نزدیک اس وید کو باقی ویدوں پر

خاص فوقیت حاصل ہے۔ اس میں حضور ﷺ کے متعلق بہت سی پیش گوئیاں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کا اسم مبارک "احمد ﷺ" بھی موجود ہے۔ "احمد ہے پتوہ میدھام رتیسہ پری جگرہ"۔ (سام وید دوسرا حصہ باب ۵ فصل ۱)

(ترجمہ): "احمد ﷺ نے اپنے رب سے پرحکمت شریعت کو حاصل کیا"۔

(ایک منتر میں حضور ﷺ کی بعثت کا اظہار یوں ہے:

"احمد ﷺ نے اپنے پرماتما سے سندر آدرش اور پرکار سیکھا۔ میں سورج کی طرح روشن ہو رہا ہوں"۔ (ایضاً) اس اشلوک میں آپ ﷺ کا نام احمد ﷺ واضح طور پر لکھا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی حکمت سے لبریز شریعت کا تذکرہ اور آپ ﷺ کو سورج کی مانند روشن "سراجاً منیراً" کے متبادل لفظ سے تعبیر کیا گیا"

اتھروید:

اتھروید تینوں ویدوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس میں رگ وید کے مہامد' سام وید کے گانے اور یجروید کی عبادت کا ذکر ہے۔ اتھروید صحیفۂ ابراہیم کی بڑی حد تک نقل ہے۔ اتھروید میں حضور ﷺ کی آمد کی بشارت اس طرح دی گئی ہے:

"ادم جناہ اپ اشرت نراشنہ اسوشئے کورم ششیم بہسر چہ نوتیم رشمیشو ادوہے"۔

(انوار المحمدیہ' صفحہ ۱۶۶)

"اے لوگو یہ (بشارت) احترام سے سنو' محمد ﷺ تعریف کیا جائے گا۔ ساٹھ ہزار اور نوے دشمنوں میں اس ہجرت کرنے والے (امن پھیلانے والے کو) ہم (حفاظت میں) لیتے ہیں"۔ "نراشنہ" کے معنی ہیں لوگوں میں تعریف کیا گیا۔ ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ کی آبادی ساٹھ ستر ہزار تھی جیسا کہ ابن اثر کامل وغیرہ نے لکھا ہے۔

(نقوش رسول نمبر جلد نمبر ۴' صفحہ ۵۵۷)

حضور ﷺ کے متعلق اتھروید میں چند اشارات اس طرح ملتے ہیں: اے لوگو! بڑے زور و شور سے سنو! مہامت لوگون میں ظاہر ہوگا۔ ہم ہجرت کرنے والے کو ساٹھ ہزار اور نوے دشمنوں سے پناہ دیں گے۔ اس نے مامح رشی کو سینکڑوں سونے کے سکے' دس حلقے' تین سو عربی

گھوڑے اور گائیں دیں۔(اتھروید کانڈ ۲۰ سوا گت ۱۲۷ منتر ۱ تا ۳)

اس میں مہامت اور مامح رشی سے مراد حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ ماہ یعنی مہا بہ معنی بہت زیادہ، مع یعنی تعریف کیا گیا۔ زبان اور لہجے کے اختلاف کی وجہ سے لفظ محمد ﷺ کو مہامت بنا دیا گیا ہے۔ معنوں اور مفہوم کے اعتبار سے اس کا اطلاق حضور ﷺ کی ذات پاک پر ہوتا ہے۔ ان منتروں سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مہامت رشی (حضرت محمد ﷺ) پہلے ہجرت کریں گے اور پھر ان کو فتح حاصل ہوگی۔ سینکڑوں سونے کے سکے سے مراد صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو مکہ مکرمہ میں آپ کو میسر آئے اور وہ اہل مکہ کی ہر قسم کی سختیاں برداشت کر کے خالص سونے کی طرح قیمتی بن گئے۔ دس حلقہ سے مراد عشرہ مبشرہ، تین سو عربی گھوڑوں سے مراد اصحاب بدر اور دس ہزار گائیں سے مراد وہ دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، جو فتح مکہ کے روز حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ یہی بات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمائی تھی: ''وہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آئے گا'' (کتاب استثناء باب ۳۳ آیت ۱) اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ''دس ہزار آدمیوں کے درمیان جھنڈے کی مانند کھڑا ہوگا''۔(غزل الغزلات: باب ۵)

مہابھارت:

ہندوؤں کی اس مقدس کتاب میں بھی سرور دو عالم ﷺ کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس میں ایک جگہ درج ہے: ''کل جگ کے آخر میں ''کلکی اوتار'' پیدا ہونے والا ہے''۔(مہابھارت شانتی پروا دہانیہ: ۲۴۰) کلجگ سے مراد رہزنی، قتل و غارتگری، بتوں کی خوشنودی کی خاطر انسانوں کو بھینٹ چڑھانا، لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینا، معاشرتی انتشار اور پر آشوب دور مراد ہے اور کلکی اوتار سے مراد آپ ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ بھگوت گیتا مہابھارت کا اہم ترین حصہ ہے۔ اس میں سری کرشن کی تعلیمات میں بھی حضور ﷺ کے متعلق واضح اشارات موجود ہیں: ''جب دھرم کی ہانی ہوتی ہے اور ادھرم بڑھ جاتا ہے تب خدا ایسے شخص کو کھڑا کرتا ہے جو نیک لوگوں کی رکشا کرتا ہے اور پاپوں کا ناس کر کے دھرم کو قائم کر دیتا ہے''۔(گیتا، باب چہارم)

ان حالات سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بین السطور اس سے مراد آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

زرتشت ZORASTOR اور بشارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کے ظہور سے پیشتر اہل ایران کا مذہب آگ کی پوجا تھا۔ اسے ''زرتشتی مذہب'' کہا جاتا تھا۔ قدیم ایران میں ایک زبردست دینی شخصیت حضرت زرتشت (ZORASTOR) نے تقریباً ۱۰۰۰ ق۔م میں جنم لیا۔ اہل میڈیا نے انہیں پیغمبر تسلیم کیا جن پر بقول ان کے ''اوستا'' نامی الہامی کتاب نازل ہوئی۔ ان کی روایات کے مطابق ''اوستا'' اکیس نسخوں پر مشتمل تھی مگر اس کتاب کا 1/10 حصہ ہی بچ سکا اور باقی 9/10 حصہ وقت کے بحر ظلمات میں غرق ہو کر ناپید ہو چکا ہے۔ زرتشت کی تعلیمات سے یہ گمان حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے کہ شاید وہ پیغمبر ہی ہوں کیونکہ ان کی تعلیمات تعمیری اور جاندار ہیں۔ خود زرتشت نے ایک خدا یعنی ''آہورامزدا'' کی پرستش لازمی قرار دی اور نیکی وبدی یا خیر وشر کا تصو ربھی دیا۔ پارسیوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نیکی وبدی کو دو مستقل خداؤں کا درجہ دے دیا۔ نیکی کے خدا کو ''یزداں'' اور بدی کے خدا کو ''اہرمن'' (شیطان) کے نام دے دیئے۔

بہرحال زرتشت نے ''اوستا'' میں اور باتوں کے علاوہ ایک بیان یہ بھی دیا ہے جسے علامہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے اپنے ''خطبات بہاولپور'' میں نقل کیا ہے:

''میں نے دین کو مکمل نہیں کیا میرے بعد ایک نبی اور آئے گا جو اس کی تکمیل کرے گا اور اس کا نام ''رحمۃ اللعالمین یعنی تمام جہانوں کیلئے باعث رحمت ہوگا''۔

اس اقتباس سے صاف واضح ہے کہ حضرت زرتشت آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دے رہے ہیں۔

حضور ﷺ کی آمد کی بشارت ''ژنداوستا'' کے دساتیر ۱۴ میں یوں بیان کی گئی ہے۔

''جب اہل فارس اخلاقی طور زوال پذیر ہو جائیں گے۔ ایک شخص عرب میں پیدا ہوگا۔ اس کے پیروکاران کے مذہب اور تخت وتاج کو ویران کردیں گے اور ایران کے طاقتور مغرور حکمران مغلوب ہو جائیں گے جو گھر بنایا گیا تھا اور جس میں بہت سارے بت رکھے گئے تھے ان بتوں سے پاک ہو جائے گا اور لوگ اس کی طرف اپنا چہرہ کر کے نمازیں پڑھیں گے۔ اس کے پیروکار پارسیوں کے شہر ''طوس'' (TUS) اور بلخ اور ان کے اردگرد کے بڑے شہروں پر قابض ہو جائیں گے اور دیگر علاقوں کے دانا لوگ اس کے پیروکاروں سے مل جائیں گے''۔ (سفرنگ دساتیر آیت ۵۴ تا ۶۰) محمد مظفر عالم جاوید صدیقی لکھتے ہیں کہ: ''یہ کتاب پارسیوں کے پاس ہمیشہ رہی ہے اس میں حضور ﷺ کا میلاد' کعبہ سے بتوں کا اخراج' آتش فارس کا بجھنا' کعبہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرنا' مسلمانوں کا ایران فتح کرنا' اس قدر واضح پیش گوئی ہے جو حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لئے نہیں ہو سکتی''۔

ہے تو بس نام محمد ﷺ ہی سہارا اپنا
ان کے صدقے سے ہی چلتا ہے گزارا اپنا
ہم کو طوفان کی موجوں کا کوئی خوف نہیں
ہم اسی نام سے پا لیں گے کنارا اپنا

گوتم بدھ اور بشاراتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ہندوستان کی مقدس کتابوں کی علاوہ مذہبی شخصیات نے بھی بلیغ اشارات میں نبی کریم ﷺ کی آمد کی بشارت دی ہے۔ گوتم بدھ (۵۶۸ ق۔م ۴۸۸ ق۔م) نے برہمنوں کے سامراجی شکنجے میں دم توڑتی ہوئی انسانیت کو نجات دلانے کی بھرپور کوشش کی۔ جب وہ اپنا مقدس مشن پورا کر کے دنیا سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے اپنی زندگی کے جو آخری الفاظ کہے وہ حضور ﷺ کی بعثت کے متعلق گواہی پر مشتمل تھے۔ عین اس وقت جب گوتم بدھ کی سانس اکھڑ رہی تھی اور نبضیں ڈوبنے والی تھیں' ان کے ایک شاگرد ''نندا'' نے بے قرار ہو کر پوچھا: ''آقا آپ کے جانے کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا''۔ اس کے جواب میں گوتم بدھ نے جو الہامی الفاظ کہے' وہ تاریخ نے ہمیشہ کیلئے محفوظ کر لیے۔ اس عظیم مفکر نے جواب دیا: ''نندا میں پہلا بدھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا۔ نہ میں آخری بدھ ہوں۔ اپنے وقت پر ایک اور بدھ آئے گا''۔ عظیم بدھ کے اس ارشاد پر اس کے شاگرد نندا نے سوال کیا: ''ہم اسے کس طرح پہچانیں گے''۔ بدھ نے جواب دیا: ''وہ ''متیریا'' کے نام سے موسوم ہوگا۔

قارئین باتمکین! متیریا کیا ہے؟ الہ آباد کے مشہور انگریزی اخبار ''لیڈر Leader'' کی 16 اکتوبر 1930ء کی اشاعت میں ایک بدھ عالم کا مضمون شائع ہوا تھا جس میں اس نے ''متیریا'' کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا تھا: ''وہ جس کا نام ''رحمت'' ہے۔ متیریا سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی دوستی' خیر خواہی' رحم والا' محبت والا' شفقت والا' مخلوق کی خیر خواہی کرنے والا اور رحمت والا ہیں اور یہ سب صفات حضور ﷺ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

(نقوش رسول ﷺ نمبر جلد ۹' صفحہ ۳۰)

گوتم بدھ کی ایک پیش گوئی ملتی ہے:

''بھائیو! اس وقت دنیا میں ایک اعلیٰ ہستی مبعوث ہوگی اس کا نام برگزیدہ ''متیریا'' ہوگا۔ کامل معرفت والا' حکمت نیکی اور سرور مطلق والا' تمام عالمین کا عالم بے نظیر' ہدایت کے متمنی لوگوں کا ہادی' فرشتوں اور انسانوں کا معلم' ایک بدھ اعظم جیسا میں اس وقت ہوں وہ کامل طور پر جانے گا اور دیکھے گا۔ اعلیٰ زندگی کی معرفت مع اپنے کمال وصفائی اصلی روح اور الفاظ دونوں کی وساطت سے ظاہر کی جائے گی جیسا کہ میں اب ظاہر کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہزاروں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ہوگی جیسا کہ میرے ساتھ چند سو کی جماعت ہے۔ (چکاوتی سنگھ ناد۔ ستناڈی ۳:۶۷) (مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ) اس پیش گوئی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے علاوہ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد کے بارے میں بھی واضح اشارہ موجود ہے۔ فتح مکہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار اصحاب اور آخری خطبہ حجۃ الوداع کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جم غفیر تھا۔

کعبہ کی حاضری میں بھی لذت تو ہے
پر نہیں وہ جو لذت مدینے میں ہے
ان سروں کے یہ سجدے تو کعبے کو ہیں
پر دلوں کی عبادت مدینے میں ہے

بشاراتِ مصطفیٰ ﷺ بسلسلہ بعثت نبوی ﷺ

حضرت کعب کا ایک خطبہ:

درج ذیل بشارات ان الہامی ادراکات میں سے ہیں جن کو عقلیں تصور میں لاتی ہیں اور وہ صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ حضرت کعب آنحضرت ﷺ کے ساتویں دادا ہیں۔ کعب قریش کو خطبہ دیتے اور بعثت حضور ﷺ کا ذکر کیا کرتے تھے کہ وہ نبی ان کی اولاد میں سے ہوگا۔ چنانچہ انہیں اس نبی کی تابعداری کا حکم دیتے اور فرماتے: ''اپنے حرم کو آراستہ کرو' اس کی تعظیم کرو' عنقریب اس کی بڑی شان ہوگی اور یہاں سے ایک ''نبی کریم'' نکلے گا۔ پھر چند اشعار پڑھتے۔ ان میں یہ شعر بھی ہے:

علی غفلة یاتی النبی محمد

فیخبر اخبارا صدوقا خَبِیْرَهَا

(نبی محمد ﷺ اچانک آجائیں گے اور وہ خبریں بتلائیں گے جن کا جاننے والا سچا ہوگا)۔ (بلوغ الارب جلد اول' صفحہ ۵۷۵' پیر محمد حسن)

اس کا ذکر سیرت دحلانیہ میں بھی موجود ہے۔

حضرت کنانہ کی پیش گوئی:

حضرت کنانہ بن خزیمہ کے پاس اہل عرب حصول علم و فضل کیلئے آتے تو آپ فرماتے:
''مکہ مکرمہ سے ایک نبی نکلیں گے انہیں احمد ﷺ کے نام سے پکارا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں گے۔ وہ نیکی اور احسان کا درس دیں گے پس ان کی تابعداری کرنا'

تمہارے شرف میں اضافہ کا موجب ہوگا''۔ (سیرت دحلانیہ، صفحہ ۵۸)

☆ حضرت عبدالمطلب کا خواب:

ابوعلی غیروانی نے اپنی کتاب ''البستان'' میں روایت کی ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ ان کی پشت سے چاندی کی زنجیر نکلی جس کا ایک سرا آسمان میں ''ایک زمین میں' ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں تھا۔ پھر اس سے ایک درخت ظاہر ہوا جس کا ہر پتہ نور کا تھا اور مشرق و مغرب کے رہنے والے جیسے اس کے ساتھ لٹکے ہوئے ہوں ۔ آپ کا یہ خواب کاہنہ نے سن کر اس کی یہ تعبیر بتائی کہ آپ کی نسل میں سے ایک ایسی ہستی پیدا ہوگی جس کی مشرق اور مغرب کے رہنے والے اطاعت کریں گے اور آسمان و زمین والے اس کی تعریف بیان کریں گے۔ آپ کو تنے کے قریب دو متبرک اور مقدس شخصیتیں نظر آئیں۔ آپ نے ان سے تعارف چاہا تو ایک نے فرمایا میں ''نوح نجی اللہ'' ہوں اور دوسرے نے فرمایا میں ''ابراھیم خلیل اللہ'' ہوں۔ جناب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ وہ درخت ہے جو تمہارے آباء واجداد سے تمہیں پہنچا ہے جو ایک قرن (زمانہ) سے دوسرے قرن اور ایک صلب سے دوسرے صلب میں منتقل ہوتا آیا ہے اور اب تمہارے صلب سے ظاہر ہوا ہے۔

(معارج النبوت' جلد اول' صفحہ ۷۱۶)

☆ سیف بن ذی یزن کی مبارکباد اور خوشخبری بسلسلہ بعثت نبوی ﷺ

سیف بن ذی یزن حمیری نے حبشہ کو فتح کر لیا اور یہ فتح حضور ﷺ کی ولادت کے بعد حاصل ہوئی تھی تو عرب کے وفود اور معززین قوم اس کی خدمت میں مبارکباد دینے کی غرض سے گئے۔ قریش کے وفد میں آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب بن ہاشم بھی تھے۔ بادشاہ نے بڑی رازداری سے حضرت عبدالمطلب کو تخلیہ میں بتایا کہ یہ بات آپ کے سینہ میں محفوظ اور راز رہنی چاہئے جب تک خود حق تعالیٰ ہی اس کے افشا کا حکم نہ دے دے۔ میں اس مخفی علم او ر پوشیدہ کتاب میں جسے ہم نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے اور اپنے سوا دوسروں سے پوشیدہ رکھا ہے' ایک عظیم الشان خبر اور بہت بڑی بلندی و مرتبہ کا ظہور پاتا ہوں جس میں تمام بنی نوع انسان کو حیات میں عظمت و شرف اور موت کے بعد فضیلت و برتری حاصل ہوگی اور آپ کی قوم

کو عام طور سے اور آپ کو خاص طور پر یہ شرف حاصل ہوگا۔ وہ راز اور خوشخبری یہ ہے کہ جب تہامہ (شدت گرما اور ہوا کے حبس کی وجہ سے جس کی حدیں شمال میں حجاز اور جنوب میں یمن سے جا ملتی ہیں۔ اس علاقے کا نام تہامہ رکھا گیا تھا) میں ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کے شانوں کے درمیان ابھرے ہوئے گوشت کی مہر ہوگی تو اسے قیامت تک عالم کی سرداری حاصل رہے گی۔ حق تعالیٰ اسے علانیہ مبعوث فرمائے گا۔ خدائے رحمان کی عبادت کرے گا۔ بتوں کو توڑ ڈالے گا' وہ تمام ادیان کو باطل قرار دے گا۔ برائیوں سے منع کرے گا اور خود بھی رکے گا۔ اس کے والدین وفات پا جائیں گے۔ اس کے دادا اور چچا اس کی پرورش کریں گے۔ حضرت عبدالمطلب نے حضور ﷺ کی ولادت کے جملہ احوال سنے تو ابن ذی یزن نے کہا اے عبدالمطلب! آپ ہی اس نومولود ہستی کے دادا ہیں۔ اس فرزند کی حفاظت کیجئے۔ خاص طور پر اسے یہودیوں سے بچائے رکھئے کیونکہ وہ لوگ اس کے سخت دشمن ہیں لیکن حق تعالیٰ انہیں ہرگز اس پر غالب نہ آنے دے گا۔ یہ واقعہ تاریخ اسد الغابہ میں بھی مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دادا کو سیف بن ذی یزن نے آپؐ کے اوصاف کے بارے میں مطلع کیا تھا۔ (محمد رسول اللہ' صفحہ ۴۲)

☆ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ:

نے حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے وقوع پذیر ہونے والے تیس شواہد بیان کئے ہیں۔ ان میں قدیم صحائف کے حوالے بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان شواہد میں انہوں نے حضور ﷺ کی تصویر یہودی علماء کے پاس ہونا' شاہ ہرقل کے پاس کئی انبیاء علیہم السلام کی تصاویر ہونا' کاہنوں کی زبان پر حضور ﷺ کا ذکر ہونا' یہودیوں کے ہاں ذکر میلاد النبی ﷺ' بخت نصر کے خواب کی تعبیر' سطیح کی پیشگوئی' حضرت عبدالمطلب سے یہودی علماء کی گفتگو' حضرت عبداللہ کی پیشانی میں نور مصطفیٰ ﷺ اور فاطمہ شامیہ کا قصہ اور واقعہ اصحاب الفیل کو بیان کیا ہے۔

(شواہد النبوت' صفحہ ۲۹' ۵۴)

☆ قریظہ' نضیر' فدک اور خیبر کے یہودی آپ ﷺ کی بعث سے قبل آپ ﷺ کی صفات بتایا کرتے تھے

جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی' یہودیوں کے عالم کہنے لگے۔ اس رات ''احمد'' پیدا

ہوئے ہیں اور یہ سرخ ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ جب آپ کو نبوت عطا ہوئی تو اس کی بھی انہوں نے تصدیق کی۔ یہودی آپ ﷺ کا اقرار کرتے اور صفات بیان کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی مدینہ ہجرت کے بارے میں بھی بتایا کرتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمارے پاس ثابت بن ضحاک نامی ایک نوجوان آیا اور سنانے لگا کہ بنو قریظہ کا ایک یہودی مجھ سے جھگڑ رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ ایک نبی ﷺ کی آمد کا زمانہ قریب ہے وہ ایسی ہی کتاب لائے گا جیسی ہمارے پاس ہے۔ وہ تم سب کو عاد کی طرح تباہ کر دے گا۔ ایک یہودی مدینہ کی بلندیوں پر چڑھا ہوا تھا۔ اس کے پاس آگ روشن تھی جب لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے تو کہنے لگا: ''ستارہ احمد طلوع ہو چکا ہے۔ یہ ستارہ اسی وقت طلوع ہوتا ہے جب کسی نبی کی آمد ہوتی ہے اور احمد ﷺ کے سوا اب کوئی نبی باقی نہیں رہا۔

(خصائص الکبریٰ، جلد اول، صفحہ ۵۸)

☆ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا:

آپ ﷺ کو یہودیوں اور کاہنوں کے پاس لے جاتیں اور ان سے آپ ﷺ کے حالات بیان کرتیں تو وہ آپ ﷺ کے احوال و اوصاف سے آپ ﷺ کو پہچان جاتے تھے۔ نیز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے جو ایک معمر عیسائی عالم تھے۔ آپ ﷺ کی وحی کی کیفیت سن کر آپ ﷺ کی رسالت کی خبر دے دی تھی۔

(بلوغ الارب، جلد اول، صفحہ ۵۷۵)

کعبے کے گرد قریش کی کئی ایک مجالس تھیں جن میں ان کا اجتماع ہوا کرتا جیسا کہ سیرت ہشامیہ میں لکھا ہے۔ ان مجالس میں وہ اپنے خاص معاملات کے متعلق مذاکرات کیا کرتے تھے۔ عبدالمطلب کعبے کے سائے میں بیٹھا کرتے تھے۔ وہاں ان کے لئے خاص فرش بچھا دیا جاتا تھا جس پر ان کے احترام اور تعظیم کی وجہ سے کوئی دوسرا نہ بیٹھ سکتا تھا۔

حضور ﷺ اپنے بچپن میں اپنے دادا کے پہلو میں بیٹھ جایا کرتے تھے:

عبدالمطلب کسی شخص کو انہیں روکنے کی اجازت نہ دیتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے: ''میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا بلکہ ان کے تصور اور ان کی امید سے کہیں

بڑھ کر ہوا۔ (ایضاً) بحیرا پادری علوم عیسائیت کے متبحر عالم تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور کتب مقدسہ کی معلومات کی بنا پر آپ کو آپ کے رسول ہونے کی اطلاع دے دی تھی کیونکہ سابقہ کتب میں آپ ﷺ کے اوصاف و علامات اور آپ ﷺ کے بعض معجزات مذکور تھے۔ (محمد رسول اللہ، صفحہ ۱۸)

جب حضور ﷺ بصریٰ کے قریب گھاٹی پر چڑھ رہے تھے تو اس وقت کوئی درخت و پتھر ایسا نہ تھا جس نے آپ کو سجدہ نہ کیا ہو تو اس وقت بحیرا پادری نے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کو وہیں سے واپس لے جانے کی تاکید کی تھی۔ (جواہر البحار فی فضائل نبی المختار، صفحہ ۱۳۰)

شام کے یہودیوں میں سے ابو البیان:

نے مکہ میں آ کر رہائش اختیار کر لی۔ وہ حضور کی بعثت کے بارے میں یہودیوں کو بتایا کرتا تھا کہ ایک نبی کی بعثت متوقع ہے جس کا زمانہ قریب آ چکا ہے پس اے گروہ یہود! مبادا کوئی دیگر گروہ آنحضرت ﷺ کے ظہور پر ایمان لانے میں تم پر سبقت لے جائے۔ آنحضرت ﷺ کو اس حال میں مبعوث کیا جائے گا کہ آپ ﷺ کو مجبوراً خون ریزی کرنا پڑے گی اور مخالفین کی عورتیں اور ان کی اولادیں آپ ﷺ کے پاس قیدی بن کر آئیں گی اور یہ چیزیں تمہیں آپ ﷺ پر ایمان لانے سے نہ روکیں۔ (سیرت ابن اسحاق)

راہبوں کی پیش گوئی:

کے بارے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں دین کی تلاش میں نکلا تو راہب یہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانے میں سرزمین عرب سے ایک نبی ظاہر ہوگا۔ آپ ﷺ کے شانے پر مہر نبوت ہوگی۔ چنانچہ راہبوں کی ساری باتیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ (خصائص الکبریٰ، جلد اول، صفحہ ۵۱)

نہ جنت نہ جنت کی کلیوں میں دیکھا
مزہ جو مدینے کی گلیوں میں دیکھا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت ذکر

اندھیرا مٹتا جاتا ہے اجالا ہوتا جاتا ہے
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بول بالا ہوتا جاتا ہے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم جان عالم، فخر آدم، ہادی اکرم
امام الانبیاء، خیرالبشر، پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

(حفیظ)

آج تک دنیاوی اعتبار سے کسی بڑے سے بڑے آدمی کو ایسی شان علو نہیں ملی کہ جس کے چرچے چار دانگ عالم میں پھیلے ہوں۔ یہ مقام رفیع رب ذوالجلال نے صرف آمنہ رضی اللہ عنہا کے لال، مکہ کے در یتیم، یتیموں کے والی، غریبوں کے مولیٰ سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔ بقول حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کیلئے ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے بلند مقام پر کھڑا کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان کی روشن دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جب انسان نے اس عالم رنگ و بو میں قدم رکھا اس وقت سے دنیا کے تمام خطوں، معاشروں، قبائل اور بلاد و امصار میں مختلف اوصاف و کمال کے لوگ پیدا ہوتے رہے۔ ان میں سے کچھ نے اپنے کارناموں کی وجہ سے تاریخ انسانیت پر گہرے نقوش ثبت کئے۔ بعض نے مقامی شہرت حاصل کی اور بعض اپنی تمام تر خوبیوں کے باوصف وقت کے

دھارے کے ساتھ بہہ گئے کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا مگر سرکار دو عالم ﷺ جملہ ہادیان عالم اور مصلحین انسانیت میں چودہ سو سال سے مینارہ نور کی حیثیت سے نہ صرف زندہ وتابندہ ہیں بلکہ قیام قیامت تک شان رفعت کے حامل رہیں گے۔

خدا کے ساتھ محمد کا نام آتا ہے
نہ انتہائے خدا ہے نہ انتہائے رسول ﷺ

ارشاد اللہ رب العزت ہے:

(ترجمہ) ''(اے حبیب مکرم ﷺ!) ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر دنیا وآخرت میں ہر جگہ) بلند فرما دیا''۔ (سورۃ الم نشرح آیت ۴)

مفسرین کرام نے جو دلائل دیئے ہیں ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ ذکر محمد ﷺ کو لازم قرار دے کر رفع ذکر کی شان کو مزید چار چاند لگائے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) ''حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا کہ کیا آپ کے رب کا ارشاد ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کا ذکر کس طرح بلند کیا۔ میں نے کہا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ آپ ﷺ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

بقول امام حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

مفسر قرآن علامہ محمود آلوسی رقمطراز ہیں کہ: ''اور اس سے بڑھ کر رفع ذکر کیا ہو سکتا ہے کہ کلمہ شہادت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب کا نام ملایا' نبی پاک کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنایا۔ ملائکہ کے ساتھ آپ ﷺ پر درود بھیجا اور اہل ایمان کو درود پاک پڑھنے کا حکم دیا اور جب بھی خطاب کیا تو معزز القابات سے خطاب فرمایا۔ ''یا ایھا المدثر'' یاایھا المزمل' یا ایھا الرسول' یاایھا النبی۔ پہلے صحیفوں میں آپ ﷺ کا ذکر خیر

فرمایا۔تمام انبیاء علیہم السلام اوران کی امتوں سے وعدہ لیا کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔
(تفسیر روح المعانی)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ مقامات زمین و آسمان میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حکم کیا تھا جب میں اس سے فارغ ہوا تو میں نے عرض کیا کہ اے رب! مجھ سے پہلے جن کو تو نے پیغمبر بنا کر بھیجا تو نے ان میں سے ہر ایک کو کرامت سے نوازا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو نے اپنا خلیل بنایا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام سے مشرف فرمایا تو وہ کلیم اللہ کہلائے۔حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے اور پہاڑوں کو' حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات اور ہواؤں کو مسخر فرمایا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تو نے مردوں کو زندہ کیا۔اے میرے رب تو نے میرے لے کیا کرامت قراردی؟ فرمایا اے حبیب مکرم ﷺ! جب میرا ذکر کیا جائے گا تو آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا۔آپ ﷺ کی امت کیلئے میں نے قرآن پاک کی تحفیظ کو آسان بنا دیا ہے۔میں نے اپنے عرش کے خزائن میں سے آپ ﷺ کو یہ خزینہ عطا فرمایا''۔

مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:''ملاء اعلیٰ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے ساتھ محمد ﷺ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

محمد ﷺ کا اسم گرامی ساقِ عرش پر لکھا ہوا ہے۔(تفسیر مظہری)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوح محفوظ کے وسط میں لکھا ہے کہ ''**لا الٰہ الا اللہ وحدہ و دینہ الاسلام و محمد عبدہ ورسولہ**''۔
(معالم التنزیل)

مولانا عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:''رفع ذکر سے مراد اذان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ پانچ وقت آپ ﷺ کا نام مبارک بھی لیا جاتا ہے۔خطبہ میں آپ ﷺ پر درود پاک پڑھا جاتا ہے۔کلمہ جو ایمان کی جڑ ہے اس میں آپ ﷺ کا نام موجود ہے۔عالم غیب میں آپ ﷺ سلطان ہیں۔کوئی جگہ' کوئی محل نہیں جہاں آپ ﷺ کا ذکر خیر نہ ہو۔قبر میں بھی حشر میں بھی ملائکہ پوچھتے ہیں کہ نافرماں آپ ﷺ پر ایمان لایا تھا کہ نہیں؟ جنت کے

دروازوں پر اور عرش کے کناروں پر بھی، کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے۔ منکرین بھی محامد کرنے پر مجبور ہیں۔ اب معمورہ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں آپ ﷺ کا ذکر خیر نہ ہو پھر اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی"۔ (تفسیر حقانی)

پتھر کریں سلام جنہیں اور شجر کریں
معلوم ان کا مرتبہ کیا ہم بشر کریں

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ قمطراز ہیں کہ: "اگر آپ ان حالات کو پیش نظر رکھیں جن حالات میں یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر اس آیت کو پڑھیں تو اس کے پڑھنے کا لطف دو چند ہو جائے گا۔ ساری دنیا میں مکہ کے نامور سردار اور عوام چراغ مصطفوی ﷺ کو بجھانے کے درپے ہیں جس گلی سے گزرتے ہیں اس گلی میں غلاظت کے ڈھیر لگا دیئے جاتے ہیں۔ کانٹے بچھا دیئے جاتے ہیں۔ حرم قدس میں سجدہ ریز ہوتے ہیں تو اونٹ کا اوجھ لا کر گردن مبارک پر رکھ دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کون تصور کر سکتا تھا کہ آپ ﷺ کا ذکر خیر دنیا کے گوشے گوشے میں بلند ہوگا"۔ (تفسیر ضیاء القرآن جلد پنجم)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

☆ رفعت ذکر مصطفیٰ ﷺ اور میثاق انبیاء کرام علیہم السلام:

محسن انسانیت ﷺ سے قبل دنیا میں جتنے پیغمبر بھی تشریف لائے ان میں سے ہر ایک نے اپنی امت سے یہ عہد لیا کہ میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے جب وہ تشریف لائیں تو اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

(ترجمہ): "اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول ﷺ تشریف لائے جو ان کی کتابوں کی

تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گے تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے''۔ (آل عمران۔ آیت ۸۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس آیت کی تشریح فرماتے ہیں کہ: ''آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے پیغمبر گزرے ہیں خدا نے ان میں سے ہر ایک سے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق اور تائید کا پختہ قول و قرار لیا''۔

رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

☆ رفعت ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی نظر میں:

مشہور مقولہ ہے کہ ''فضیلت و بزرگی تو وہی ہے جس پر دشمن بھی گواہی دیں''۔ مشرق و مغرب کے بڑے بڑے محقق، اصحاب فراست و لیاقت نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ و مرتبہ دنیا کے بڑے بڑے لوگوں میں سب سے اونچا ہے۔ غیر مسلم محققین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم و فراست، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب و ثقافت، دیانتداری و ایمانداری، غریبوں پر رحم و کرم، عدل مساوات، غیر مسلموں سے حسن سلوک اور انسانی صفات کا مکمل نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیا ہے۔ ان مفکرین نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کیا ہے جو رفع ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن مثال ہے۔

پھیلے ہوئے دنیا میں ہیں افکارِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہر سمت نظر آتے ہیں انوارِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اس بات کو غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے
ہر طور سے لاریب ہے کردارِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

☆ ڈاکٹر ڈی وائٹ:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اور قوم کیلئے نہیں بلکہ پوری دنیا کیلئے ابر رحمت تھے۔ تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں جس نے احکام خداوندی کو مستحسن طریقے سے سرانجام دیا ہو۔

☆ کرنٹ ٹالسٹائی:

یہ بات شک وشبہ سے بالا ہے کہ محمد ﷺ ایک عظیم المرتبت مصلح تھے جنہوں نے انسانوں کی خدمت کی۔ آپ ﷺ کیلئے یہ فخر کیا کم ہے کہ آپ ﷺ امت کو نورِ حق کی طرف لے گئے اور اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ امن وسلامتی کی دلدادہ ہو جائے۔ زہد وتقویٰ کی زندگی کو ترجیح دینے لگے۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان کام ہے جو اس شخص سے سرانجام پا سکتا ہے جس کے ساتھ کوئی مخفی قوت ہو ایسا شخص یقیناً اکرام واحترام کا مستحق ہے۔

یہ انتخاب ہمارا ہی انتخاب نہیں
خدا کے گھر میں بھی آقا ﷺ ترا جواب نہیں

☆ مسٹر سار مستشرق:

قرونِ وسطیٰ میں جبکہ تمام یورپ میں جہالت کی حدیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ عربستان کے ایک شہر سے نیرِ تاباں کا ظہور ہوا جس نے اپنی ضیاباریوں سے علم وہنر اور ہدایت کے چھلکتے ہوئے دریا بہا دیئے اسی کے طفیل یورپ کو عربوں کے توسط سے یونانیوں کے علوم اور فلسفے نصیب ہوئے۔

☆ مسٹر گاندھی:

جب مغرب قعرِ جہالت میں پڑا ہوا تھا تو مشرق کے آسمان سے ایک درخشاں ستارہ طلوع ہوا جس نے تمام مضطرب دنیا کو راحت اور روشنی بخشی۔

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

☆ پنڈت ہرے پرشاد:

اگر کوئی مجھ سے دریافت کرے کہ حضرت محمد ﷺ کون تھے تو میں اس جواب میں برملا کہوں گا کہ آپ ﷺ زمانہ کے سب سے بڑے پیغمبر، توحید کے علمبردار، حقانیت کے طرفدار، سچائی کے دلدادہ اور ایشور کے پرستار تھے۔ آپ ﷺ کی اصلاح قابلِ دید تھی اور تا قیامت

یادرہے گی۔

☆ سوامی لکشمن رائے:

مفسر راز حیات سرور عالم ﷺ کے سوا تاریخ عالم کے تمام صفحات زندگی اس قدر صحیح تغیر کرنے والی دوسری شخصیتوں کے بیان سے خالی ہے۔ وہ کون سی اذیتیں تھیں جو کفرستان عرب کے کافروں نے اپنے عقائد باطلہ کی حفاظت کیلئے اس بت شکن پیغمبر کو نہیں دیں۔ وہ کون سے انسانیت سوز مظالم تھے جو عرب کے درندوں نے اس رحم و ہمدردی کے مجسمہ پر نہیں توڑے۔ وہ کون سے زہر گداز ستم تھے جو جہالت کے تہوار میں پلنے والی قوم نے اپنے سچے ہادی پر روانہ رکھے ہوں مگر انسانیت کے اس محسن اعظم ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے بجائے بددعا کے دعا ہی نکلی۔

سر سے لے کر پاؤں تک تنویر ہی تنویر ہے
جیسے منہ سے بولتی قرآن کی تفسیر ہے
محو حیرت ہے یہ دنیا مصطفی ﷺ کو دیکھ کر
وہ مصور کیسا ہوگا جس کی یہ تصویر ہے

☆ مائیکل ہارٹ:

اس نے دنیا کی سو عظیم شخصیات کو اپنی کتاب میں جگہ دی۔ سرفہرست کا ذکر کیا ہے کہ:

"آپ ﷺ تاریخ انسانیت کے تنہا شخص ہیں جو انتہائی حد تک کامیاب رہے"۔

مذہبی سطح پر بھی اور دنیوی سطح پر بھی دنیا کی ان عظیم علمی و فکری پس منظر کے حاملین غیر مسلم شخصیتوں کا حضور ﷺ کا اعتراف عقیدت و محبت آپ ﷺ کے رفعت ذکر کی جاگتی تصویر ہے۔

قارئین محترم! یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دنیا میں ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں مسلمانوں کی کوئی بستی نہ ہو اور وہاں پانچ وقت اشھد ان محمد رسول اللہ کا نقارہ نہ بجتا ہو بلکہ آپ ﷺ کی رفعت شان کا چرچا تو نمازوں میں، جمعہ کے خطبات میں، سال کے بارہ مہینوں میں، دن کے چوبیس گھنٹے میں، روئے زمین کے چپہ چپہ پر ہر وقت ہو رہا ہے۔

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

رفعت عزو جاہ مصطفیٰ ﷺ کی اس سے بڑھ کر کیا عملی صورت ہو سکتی ہے کہ رب ذوالجلال نے اپنی اور اپنے ملائکہ کی سنت ٹھہراتے ہوئے درود پاک کو اہل ایمان پر بلا تخصیص وقت لازم قرار دیا ہے۔ مسلمان تو اپنی عقیدت و محبت اور تکمیل ایمان کیلئے سیرت طیبہ کے بحر بیکراں سے موتی چنتے ہیں لیکن غیر مسلم بھی رفعت ذکر مصطفیٰ ﷺ کے الوہی وعدہ کا مصداق بنے ہیں۔ ان میں ولیم میور (لائف آف محمد)، گوئتھ (محمد اور ظہور اسلام)، جنرل کلب (محمد رسول اللہ)، مارٹن لنگس (حیات سرور کائنات)، سوامی لکشمن پرشاد (عرب کا چاند) رفعت ذکر مصطفیٰ ﷺ کے اس نہ ختم ہونے والے سلسلے ہیں۔ صرف نثر ہی نہیں بلکہ نظم کو بھی ایک مقام حاصل ہے۔

اس سعادت میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے لے کر کعب بن زہیر تک، رومی رحمۃ اللہ علیہ و جامی رحمۃ اللہ علیہ اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر غالب، مولانا حالی، ظفر علی خان اور حفیظ جالندھری تک۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حافظ شیرازی تک، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تک۔

حفیظ تائب سے لے کر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری تک رفعت ذکر مصطفیٰ ﷺ کی تابندہ نظیریں ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ہوئے رومی، رضا، اقبال، حالی
تیری مدحت کی نسبت سے گرامی

عہدِ نبوی ﷺ کا نظام حکومت

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

اہل عرب میں ملک گیر مرکزیت کا تصور ناپید تھا۔ عرب قبیلوں اور خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے لیکن اسلام نے ان کو ایک ایسی مضبوط وحدت میں منسلک کیا جس میں نسلی اور قبائلی امتیازات کو کوئی دخل نہ تھا۔ طلوع اسلام کی بدولت ملک عرب میں نہ صرف انتشار' طوائف الملوکی اور لامرکزیت کا خاتمہ ہوا اور سیاسی وحدت معرض وجود میں آئی بلکہ عربوں کے سیاسی' مجلسی اور معاشی نظام میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے مساوات' اتحاد اور اخوت کے زریں اصولوں پر اسلامی معاشرہ کی بنیاد رکھ کر انتشار پسند عربوں کو رشتۂ اتحاد میں پرو دیا اور تمام قبائل عرب آپس میں شیر وشکر ہو گئے۔ اس وحدت و یکجہتی کی بدولت عربوں کے اخلاق و عادات اور رسم و رواج کچھ اس سرعت سے تبدیل ہوئے کہ دنیا دنگ رہ گئی اور اہل عرب قوم کی حیثیت سے ایک مرکزیت کے تحت دنیا کی اہم ترین اقوام میں شامل ہونے لگے۔

اسلام نے دنیاوی بادشاہت کے برعکس حاکمیت کا ایک نیا تصور پیش کیا جس کی اساس خداتعالیٰ کی حاکمیت اور جمہور کی خلافت پر تھی۔ آپ ﷺ نے جو نظام حکومت قائم کیا اس میں تصور حاکمیت' شخصیت پرستی' خاندان پرستی' نیز آمریت یا شہنشاہیت کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ آپ ﷺ کے رائج کردہ نظام میں امیر و غریب' اپنے اور غیر سبھی قانون خداوندی کے پابند تھے۔ اس طرح سیاست کی اصطلاح میں مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی قائم کردہ شہری مملکت

(CITY STATE) ایک مکمل دستوری حکومت تھی جس میں انتظامیہ قانون الٰہی کی پیرو تھی اور عدلیہ اس کے دباؤ سے آزاد تھی اور بے خوف و بلا جھجک عدل و انصاف شہریوں کو مہیا کرتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس نظام کی بنیاد کسی ہنگامی صورتحال کے تحت نہیں رکھی تھی بلکہ اس میں تمام آنے والی نسلوں اور قوموں کی ہدایت و رہنمائی کو ملحوظ رکھا گیا تھا کیونکہ آپ ﷺ صرف ملک عرب کیلئے ہی مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ قرآن حکیم کے مطابق آپ ﷺ کی بعثت روز محشر تک پوری نوع انسانی کیلئے تھی۔ عہد نبوی ﷺ میں اسلامی نظام حکومت ابھی ابتدائی مراحل میں تھا۔ ابھی حکومت کی ضروریات محدود تھیں اس لیے مختلف شعبہ جات ابتدائی صورت میں تھے۔ ان کی مکمل تکمیل خلفائے راشدین کے دور خلافت میں ہوئی۔ تاہم آپ ﷺ کے دس سالہ عہد کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جب آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو تمام اہل عرب ایک قوم بن چکے تھے اور مدینہ منورہ مسلمانوں کی قومی مملکت (NATIONAL STATE) کا دارالحکومت تھا۔

تلاطم خیز بحر بیکراں میں مدینہ ہے غریبوں کا سفینہ

مرکزی نظام:

اسلامی نظام حکومت میں نظری اعتبار سے حاکم اعلیٰ کا درجہ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے۔ سورہ زخرف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) ''(وہی اللہ) آسمانوں میں معبود ہے اور وہی زمین میں معبود ہے۔ (حاکم مطلق ہے) اور وہ بڑی حکمت والا بڑے علم والا ہے''۔ (الزخرف۔۸۴)

اور پھر سورہ الاعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) ''دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے۔ یہ خدا رب العالمین بڑی برکت والا ہے''۔ (الاعراف۔۵۴)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا واضح اعلان موجود ہے۔ لہٰذا حاکمیت اعلیٰ یا اقتدار اعلیٰ (SUPREME AUTHORITY) کا مالک شارع مطلق (LAW GIVER) کی حاکمیت مطلقہ کو تسلیم کرنا اور اس کے احکامات کی پیروی کرنا نہ صرف ہر انسان

پر لازم ہے بلکہ اطاعت الٰہی اور عبادت کا درجہ رکھتا ہے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آنحضور ﷺ سے احکام کے بارے میں پوچھ لیا کرتے تھے کہ یہ آپ ﷺ کا حکم ہے یا حکمِ خداوندی ہے۔

☆ مشہور مؤرخ فلپ۔کے ہٹی لکھتا ہے ''یہ پہلا موقع تھا کہ عرب میں ایک معاشرہ رشتہ خون کے بجائے مذہب کی بنیاد پر قائم ہوا''۔

☆ بقولِ کارلائل: ''رسول اللہ ﷺ نے عرب قوم کو تاریکی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالا اور اسلام سے منور ہو کر پہلی دفعہ سرزمین عرب زندہ و پائندہ ہوئی''۔

اطاعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم:

آنحضور ﷺ کا کام اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت سے اللہ کے احکام کو دنیا تک پہنچانا' ان کی روشنی میں مزید احکام جاری فرمانا اور ان کی علمی و عملی تعبیر پیش کرنا تھا۔آنحضرت ﷺ اسلامی ریاست کے سربراہ اور ملک کے بے تاج فرمانروا تھے۔آپ ﷺ دنیوی فرماں رواؤں سے مختلف شان رکھتے تھے۔آپ ﷺ کی زندگی ایک عام شہری کی سی تھی۔صحابہٗ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تشریف فرما ہوتے تو اجنبی آدمی کیلئے آپ ﷺ کو پہچاننا مشکل ہوتا تھا۔تاج و تخت اور محلات کا نشان تک نہ تھا۔تمام مسلمانوں پر آپ ﷺ کی اطاعت لازم تھی۔سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

(ترجمہ) ''پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنا لیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں''۔(النسآء۔۶۵)

آنحضرت ﷺ کی حیثیت دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نائب کی تھی۔تاہم اس حیثیت میں آپ ﷺ کو اختیارات کلی حاصل تھے۔آپ ﷺ بیک وقت اسلامی مملکت کے مقنن' حاکم اعلیٰ' سپہ سالار افواج' شعبۂ عدلیہ اور انتظامیہ کے افسر اعلیٰ' غرضیکہ پورے نظام کے سربراہ تھے۔آپ ﷺ کے اختیارات کو آمریت کا مفہوم دینا سخت غلطی ہوگی۔کیونکہ آپ ﷺ کے

تمام اقدامات احکام الٰہی کی ہدایت کے تحت ہوتے تھے۔علاوہ ازیں آنحضور ﷺ ہر معاملے میں جمہوری طریقے کے قائل تھے اور آپ ﷺ ہمیشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیتے تھے اور اکثریت کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔

☆ مشہور مغربی مفکر منٹگمری واٹ لکھتا ہے:

''اگر رسول اللہ ﷺ میں انتظامی قابلیت دانشمندی سیاسی تدبر دوراندیشی یقین محکم اور توکل علی اللہ جیسی صفات نہ ہوتیں تو انسانیت کی تاریخ کا ایک نہایت ممتاز باب بغیر لکھے رہ جاتا''۔

حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآں

قارئین ذی وقار! ظہور اسلام کے ساتھ جو مسلم معاشرہ وجود میں آیا اور پھر ہجرت مدینہ کے بعد سیاسی طاقت حاصل کر کے جس اسلامی ریاست کی شکل اس نے اختیار کی اس کی بنیاد درج ذیل واضح اصولوں پر تھی۔

۱- قانون خداوندی کی بالاتری ۲- عدل بین الناس
۳- مساوات بین المسلمین ۴- حکومت کی ذمہ داری
۵- شوریٰ ۶- اطاعت فی المعروف ۷- اقتدار کی طلب وحرص کی ممانعت
۸- ریاست کا مقصد وجود۔ ۹- امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حق اور فرض

(اسلامی ریاست از سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) ''(یہ اہل حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے''۔

(سورۃ الحج۔ آیت ۴۱)

مجلس شوریٰ:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ میں اسلامی ریاست کا پورا نظام شورائیت کے اصولوں پر چلانے کی تاکید کی ہے۔ اس لیے باوجودیکہ حکومت کے تمام شعبوں کا مکمل انتظام آنحضور ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔ تاہم وہ مختلف امور میں باشندگان مدینہ سے مشورہ کرلیا کرتے تھے۔ مجلس شوریٰ عموماً مسجد نبوی ﷺ میں منعقد ہوتی تھی جس میں ہر مسلمان شریک ہوسکتا تھا اور مشورہ دے سکتا تھا لیکن یہ مشورے ان امور کے بارے میں طلب کیے جاتے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ تاہم یہ ضروری نہیں تھا کہ رسول ﷺ خدا ان مشوروں پر لازمی طور پر عمل کریں۔

مرکزی حکومت کا سیکرٹریٹ:

عہد نبوی ﷺ میں مسجد نبوی ﷺ سے مرکزی سیکرٹریٹ یعنی مرکزی حکومت کے دفاتر کا کام لیا جاتا تھا۔ حکومت کا جملہ کاروبار مسجد نبوی ﷺ میں ہی سرانجام پاتا تھا۔ بیرونی سفیروں کی بارگاہ نبوت میں باریابی بھی وہیں ہوتی تھی اور مسلمانوں کے عام اجلاس اور مجلس مشاورت کی نشستیں بھی یہیں منعقد ہوتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں کوئی علیحدہ عمارت امور مملکت کی انجام دہی کیلئے تعمیر نہ کی گئی۔

کتابت وحی:

جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذمہ وحی الٰہی کو قلمبند کرنا ہوتا تھا وہ کاتب وحی کہلاتے تھے۔ اس ضمن میں آنحضور ﷺ نے باقاعدہ چند صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو متعین کر رکھا تھا جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قابل ذکر ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی کچھ عرصہ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

مالیات کا ریکارڈ:

-زکوٰۃ اور صدقات کی مد میں وصول ہونے والی رقوم کا حساب رکھنا، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور جہیم بن صامت رضی اللہ عنہ کے ذمے تھے۔ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کھجور کی پیداوار سے

وصول ہونے والے ٹیکس کا حساب رکھتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حسن بن نمیر رضی اللہ عنہ لوگوں کے باہمی لین دین کے معاملات کا ریکارڈ رکھتے تھے۔ حضرت معیقت رضی اللہ عنہ بن ابی فاطمہ اور حضرت کعب بن عمرو مال غنیمت کے حساب کتاب رکھنے پر مامور تھے۔

مہرنبوی ﷺ:

حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے سیکرٹری تھے اور انہی کے پاس آنحضور ﷺ کی مہر رہتی تھی، جو اہم مراسلات پر لگائی جاتی تھی۔

محکمۂ عدل:

قرآن حکیم قانون کا سرچشمہ تھا۔ آنحضرت ﷺ اس کے مفسر اور مملکت اسلامیہ کے منصف اعلیٰ (چیف جسٹس) تھے۔ محکمۂ عدلیہ حسب ذیل شعبوں میں منقسم تھا۔

(ا) افتاء:

اس شعبہ کے تحت عوام کو مفت قانونی مشورہ دیا جاتا تھا۔ ہر دریافت طلب مسئلہ میں لوگ آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے علاوہ مقتدر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی فتویٰ دیتے تھے۔

(ب) قضا:

اس شعبے کے تحت فوجداری نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ مدینہ اور مضافات کے مقدموں کا فیصلہ سرور کائنات ﷺ خود کرتے تھے۔ صوبوں اور دیگر مقامات کیلئے الگ الگ قاضی مقرر تھے یا وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انجام دیتے تھے جو معلم یا قاضی بنائے گئے تھے۔ مقدمات کا فیصلہ عموماً قرآنی احکام کی روشنی میں اور ان مقامی رسم و رواج کی مدد سے کیا جاتا تھا جو اسلامی قانون کے خلاف نہ تھے۔

(ج) پولیس:

پولیس کا باقاعدہ محکمہ ابھی معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔ تاہم اس کی ابتدائی صورت موجود تھی۔ جرائم کے سدباب کیلئے سعد بن قیس رضی اللہ عنہ کو پولیس کے فرائض تفویض کئے گئے تھے۔

(د) احتساب:

احتساب کا بھی کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا اور نہ ہی کسی کو محتسب متعین کیا گیا تھا لیکن لوگوں کے اخلاق و اطوار کی اصلاح کو آنحضور ﷺ بطور ایک فرمانروائے مملکت اپنا فرض منصبی تصور کرتے تھے۔ اکثر اوقات سرور کائنات ﷺ بہ نفس نفیس رعایا کے اعمال کا احتساب کیا کرتے تھے اور بازار میں جا کر ناپ تول کے پیمانوں اور اشیائے فروخت کا معائنہ فرماتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ بازار سے گزر رہے تھے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا۔ اس کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو نمی محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے تاجر سے پوچھا تو اس نے جواب دیا۔ بارش سے بھیگ گیا ہے۔ فرمایا تو اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا کہ ہر شخص کو نظر آئے۔ ناراضگی کے اظہار میں فرمایا:

"من غش فلیس منا" (جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں)

عوام کے احتساب سے عمال اور حکام کا احتساب زیادہ ضروری ہوتا ہے چنانچہ لوگ جب دور دراز کے علاقوں سے ٹیکس جمع کر کے لاتے تو آپ ﷺ باقاعدہ واجبات کا جائزہ لیتے کہ انہوں نے محاصل کی وصولی میں کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا۔ ایک بار ایک صحابی عبداللہ رضی اللہ عنہ کسی علاقے سے واجبات کی وصولی کر کے لائے۔ تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کے پاس کچھ فالتو روپیہ بھی ہے۔ استفسار پر وہ کہنے لگے کہ یہ حکومت کے محاصل سے علیحدہ ہے اور بطور ہدیہ ملا ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہدیہ تم کو گھر بیٹھے کیوں نہ مل گیا اور خطبہ میں تمام مسلمانوں کے سامنے اس امر کا اعلان کیا کہ دوران ملازمت کسی سرکاری اہلکار کا اپنے ماتحت علاقوں کے عوام سے کوئی چیز یا رقم بطور ہدیہ اور تحفہ قبول کرنا خلاف قانون ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم جس شخص کو افسر اور عامل بنا کر بھیجتے ہیں اور اس کی تنخواہ مقرر کر دیتے ہیں تو اس کے بعد اگر وہ کوئی چیز کسی سے قبول کرتا ہے تو خیانت کرتا ہے"۔

مردم شماری:

آپ ﷺ نے مردم شماری کی ابتدا کی اور اس کام کے لئے ایک رجسٹر کی تیاری کا حکم دیا۔

عہد نبوی ﷺ میں صوبائی نظام:

سرور کائنات ﷺ نے صوبائی نظم ونسق کی داغ بیل ڈالی۔ ملک کو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ مدینہ منورہ مرکزی صوبہ تھا جو براہ راست حضور ﷺ کی نگرانی میں تھا۔ اس کے علاوہ مکہ، یمن، نجران، حضر موت، تہامہ، عمان علاقہ بنو کندہ اور بحرین دوسرے صوبے تھے۔ ہر صوبے کا انتظام ایک گورنر کے سپرد ہوتا تھا جسے ''والی'' کہا جاتا تھا اور وہ اپنے علاقے کے نظم ونسق، امن وامان اور صوبائی فوج کی سپہ سالاری کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ صوبہ کی زکوٰۃ کی فراہمی کیلئے ''محصل'' مقرر تھے۔ آنحضرت ﷺ گورنروں اور محصلوں کو خود مقرر کرتے تھے۔ ان کا تقرر ان کی ذاتی لیاقت، دین داری اور علم وفضل کے پیش نظر کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ ایسے لوگوں کو مقرر کرتے جو قابل احترام ہوں جن پر لوگ اعتماد کر سکیں اور نامعقول حاکموں کو معزول کر دیتے تھے۔ والیوں کی تنخواہیں نقد یا جنس کی صورت میں ادا ہوتی تھیں۔ صوبوں میں مقدمات کی سماعت کیلئے باقاعدہ قاضی مقرر تھے جن کی تقرری براہ راست مرکز کرتا تھا یا آنحضرت ﷺ کی ہدایات کے مطابق متعین کرتا تھا۔ بعض لوگ عموماً شرع اسلامیہ کے ماہر ہوتے تھے۔ چنانچہ لوگوں سے مقدمات کی سماعت کے علاوہ تعلیم وتبلیغ کی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ اس عہدے پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی متعین کیے گئے۔

رہبر خلق بن گئے جو تیری راہ پر چلے
نازش کائنات ہیں تیرے غلام سب کے سب

ذرائع آمدنی اور مالی نظام:

اسلام دولت کی مناسب تقسیم پر زور دیتا ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے زکوٰۃ اور صدقات کی فراہمی کا باقاعدہ انتظام کیا تاکہ غریبوں کو امیروں کی دولت سے کچھ حصہ ملتا رہے۔ آپ ﷺ کے عہد میں آمدنی کے ذرائع مندرجہ ذیل تھے:۔

۱۔ زکوٰۃ:

زکوٰۃ صرف ان مسلمانوں سے لی جاتی جن کی دولت ایک خاص معیار تک پہنچ جائے۔

اس کی شرح میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی اور نہ معاف ہوسکتی ہے۔ زکوٰۃ کے وصول کرنے پر عمال مقرر تھے جو زکوٰۃ وصول کر کے مدینہ منورہ بھیجتے تھے۔ نقدی کی صورت میں رقم کا اڑھائی فیصد بیت المال کو دینا پڑتا ہے۔ زکوٰۃ ہر صاحب نصاب عاقل و بالغ پر فرض ہے۔ اس کا منکر کافر اور بلا وجہ ادا نہ کرنے والا فاسق ہے۔

۲۔ عشر:

جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں ان سے پیداوار کا 1/10 حصہ بطور عشر وصول کیا جاتا تھا۔ اگر زمین کا کوئی حصہ مصنوعی آبپاشی سے سیراب کیا جاتا تو اس کا مالیہ 1/10 کے بجائے 1/20 مقرر کر دیا جاتا تھا۔

۳۔ عطیات:

حکومت کا کوئی مستقل بیت المال نہ تھا۔ جب قومی معاملات کے لیے روپیہ کی اچانک ضرورت پڑتی تو سرور کائنات ﷺ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مالی امداد کی دعوت دیتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حتی المقدور مدد کرتے تھے۔

۴۔ خمس:

میدان جنگ میں جس قدر مال غنیمت اکٹھا ہوتا ہے اس کا خمس (پانچواں حصہ) مرکزی حکومت کو بھیجا جاتا تھا اور چار حصے فوج میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ خمس کو ریاست کے اخراجات میں دیا جاتا تھا۔

۵۔ فیئے:

فیئے کی اصطلاح اس جاگیر، زمین یا جائیداد کیلئے استعمال کی جاتی تھی جو مفتوحہ علاقوں میں براہ راست حکومت کے زیر قبضہ ہوں۔ ان سے وصول شدہ آمدنی آنحضرت ﷺ کی مرضی سے ان کے اعزہ، افرادِ خاندان، یتیموں، غریبوں، مسافروں اور بنو ہاشم کے مستحق افراد پر خرچ ہوتی تھی۔

☆ فدک کا مشہور خطہ جو نواح خیبر میں تھا، اسی ذیل میں شمار ہوتا تھا۔ اس پر

آنحضرت ﷺ کا قبضہ تھا۔ فئے کی حیثیت ماڈرن اصطلاح میں ''خالصہ اراضی'' (Crown Land) کی سی تھی۔ (تاریخ اسلام از محمد عبداللہ ملک' صفحہ ۲۳۵)

۶۔ جزیہ:

غیر مسلم رعایا سے جبراً فوجی خدمت نہیں لی جاتی چونکہ مسلمان ان کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لیتے تھے اس لئے غیر مسلم رعایا کو جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہ ٹیکس بہت معمولی ہوتا تھا اور غیر مسلم بڑی خوشی سے ادا کرتے تھے۔ معذور اور ضعیف' بچے عورتیں اور راہب اس سے مستثنیٰ تھے۔ عہد نبوی ﷺ میں صرف اہل کتاب سے یہ ٹیکس وصول کیا جاتا تھا' مشرکین سے نہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم فوجی خدمت سرانجام دیتا تو اس کو جزیہ ادا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ نبی کریم ﷺ شام و نجران کے عیسائیوں اور بحرین کے مجوس سے جزیہ وصول کیا کرتے تھے۔

قارئین محتشم! بعض غیر مسلم مؤرخین نے محض مذہبی تعصب کی وجہ سے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی غرض سے جانبدارانہ تنقید کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جزیہ ایک مذہبی ٹیکس ہے جو مسلمان غیر مسلموں سے وصول کرتے ہیں۔ انہوں نے جزیہ ٹیکس کو اسلامی عدل و مساوات کے اصول کے منافی قرار دیا ہے۔ یہ کوئی نیا ٹیکس نہیں تھا جسے مسلمانوں نے ایجاد کیا ہو بلکہ ایرانیوں کے ہاں ''گزیت'' کے نام سے یہ ٹیکس عائد تھا اور رومی اسے ''ٹری بیوٹم کیپٹیس'' (TRIBUTUM CAPITIS) کے نام سے فی کس وصول کرتے تھے۔ ایرانی اپنی غیر ایرانی اور رومی اپنی غیر رومی رعایا سے ہمیشہ یہ ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

۷۔ خراج:

جو علاقے مسلمان فتح کرتے اور جن کی زمینیں (اراضی) غیر مسلموں کے قبضے میں رہتی

تھیں ان کو لگان ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہ ''خراج'' کہلاتا تھا۔ خراج کی شرح کل پیداوار کا 1/2 حصہ تھی۔ اس کی ابتدا فتح خیبر کے موقع پر ہوئی۔ جب یہودیوں کی اراضی (زمینیں) خراج کی ادائیگی کے وعدے پر آپ ﷺ نے ان کو واپس کر دی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی وصولی پر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مامور کیا جو ہر سال خیبر جاتے اور پیداوار کا نصف حصہ وصول کر لاتے۔ خیبر کے علاوہ فدک وادی القراء سے بھی خراج وصول کیا جاتا تھا۔

۸۔ صدقات:

یہ وہ رقم تھی جو مسلمان خود ہی بیت المال کے اخراجات پورے کرنے کیلئے دیتے تھے اس کو ''انفاق فی سبیل اللہ'' (اللہ کی راہ میں خرچ) کہتے تھے۔ یہ مسلمانوں کے جذبۂ ایثار و قربانی کو ظاہر کرتا ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر اسی قسم کی رقوم سے لشکر اسلام کی تیاری کا سامان کیا گیا تھا۔

عہد نبوی ﷺ کا عسکری نظام:

عہد نبوی ﷺ میں کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی۔ جہاد ایک بہت بڑی عبادت ہے اس لئے ہر مسلمان سپاہی تھا۔ جب جہاد کا اعلان ہوتا تو مسلمان خود بخود اس میں حصہ لینے کی پیشکش کرتے۔ تلوار، نیزہ، کمان، برچھی، زرہ اور ڈھال اس زمانے کے مشہور ہتھیار تھے۔ عہد نبوی ﷺ میں مسلمان عورتیں بھی جنگ میں شریک ہوتی تھیں۔ ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔ مجاہدین کیلئے کھانا پکائیں۔ میدان جنگ میں پانی پلائیں۔ بیماروں کی خبر گیری کریں اور مال غنیمت سنبھالیں۔ آنحضرت ﷺ اسلامی مملکت کے فرمانروا ہونے کے علاوہ عساکرِ اسلام کے سپہ سالار (چیف آف سٹاف) بھی تھے۔ عہد نبوی ﷺ کی تمام اہم لڑائیوں اور مہموں میں سرور دو عالم ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی اور میدان جنگ میں افواج کی تنظیم و ترتیب کا کام آپ ﷺ نے خود انجام دیا اور لڑائی کے دوران افواج کی قیادت کے جملہ فرائض بھی انجام دیئے۔ بقول طبری: ''آپ ﷺ نے ۲۶، ۲۷ کے قریب مہموں میں حصہ لیا جن میں بدر، احد، حنین، خیبر اور فتح مکہ بہت اہم ہیں''۔ اگر کسی مہم پر آنحضرت ﷺ خود تشریف نہ لے جاتے تو کسی صحابی کو اس کام پر مامور فرماتے تھے۔ چونکہ رسول اکرم ﷺ ہمیشہ

اطاعت امیر پر زور دیتے تھے اس لئے اسلامی فوجوں کا نظم وضبط بہت اعلیٰ ہوتا تھا۔ فوج کا سپہ سالار مال غنیمت کی تقسیم کا ذمہ دار بھی ہوتا تھا۔ اس زمانے میں فوج کی کوئی وردی نہیں ہوتی تھی۔ شناخت کیلئے خاص الفاظ زبان سے پکارتے تھے۔ ان الفاظ کو ''شیعار'' واحد ''شعار'' (Watchword) کہتے تھے تاکہ دوست اور دشمن کی پہچان کی جا سکے۔

☆ طائف کے محاصرہ میں قلعہ شکن آلات مثلاً منجنیق اور دبابہ کا استعمال بھی کیا گیا جن سے دور سے پتھر اور تیر پھینکتے تھے لیکن مسلمان ابھی آلات حرب کے استعمال سے بخوبی واقف نہ تھے اس لئے رسول اکرم ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو قلعہ شکن اسلحہ کی تربیت حاصل کرنے کیلئے یمن بھیجا۔

عہد نبوی ﷺ کی ساری لڑائیوں میں مسلمان مجاہدین کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں ہمیشہ کم رہی۔ اس کے باوجود وہ ہمیشہ فاتح رہے۔ آنحضرت ﷺ خداداد عسکری قابلیت کے حامل اور قیادت سپاہ کی جملہ صلاحیتوں کے پیکر تھے۔

آپ ﷺ نے ہمیشہ مختلف طریق ہائے جنگ استعمال کر کے دشمنوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ آپ ﷺ نئے نئے فوجی حربوں کے استعمال کو ہمیشہ پسند فرماتے تھے۔

عہد نبوی ﷺ کی انقلابی اصلاحات

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین (الانبیاء ۔ آیت ۱۰۷)

اور (اے رسول محتشم!) ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی وہ بر لانے والا

آج تک دنیا نے محسن انسانیت ﷺ سے عظیم تر کوئی مصلح (REFORMER) پیدا نہیں کیا۔ آپ ﷺ کے ظہور سے قبل سرزمین عرب بلکہ ساری دنیا فسق و فجور، ظلم واستبداد اور بربریت و جاہلیت میں غرق تھی۔ عرب معاشرہ سماجی ناانصافی، غلامی، شراب نوشی، قمار بازی، اوباشی، طبقۂ نسواں کی پسماندگی و بے حرمتی، لہو ولعب کی فراوانی، حرص و ہوس کی کثرت اور اسی طرح کے دیگر مذموم جرائم کا شکار تھا۔ مذہبی پسماندگی کا یہ عالم تھا کہ کوئی قوم عربوں سے زیادہ بت پرستی کی خوگر نہ تھی۔ بقول مولانا حالی:

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

اسلام ایک عظیم الشان تحریک تھی اور سرور کائنات ﷺ اس کے عظیم قائد تھے۔ اس

انقلابی تحریک نے عرب کے بدوؤں کی کچھ ایسی کایا پلٹ دی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا کی متمدن اقوام کی صف اول میں ان کا شمار ہونے لگا۔

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں

آنحضور ﷺ کا مشن کسی ایک شعبۂ زندگی کی اصلاح تک محدود نہ تھا بلکہ ہدایات خداوندی کے مطابق زندگی کے تمام شعبوں کی تطہیر و تعمیر کرنا تھا۔ چنانچہ محسن انسانیت ﷺ نے سیاسی، مذہبی، اقتصادی اور سماجی غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ اور حصے میں انقلابی اور اصلاحی تبدیلیاں کیں اور عرب معاشرہ کو ایک مثالی معاشرہ بنا دیا۔ اس عظیم کارنامے کی بنا پر تاریخ عالم میں آپ ﷺ دنیا کے عظیم معلمین اخلاق اور مذہبی پیشواؤں میں ممتاز ترین مقام رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کی تحریک ہمہ گیر تھی۔ آپ ﷺ نے انسانیت کے تصور میں انقلاب عظیم پیدا کیا۔ اس اصلاحی انقلاب کی برکت نے دنیا کی قوموں پر ایک لازوال اثر ڈالا۔

سیاسی اصلاحات:

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے سرزمین عرب ہزارہا بدوی قبائل میں بٹی ہوئی تھی اور یہ قبائل ہمیشہ آپس میں قبائلی تنازعات اور خانہ جنگیوں میں الجھے رہتے تھے اور جزیرہ نمائے عرب سیاسی انتشار اور لامرکزیت کا شکار تھے۔ جنوبی عرب کے زرخیز علاقوں پر ایرانیوں کا قبضہ تھا جبکہ شمالی عرب رومیوں کے زیر تسلط تھا۔ ایرانی اور رومی اہل عرب کو محکوم اور حقیر سمجھتے تھے۔ سرور کائنات ﷺ نے ان بکھرے ہوئے بدوی قبائل کو یکجا اور ہمیشہ لڑنے والی قوم کو متحد کر کے ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ مزید برآں آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی دولت مشترکہ قائم کر کے اور مدینے کو مرکزی حیثیت دے کر ان بدوی قبائل کو ایک حکومت کے تحت متحد کیا اور انہیں نظم و ضبط اور اخوت و مساوات کا خوگر بنا کر ایران اور روم کی ترقی یافتہ اور عظیم قوموں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا۔ آپ ﷺ نے انقلاب آفرین تعلیم سے عربوں میں ایسی خوداعتمادی پیدا کر دی کہ وہ قیصر و کسریٰ کے درباروں میں بے خوف و خطر جاتے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

مذہبی اصلاحات:

طلوع اسلام سے قبل اہل عرب شرک اور کفر میں ڈوبے ہوئے تھے' وہ خداوند تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی جملہ صفات سے بے خبر اور بت پرستی کے خوگر تھے۔ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے جن کی دن رات پوجا ہوتی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بت پرستوں کو مشرکانہ رسوم اور بت پرستی سے روکا اور انہیں ایک خدا کی پرستش کی تعلیم دی چنانچہ رفتہ رفتہ وہ اپنے دیوتاؤں کو بھول کر' خدائے واحد کی عبادت کرنے لگے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت ایک عظیم مصلح کے اہل عرب کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا تصور اس طرح راسخ کر دیا کہ نہ صرف سرزمین عرب میں ہی شرک و بت پرستی کی لعنت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئی بلکہ اس کے نتیجہ میں دنیا کی تمام اقوام (ماسوائے اہل ہند کے) بت پرستی سے متنفر و بےزار ہوگئیں۔

توحید خالص کی بدولت ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں عظیم انقلاب برپا ہوگیا۔ بقول حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ے

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اخلاقی اصلاحات:

سیرت و اخلاق کی اصلاح کے بغیر تمام معاشرتی اصلاحات بیکار ہو جاتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیرت و اخلاق کی اصلاح کو مقدم سمجھا اور ان برائیوں کا جو عرب معاشرہ کو فسق و فجور اور بے راہروی کی طرف لے جا رہی تھیں' قلع قمع کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو ایک نیا تصور اخلاق دیا۔ اس ضمن میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ' وعدہ خلافی' غرور و نخوت' جھوٹی شہادت' غیبت' قمار بازی' سود خوری اور زنا کو گناہ کبیرہ قرار دیا۔ شراب نوشی کو جو تمام برائیوں کی جڑ ہے ام الخبائث قرار دیا اور لوگوں کے دلوں میں

اس کے خلاف نفرت وناپسندیدگی کے جذبات پیدا کر دیئے۔ ۴ھ میں ہدایات خداوندی کی رو سے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا جو عرب اپنے باپ کی بیویوں کے خود مالک بن جایا کرتے تھے اور اپنی بیویوں کو جوئے کے داؤ پر لگا دیتے تھے' محسن انسانیت ﷺ نے ان کی سیرت واخلاق کی اصلاح کر کے دنیا کی ایک مہذب ترین قوم بنا دیا۔

یہ لوگ جو آخرت کے تصور سے بالکل بے بہرہ تھے اور اپنی زندگی فضول کاموں اور بے کار مجلسوں میں گزارنا فخر سمجھتے تھے اسلام کے تصور آخرت اور اس کی جواب دہی کے احساس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ایک ایک لمحہ نیکوکاری میں بسر کرنے لگے۔ ان کی انفرادی واجتماعی زندگی کا پورا نقشہ بدل گیا۔ نیکی کی جستجو اور لغویات سے پرہیز ان کی زندگی کا شعار بن گیا۔

اقتصادی ومعاشی اصلاحات:

اسلام سے قبل اہل عرب اقتصادی لحاظ سے بالکل غریب اور مفلوک الحال لوگ تھے۔ ان کا معیار زندگی بہت پست تھا۔ وہ عام طور پر اونٹ کے بالوں کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے اور بھیڑ بکری اور اونٹ کے دودھ پر گزارہ کرتے تھے۔ وہ جنس کا جنس سے تبادلہ کرتے تھے۔ ان میں اکثر نے روپیہ پیسہ کی شکل بھی نہ دیکھی تھی۔

عرب معاشرہ معاشی طور پر عدم توازن کا شکار تھا۔ مزید برآں جوئے' شراب نوشی' مسلسل خانہ جنگیوں' وراثت کی تقسیم کے غلط قانون اور سودی نظام نے عرب معاشرہ کی اقتصادی بدحالی کو انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ محسن انسانیت ﷺ نے سود خوری کو حرام قرار دے کر زکوٰۃ۔ صدقہ اور فطرانہ کو رواج دیا اور اخلاقی تعلیم کے ذریعے دولت کی اندھی ہوس کا بھی انسداد کیا۔

آنحضور ﷺ نے بتایا کہ دولت کو سماجی بہبود کیلئے خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے مسلمانوں میں سماجی بہبود کا جذبہ ابھار کر دولت کو گردش میں لانے کا انتظام کیا۔

آپ ﷺ نے ایک جامع قانون وراثت نافذ کیا کہ جو شخص مال و دولت چھوڑ کر مر جائے اس کے چھوٹے چھوٹے حصے کر کے دور و نزدیک کے تمام رشتہ داروں میں حسب استحقاق بانٹ دیا جائے اور اگر کوئی متوفی لاوارث ہو فوت ہوا ہو تو اس کے مال کو بیت المال

میں داخل کر دیا جائے تاکہ وہ عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ ہو سکے۔ دولت کی اس تقسیم سے آپ ﷺ نے سرمایہ داری پر کاری ضرب لگاتے ہوئے اقتصادی حالت میں عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ چنانچہ اہل عرب تھوڑے ہی عرصہ میں خوشحال اقوام کی صف میں شامل ہو گئے اور ان کے ہاں مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہوگئی کہ ہر گھر میں سونے اور چاندی کے دریا بہنے لگے۔

سماجی و معاشرتی اصلاحات:

معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے اس۔ لیے معاشرے کی اصلاح اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب افراد معاشرہ کی اصلاح ہو۔

افراد کے ہاتھوں میں اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ (اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

طلوع اسلام سے پہلے عربوں کی سماجی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ان میں فسق و فجور کا دور دورہ تھا۔ تمام معاشرہ نسلی امتیاز اور عدم مساوات کا شکار تھا۔ عورت کو معاشرہ میں کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ اس کے باوجود ان کو ذلت و شرم اور گناہ کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بیٹی کی پیدائش باپ کے لئے موجب ننگ و عار تھی اس لیے کئی لوگ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی ہلاک کر دیتے تھے یا زندہ درگور کر دیتے تھے۔ بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی۔ عرب شراب کے رسیا اور قمار بازی کے دلدادہ تھے لیکن آنحضور ﷺ جو ایک عظیم مصلح اور سوشل ریفارمر تھے، نے عرب معاشرے کی تمام بری رسموں اور عادتوں کا نہ صرف خاتمہ کر دیا بلکہ معاشرے کو ان تمام گھناؤنی اور ظالمانہ باتوں سے پاک کر دیا جو عرب سوسائٹی کا خاصہ تھیں۔

عدم مساوات:

محسن انسانیت ﷺ نے آزادی، اخوت اور مساوات کا درس دیتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

”خبردار! عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کو عربی پر فوقیت ہے۔ نہ سرخ کو سیاہ پر کوئی برتری حاصل ہے اور نہ سیاہ کو سرخ پر فضیلت ہے۔ صرف وہ شخص افضل ہے جو پرہیزگار ہو۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ سب

اہل اسلام ایک برادری ہے۔ کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں، جب تک وہ خود اپنی خوشی سے نہ دے''۔ آنحضرت ﷺ کے اس اعلان نے عدم مساوات اور نسلی وطبقاتی امتیاز کی وہ تمام دیواریں گرادیں جو سماجی اتحاد اور خوشحالی کی راہ میں حائل تھیں۔ عرب معاشرے کی اس سماجی اصلاح میں آنحضور ﷺ کا مقصد دراصل ساری انسانیت کو ایک قوم، ایک نسل اور ایک طبقہ کی صورت میں ایک پلیٹ فارم پر لانا تھا۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ھدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

غلامی عرب معاشرے کا ایک رستا ہوا ناسور تھا۔ غلاموں کو اسلام سے پہلے عرب سوسائٹی میں کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ ان کی جان ومال کی کوئی قیمت نہ تھی۔ ان کی زندگی کا مقصد اپنے آقاؤں کی ہر خواہش کو پورا کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے غلاموں کی اصلاح اور ان کے معیار زندگی کو بلند کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا کیونکہ آپ ﷺ محسن انسانیت ﷺ تھے۔ غلاموں کے ساتھ ظلم وبہیمیت کیسے گوارا فرما سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: ''اپنے غلاموں کا دھیان رکھو، ان کے ساتھ برابر کا سلوک کرو، جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔ ان پر ظلم نہ کرو۔ اگر ان سے خطا ہو جائے تو معاف کردو''۔

☆ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ قمطراز ہیں کہ:

''آنحضور ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں تین چیزوں کی وصیت کی تھی۔ ان میں سے ایک نماز تھی، دوسری زکوٰۃ اور تیسری غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید''۔

(البدایہ والنہایہ)

محسن انسانیت ﷺ نے غلاموں کو اسلامی سوسائٹی کے اندر مساوات کا درجہ دیا اور اس ضمن میں اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کردیا۔ یہی نہیں بلکہ حجۃ الوداع کے موقع پر یہاں تک فرمادیا: ''اے لوگو! اگر کوئی حبشی غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا تعالیٰ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی فرمانبرداری اور اطاعت کرو''۔

غلامی کے انسداد کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کی اصلاحات سودمند ثابت ہوئیں اور غلامی گھٹتے گھٹتے آزادی سے جاہمکنار ہوئی اور دونوں میں کوئی فرق تک نہ رہا۔لفظ غلامی تو بے شک ایک عرصے تک باقی رہا مگر اس کی حقیقت وحیثیت یکسر بدل کر رہ گئی۔

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب

عورتوں کے حقوق:

محسن انسانیت ﷺ نے عورتوں کو ذلت کی پستیوں سے نکال کر تمام انسانی حقوق سے نوازا۔اسلام سے قبل عورت کا وجود معاشرے میں ذلت اور شرم و گناہ کا باعث تصور کیا جاتا تھا لیکن سرور دو عالم ﷺ نے عورتوں کو معاشرہ میں باوقار مقام عطا کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹی، بہن، بیوی اور ماں ہر ایک کا اپنا مقام ہے۔لڑکی کی پرورش اور حق رسانی باپ کو جنت کا مستحق بناتی ہے۔نیک بخت بیوی ایک شوہر کیلئے دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے۔بیوی شوہر کے گھر کی مالکہ ہے۔تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے۔خدا اور رسول ﷺ کے بعد سب سے زیادہ قابل احترام اور حسن سلوک کی مستحق ماں ہے۔ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔

قدم پر والدہ کے جنتیں قربان ہوتی ہیں
یہ وہ پستی ہے جس پر رفعتیں قربان ہوتی ہیں

علاوہ ازیں آپ ﷺ نے اخلاقی ہدایات کے ساتھ قانونی طور پر معاشی حقوق کا بھی مستحق قرار دیا اور وراثت میں عورت کو نہایت وسیع حقوق دیئے۔اسی طرح آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو دینی اور دینوی علوم حاصل کرنے کی بھی پوری آزادی دی تا کہ وہ معاشرے میں مردوں کے دوش بدوش آزادانہ فرائض زندگی ادا کر سکیں۔

اسلام سے قبل بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی بلکہ کثرت ازدواج کا عام رواج تھا۔محسن انسانیت ﷺ نے اس ضمن میں ایک سے زیادہ شادی کی اجازت اس صورت میں دی کہ خاوند کے معاشی حالات مستحکم ہوں اور وہ انصاف سے بیویوں کے ساتھ جن کی تعداد چار

تک محدود کردی گئی' یکساں اور مساوی سلوک کر سکے اور ان کی معاشی ضروریات پوری کر سکے۔عورتوں کے ازدواجی اور انفرادی حقوق کی حفاظت کا خیال سرور کائنات ﷺ کو آخری دم تک رہا۔خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ:

''عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو' تم نے ان کو اللہ کی امان اور اس کے کلمہ کے ساتھ نکاح میں لیا ہے۔تمہارا حق ان پر اور ان کا تم پر ہے۔بیویوں سے بھلائی کرو' تمہیں ان پر جبر کا کوئی حق نہیں۔سوائے اس کے کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کے کام کریں۔اگر وہ ایسا کریں تو گھر میں ان سے الگ رہو اور اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو ان پر زیادتی نہ کرو۔تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے ناپسندیدہ اشخاص کو گھر میں نہ آنے دیں اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ انہیں اچھا کھلاؤ' پلاؤ اور پہناؤ''۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے زندگی کا سوز دروں

☆اصلاحات پر تبصرہ:

ضعیفوں' بے کسوں' آفت نصیبوں کو مبارک ہو
یتیموں کو' غلاموں کو' غریبوں کو مبارک ہو (حفیظ جالندھری)

☆ پروفیسر محمد عبداللہ ملک ایم اے رقمطراز ہیں: ''محسن انسانیت رسول کریم ﷺ رحمۃ للعالمین بن کر آئے تھے۔آپ ﷺ نہ صرف ایک بہت بڑے ریفارمر تھے بلکہ ایک عظیم ترین معمار قوم بھی تھے۔آپ کی نافذ کردہ سیاسی' مذہبی' اخلاقی' معاشی اور سماجی اصلاحات کا منشاء و مقصد یہ تھا کہ معاشرہ ہر اعتبار سے مربوط' مستحکم' ہر قسم کی برائیوں سے یکسر پاک اور خوشحال ہو تاکہ انسان کی ذہنی اور باطنی قوتوں کو ایک پاکیزہ اور پرسکون فضا میں نشوونما کا موقع ملے اور اس طرح تہذیب وتمدن کی تعمیر مستحکم بنیادوں پر استوار ہو اور ایک ایسا معاشرتی ماحول قائم ہو جائے جس میں انفرادی مفاد پر اجتماعی مفادات کو ترجیح دی جائے۔کسی فرد کا حق غصب نہ کیا جا سکے۔ظلم وتعدی' انتشار ونفاق اور غرور ونخوت کی بیخ کنی ہو۔کسی فرد واحد کو نسلی اور طبقاتی لحاظ سے معاشی فوقیت حاصل نہ ہو اور معاشرے میں ہر فرد کو اس کی ذاتی صلاحیتوں کی بنا پر ترقی کے

مواقع حاصل ہوں۔ علاوہ ازیں لہو ولعب کی وہ تمام باتیں یکسر ختم ہو جائیں جو انسان کو حق ناشناسی، ظلم واستبداد، نفرت ونخوت اور قتل وغارت جیسے گھناؤنے جرائم تک لے جاتی ہیں۔ ہر انسان کا ظاہر و باطن ایک ہو، معاشرے میں باہمی اعتماد واتحاد، محبت واخوت، عدل وانصاف اور مساوات ورواداری کی فضا قائم ہو۔ عورتوں اور مردوں کے معاشی اور دُنیوی حقوق کے حصول کے سلسلے میں کوئی امتیاز باقی نہ ہو۔ صنفی تعلقات محض ازدواج تک محدود رہیں اور اس طرح پورے معاشرے میں امن وسکون اور خوشحالی واستحکام کی ایک لازوال روح پیدا ہو جائے۔ اس پاکیزہ نظام کے تحفظ کیلئے آنحضرت ﷺ نے افراد کی باطنی اصلاح کی طرف بھی توجہ دی تاکہ وہ اس قابل ہو جائیں کہ اس نظام معاشرت کے قوانین اور اصول وضوابط کی پیروی بخوشی کریں۔ اس ضمن میں رسول اکرم ﷺ نے نہ صرف دلوں میں اسلامی تعلیمات کے ذریعہ ایمانی روح پھونکی بلکہ مناسب انسدادی تدابیر بھی اختیار کیں اور ہر جرم کی نوعیت کے مطابق سخت اور عبرت ناک سزائیں تجویز فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ کی ان نافذ کردہ اصلاحات کا ہی فیضان تھا کہ وہ سرزمین عرب جو طلوع اسلام سے پیشتر ہر قسم کے فسق وفجور، لاقانونیت و طوائف الملوکی، خانہ جنگیوں اور نفرت وعداوت کا مرکز تھی، تھوڑی ہی مدت میں وہ محسن انسانیت ﷺ کی ذات بابرکات کے طفیل تہذیب وتمدن، صلح وآشتی اور امن وراحت کا قابل رشک گہوارہ بن گئی''۔ (تاریخ اسلام، صفحہ ۲۴۳-۲۴۴)

☆ حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اسلام بحیثیت دین خدا کی طرف سے ظاہر ہوا لیکن بحیثیت سوسائٹی یا ملت رسول کریم ﷺ کی شخصیت کا مرہون منت ہے''۔

پھر فرماتے ہیں: ''اے عرب کی مقدس سرزمین! تجھ کو مبارک ہو، تو ایک پتھر تھی جس کو دُنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا۔ مگر ایک یتیم بچے صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب وتمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی''۔

☆ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر طائرانہ نظر:

اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے اپنے پیارے پیغمبر علیہم

الصلوٰۃ والسلام بھیجے اوران کی رسالت کے ثبوت کیلئے بطور دلائل ان کو معجزات عنایت کئے۔ کوئی پیغمبر ایسا نہیں جسے کوئی نہ کوئی معجزہ عطا نہ ہوا ہو۔

''معجزہ'' کا مادۂ اشتقاق: عجز، یعجز 'عجزاً ہے جس کے معنی: ''کسی چیز پر قادر نہ ہونا''، ''کسی کام کی طاقت نہ رکھنا'' یا ''کسی امر سے عاجز آ جانا'' وغیرہ ہیں۔

☆ امام راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ معجزے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں: ''عجز'' کے اصلی معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانے یا اس کے ایسے وقت میں حاصل ہونے کے ہیں جبکہ اس کا وقت نکل چکا ہو...... عام طور پر یہ لفظ کسی کام کے کرنے سے قاصر رہ جانے پر بولا جاتا ہے اور یہ ''القدرۃ'' کی ضد ہے''۔ (المفردات 'صفحہ ۳۲۲)

''معجزہ اس خارق العادت چیز کو کہتے ہیں جس کی مثل لانے سے فرد بشر عاجز آ جائے۔

(المنجد 'صفحہ ۴۸۸)

بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ ''معجزہ'' کا لفظ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں کسی ایک مقام پر بھی استعمال نہیں کیا اس لئے وہ احتیاطاً معجزات کے بیان اوران کے اثبات کیلئے قرآنی لفظ ''آیات'' کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ استعمال یقیناً درست ہے لیکن قارئین محترم! قرآن اصطلاحات اور مخصوص الفاظ کو بیان نہیں کرتا بلکہ وہ فقط نفس مضمون دیتا ہے اور ایمانیات کے بنیادی تصورات سے بحث کرتا ہے۔ بعد ازاں اہل علم اسے اصطلاحی زبان دے کر ترسیل مفہوم کی سعی کرتے ہیں۔ یہی حال تصوف کا بھی ہے۔ قرآن حکیم میں تصوف کے لئے لفظ ''تزکیہ'' اور حدیث میں ''احسان'' کا لفظ آیا ہے مگر جب وہ باقاعدہ علم بنا تو اسے ''تصوف'' کا نام دیا گیا۔ اسی طرح دیگر اصطلاحات علوم تشکیل پذیر ہوئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ آیات میں لفظ معجزہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظ ''آیات'' میں عمومیت ہے جبکہ لفظ ''معجزہ'' میں خصوصیت ہے۔ لفظ ''معجزہ'' اصل فعل کے صدور اور وقوع کی کیفیت کو بھی بیان کرتا ہے۔ انسان کی ساری ظاہری اور باطنی صلاحیتیں اور قوتیں معجزہ کے صدور پر عاجز رہ جاتی ہیں۔

قارئین محترم! جیسا کہ ہم اس کتاب کے شروع میں بھی عرض کر چکے ہیں کہ ان خارق

عادت افعال کی چار اقسام ہیں۔

۱-معجزہ ۲-ارھاص ۳-کرامت ۴-استدراج

☆۱-معجزہ:

جب کسی نبی اور رسول کو خلعت نبوت و رسالت سے سرفراز کیا جاتا تو کفار و مشرکین دعوئ نبوت کی صداقت کے طور پر اس سے دلیل طلب کرتے۔ اس پر قدرت خداوندی جو خارق عادت واقعہ اس نبی یا رسول کے دست حق پرست سے صادر ہوتا اسے معجزہ کہتے ہیں۔

۲-ارھاص:

وہ خلاف معمول واقعات یا عجائبات جن کا ظہور کسی نبی یا رسول کی ولادت باسعادت کے وقت یا پیدائش مبارکہ سے پہلے ہوتا ''ارھاص'' کہلاتے ہیں۔ ان واقعات کا رونما ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ پیدائش ایک غیر معمولی پیدائش ہے۔ (بہت سے ''ارھاص'' ہم آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے باب میں ذکر کر چکے ہیں) مثلاً حضور رحمت عالم ﷺ کی ولادت پاک سے پہلے دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آسمان سے ستارے سائبان کی طرح زمین پر اتر آئے ہیں اور کعبہ کے بت سجدہ ریز ہو گئے ہیں۔

۳-کرامت:

کرامت ان خارق عادت افعال کو کہتے ہیں جو مومنین، صالحین اور اولیائے کرام کے ہاتھوں صادر ہوتے ہیں۔ تاریخ اسلام اولیاء و صوفیاء کی کرامات سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً سیدنا سلیمان علیہ السلام کے صحابی حضرت آصف بن برخیا کا پلک جھپکنے سے قبل ملکۂ سبا کا تخت آپ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دینا وغیرہ (تفصیل کے لئے علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''جامع کرامات اولیاء'' ملاحظہ فرمائیں۔ تین جلدوں میں اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی ہے)

۴-استدراج:

یہ وہ خلاف عادت افعال ہوتے ہیں جو کسی کافر، مشرک، فاسق، فاجر اور ساحر کے ہاتھ

سے صادر ہوتے ہیں۔ مثلاً فرعون کے دربار میں جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو وہ اژدھا بن گئیں۔ اسی قبیل کے تمام اعمال استدراج کی ذیل میں آتے ہیں۔

قارئین محترم! جہاں عقل عاجز آ جاتی ہے وہاں سے معجزے کی سرحد شروع ہوتی ہے۔

معجزہ رب کائنات کی قدرت اور جلالت کا اظہار ہوتا ہے۔ مغربی فلاسفہ میں سے ہیوم (DAVID HUME) نے بڑی شدومد سے معجزات کا انکار کیا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اکثر واقوئی واظہر واشہر ہیں۔ کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان کا احاطہ انسانی طاقت سے خارج ہے کیونکہ سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ شان خداوندی کا مظہر اتم ہے۔

اک نئے دور کا آغاز تھا آنا ان ﷺ کا
اب زمانے کی حدوں تک ہے زمانہ ان ﷺ کا

نعت شریف

جھکی ہوئی ہے جبینِ دل بھی لبوں پہ آقا کا نام آیا
قلم بھی لگتا ہے سر بہ سجدہ ادب کا ایسا مقام آیا
حضور والاؐ کی ذات پر جب سلام بھیجا تو پھر نہ پوچھو
خدا کی جانب سے میری جانب خدا کے گھر سے سلام آیا
ہوا یہ محسوس جام کوثر چھلک رہا ہے میری نظر میں
جو میرے آقاؐ کے ذکر انور کا میرے ہونٹوں پہ جام آیا
وہیں وہیں پر پروں کو اپنے بچھا دیا ہے ملائکہ نے
جہاں جہاں بھی رسول عربیؐ خدا کا دینے پیام آیا
شہاب دل کی یہ آرزو ہے رسول اکرمؐ کے در پہ جا کر
صدا لگاؤں نواز دیجئے حضورؐ در پر غلام آیا

جوامع الکلم چہل حدیث

(چالیس احادیثِ مبارکہ)

رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری امت کے فائدے کیلئے چالیس احادیث سنا دے گا اور حفظ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عالموں اور شہیدوں کی جماعت میں اٹھائے گا اور فرمائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ
(رواہ ابن عدی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، الجامع الصغیر)

اس عظیم الشان ثواب کیلئے سینکڑوں علمائے امت نے اپنے اپنے (طرز) طریقے میں چہل حدیث لکھیں جو مقبول و مفید عام ہوئیں۔
حفظ حدیث کے دو طریق ہیں۔ زبانی یاد کر کے لوگوں کو پہنچا دے یا لکھ کر شائع کر دے۔
اس لئے وعدہ حدیث میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو چہل حدیث طبع کرا کر شائع کرتے ہیں۔
اس صورت میں چہل حدیث کا ہر نسخہ اس عظیم الشان ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے۔ اس قدر سہل الوصول اور عظیم الشان ثواب سے بھی اگر کوئی محروم رہے تو اس کی قسمت، یہ اس لئے لکھی جا رہی ہیں تاکہ ان چالیس احادیث کو یاد کرنے والے عظیم الشان ثواب کے مستحق ہو جائیں اور شاید ان کی برکت سے یہ سراپا گناہگار بھی ان بزرگوں کے خدام میں شمار ہو جائے۔ اور بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

بے سود ہوں گی حشر میں دنیا کی نسبتیں
نسبت رہے گی کوئی تو نسبت حضور ﷺ کی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱ – انما الاعمال بالنیات (بخاری و مسلم)	اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔
۲ –مَن اَحیا سنتی فقد احیانی (مشکوٰۃ شریف)	جس نے میری سنت کو زندہ کیا تو گویا اس نے مجھے زندہ کیا۔
۳– من احب سنتی فقد احبنی (ترمذی شریف)	جس نے میری سنت سے محبت کی تو گویا اس نے مجھ سے محبت کی۔
۴–الا انی اوتیت القران ومثله معه (مشکوٰۃ وابوداؤد)	مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اس کے ساتھ ایک اور چیز (سنت) بھی اس کے مثل دی گئی۔
۵– لا یدخل الجنة قاطع (بخاری و مسلم)	رشتہ داروں سے قطع رحمی کرنے والا (تعلقات توڑنے والا) جنت میں نہیں جائے گا۔
۶– فان خیر الحدیث کتاب الله و خیر الهدی هدی محمد (صلی الله علیه وسلم) (مسلم شریف)	سب سے بہتر کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔
۷– تنام عینای ولا ینام قلبی (بخاری شریف)	میری آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔
۸– المرء مع من احب الیه (بخاری، ترمذی، دارمی، احمد بن حنبل)	آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی۔
۹ – المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (بخاری)	مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔
۱۰ – الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر (بخاری و مسلم)	دنیا مسلمان کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے۔
۱۱ – کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع (مسلم از مشکوٰۃ)	کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات دوسروں کو بتانا شروع کر دے۔

۱۲ – لایؤمن احد کم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به (مشکوٰۃ)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی اپنی خواہشات میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہ ہو جائے۔

۱۳ – حق المسلم علی المسلم خمس ردالسلام و عیادۃ المریض واتباع الجنائز واجابة الدعوۃ وتشمیت العاطس (بخاری ومسلم)

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ ۱- سلام کا جواب دینا۔ ۲- مریض کی مزاج پرسی کرنا۔ ۳- جنازہ کے ساتھ جانا۔ ۴- اسکی دعوت قبول کرنا۔ ۵- چھینک کا جواب دینا (یعنی یرحمک اللہ کہہ دینا)

۱۴ – کل بدعة ضلالة . (مسلم ومشکوٰۃ)

ہر بدعت گمراہی ہے۔

۱۵ – من تمسك بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید . (مشکوٰۃ وترمذی)

جو شخص میری امت میں (عملی یا اعتقادی) خرابی پیدا ہونے کے وقت میری سنت پر عمل کرے گا' اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

۱۶ – لا یرحم الله من لا یرحم الناس (بخاری ومسلم)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے۔

۱۷ – لایدخل الجنة قتات (بخاری ومسلم)

چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

۱۸ – مَن یَحرم الرفق یُحرم الخیر کله (بخاری ومسلم)

جو شخص نرمی (نرم عادت) سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا۔

۱۹ – من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد (بخاری ومسلم)

جس نے ہمارے اس دین میں وہ چیز نکالی جو اس میں نہ ہو تو وہ شے مردود ہے۔

۲۰ – الظلم ظلمات یوم القیمة (بخاری ومسلم)

ظلم قیامت کے روز اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔

۲۱ – کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل (بخاری ومسلم)

دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی پردیسی یا مسافر رہتا ہے۔

۲۲- انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (بخاری و مسلم)

میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

۲۳- لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ والناس اجمعین۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، ابن ماجہ اور حنبل)

تم میں سے کوئی شخص (سچا) مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب (ومحترم) نہ ہو جاؤں۔

۲۴- المسلم اخو المسلم (بخاری و مسلم)

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔

۲۵- من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ (بخاری و مسلم)

جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کریگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب چھپائے گا۔

۲۶- الطھور شطر الایمان (مسلم)

پاکیزگی نصف ایمان ہے۔

۲۷- احب البلاد الی اللہ مساجدھا (مسلم)

اللہ کے نزدیک سب سے محبوب جگہ مساجد ہیں۔

۲۸- اشد الناس عذابا یوم القیامۃ المصوّرون (بخاری و مسلم)

قیامت کے دن سب سے سخت (شدید) عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

۲۹- اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (بخاری، مشکوٰۃ)

میرے صحابہ دین کے روشن ستارے ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

۳۰- لا یؤمن عبد حتی یحب لِاَخیہِ مایحب لنفسہ (بخاری و مسلم)

کوئی بندہ اس وقت تک پورا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۳۱- الغنی غنی النفس (بخاری و مسلم)

(حقیقت میں) غنی وہ ہوتا ہے جس کا دل غنی ہو۔

۳۲- عَمُّ الرجل صِنوابیہ (بخاری و مسلم)

آدمی کا چچا اس کے باپ کی مانند ہوتا ہے۔

۳۳- ان من احبکم اِلَیَّ احسنکم اخلاقاً (بخاری ومسلم)
تم میں سے میرے نزدیک محبوب وہ شخص ہے جس کا اخلاق اچھا ہو۔

۳۴- لا تدخل الملئکة بیتا فیه کلب او تصاویر ۔ (بخاری ومسلم)
اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں۔

۳۵- بلغوا عنی ولو اٰیة (بخاری)
دوسروں تک میری باتیں پہنچاؤ خواہ وہ ایک جملہ ہی کیوں نہ ہو۔

۳۶- احب الاعمال الی اللہ ادومها وَاِنْ قَلّ (بخاری ومسلم)
اللہ کے نزدیک سب عملوں میں وہ عمل زیادہ محبوب ہے جو دائمی ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔

۳۷- اذا لم تَسْتَحِیْ فاصنع ماشئت (بخاری ومسلم)
جب تم حیا نہ کرو تو جو چاہے کرو۔

۳۸- طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة (مسلم)
علم کا طلب کرنا ہر مسلمان (مرد وزن) پر فرض ہے۔

۳۹- من صلی علی واحدة صلی اللہ علیه عشرا (بخاری ومسلم)
جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔

۴۰- انما الاعمال بالسخواتیم (بخاری ومسلم)
سب اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے۔

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبك خیر الخلق کلهم

اللهم انی اسئلك علما نافعا و عملا متقبلا ورزقا طیبا

(اے اللہ! میں آپ سے چاہتا ہوں فائدہ مند علم اور مقبول ہونے والا عمل اور پاکیزہ روزی)

(مشکوٰۃ باب جامع الدعا فصل سوم)

عاجز

فقیر حقیر سراپا تقصیر:

محمد یوسف کیفی (ایم-اے)

سیرت رسول ہاشمی پر ایک اجمالی نظر

ولادت باسعادت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ	۱۲ ربیع الاول ' اعام الفیل ' ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بروز دوشنبہ بوقت صبح صادق (طلوع آفتاب سے قبل) اس وقت ایران میں نوشیروان عادل کی حکومت تھی۔ یکم جیٹھ سمت ۶۲۸ بکرمی ' واقعہ اصحاب الفیل سے پچاس روز بعد ' والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے چار ماہ بعد۔
والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا انتقال	آپ ﷺ کی عمر مبارک چھ برس تھی۔ سن عیسوی ۵۷۷ء تھا۔
حضرت عبدالمطلب کا انتقال	آپ ﷺ کی عمر مبارک آٹھ برس تھی۔ سن عیسوی ۵۷۹ء تھا۔
حرب الفجار	قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان جنگ چھڑی ' آپ ﷺ کی عمر مبارک پندرہ سال کی تھی۔ سن عیسوی ۵۸۶ء تھا۔
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی	آپ ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ سال تھی۔ عیسوی سن ۵۹۶ء تھا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو اور حجر اسود نصب کرنے کا واقعہ	سرور کائنات ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ برس تھی۔ سن عیسوی ۶۰۶ء تھا۔
بعثت (پہلی مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد)	۹ یا ۱۲ ربیع الاول ۱ نبوی ﷺ ۶۱۰ء بروز پیر
نزول قرآن کا آغاز	رمضان المبارک ۱ نبوی ﷺ اگست ۶۱۰ء
کوہ صفا پر آپ ﷺ کا خطبہ	۶۱۳ء/۶۱۴ء
ہجرت حبشہ	رجب ۵ نبوی ﷺ ۶۱۵ء
سفر طائف	۲۷ شوال ۱۰ نبوی ﷺ ۶۱۹ء
واقعہ معراج النبی ﷺ	۲۷ رجب ۱۰ نبوی ۶۱۹ء
بیعت عقبہ اولیٰ	ذوالحجہ ۱۲ نبوی ۶۲۰/۶۲۱ء
بیعت عقبہ ثانیہ	ذوالحجہ ۱۳ نبوی ۶۲۲ء
سفر ہجرت کے موقع پر غار ثور میں آمد آنحضور ﷺ پر قاتلانہ حملے کا منصوبہ	۲۷ صفر ۱۳ نبوی ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء
ہجرت مدینہ/مکہ مکرمہ سے روانگی	بروز پیر یکم ربیع الاول ۱۳ نبوی ﷺ / ۱۶ ستمبر ۶۲۲ء
آنحضور ﷺ کی قبا میں آمد	۸ ربیع الاول ۱۳ نبوی ﷺ / ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء
مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر/میثاق مدینہ	۱ ہجری (۱۹ ربیع الاول) ۶۲۲/۶۲۳ء
مؤاخات مدینہ	پہلی سہ ماہی ۱ ہجری ۶۲۲ء
تبدیلی قبلہ/قبلہ خانہ کعبہ بنا	۱۷ شعبان ۲ ہجری ۶۲۴ء
واقعہ نخلہ	یکم ماہ رجب ۲ھ جنوری ۶۲۴ء
غزوۂ بدر	۱۷ رمضان المبارک ۲ھ/ مارچ ۶۲۴ء بروز جمعۃ المبارک
غزوۂ احد	۷ شوال ۳ھ ۲۳ مارچ ۶۲۵ء
سریہ ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی	یکم محرم ۴ھ ۶۲۵ء

سریہ عبداللہ بن انیس/غزوہ ذات الرقاع	محرم ۵ھ/ ۶۲۵ء
واقعہ رجیع / سانحہ بیئر معونہ/ ۷۰ صحابہؓ کی شہادت	صفر ۴ھ/ جولائی ۶۲۵ء
غزوہ بدر ثانی	رجب ۴ھ ۶۲۵ء
غزوہ بنو مصطلق	شعبان ۴ھ/ ۶۲۵ء
غزوہ بنو قینقاع	شوال ۲ھ اپریل/ ۶۲۴ء
کعب بن اشرف کا قتل	ربیع الاول ۳ھ ۶۲۴ء
غزوہ بنو نضیر	ربیع الاول ۴ھ اگست ۶۲۵ء
غزوہ بنو قریظہ	ذوالحجہ ۵ھ/ ۶۲۵ء
غزوہ خندق یا غزوۂ احزاب	ذیقعد ۵ھ/ مارچ اپریل ۶۲۷ء
غزوہ خیبر	محرم ۷ھ/ ۶۲۸ء
صلح حدیبیہ	ذیقعد ۶ھ/ مارچ ۶۲۸ء
مسلمانوں کا پہلا عمرہ	ذیقعد ۷ھ/ ۶۲۹ء
سلاطین کو دعوت اسلام	محرم ۷ھ/ اپریل ۶۲۸ء
جنگ موتہ	جمادی الاول ۸ھ/ ۶۳۰ء
فتح مکہ	۲۰ رمضان المبارک ۸ھ/ جنوری ۶۳۰ء
غزوہ حنین	شوال ۸ھ/ فروری ۶۳۰ء
غزوہ تبوک	رجب ۹ھ/ ۶۳۱ء
حجۃ الوداع	ذوالحجہ ۱۰ھ مارچ ۶۳۲ء
وصال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ/ بروز پیر ۷ جون ۶۳۲ء

رحمۃ للعالمین

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی وہ بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ
خطاکار سے درگزر کرنے والا بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مِس خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پر قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

(مولانا الطاف حسین حالی)

☆☆☆☆

محمد ﷺ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

خصائص سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

جو فضائل و معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہیں ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خصائص بھی بکثرت اور حد و حصر سے خارج ہیں۔ بعض علماء کرام مثلاً علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، قطب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ نے خصائص مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ضخیم کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

ہم تبرکاً چند خصائص ہدیۂ قارئین کرتے ہیں:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عضو کا ذکر کیا ہے۔ جس سے حق جل وعلا کی کمال محبت و عنایت پائی جاتی ہے۔

قلب مبارک	ما كذب الفؤاد ما رای ۔ (سورہ نجم۔ آیت ۱۱) نزل به الروح الامین علی قلبك (سورۃ الشعراء۔ آیت ۱۹۳-۱۹۴)
زبان مبارک	وما ينطق عن الهوى ۔ (سورۃ نجم، آیت ۳) فانما يسرنه بلسانك (سورہ دخان، آیت ۵۸)
چشم مبارک	مازاغ البصر وما طغٰی (سورہ نجم، آیت ۱۷)
چہرہ مبارک	قد نری تقلب وجهك فی السمآء (بقرہ، آیت ۱۴۴)
ہاتھ مبارک اور گردن مبارک	ولا تجعل يدك مغلولة الی عنقك (بنی اسرائیل، ۲۹)

سینہ مبارک اور پشت مبارک	الم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك (سورہ انشراح شروع)

۲- حضور سرور کائنات ﷺ کا اسم مبارک (محمد ﷺ) اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (محمود) سے مشتق ہے۔

۳- حضور سرورِ دو عالم ﷺ کے اسمائے مبارکہ تقریباً ستر نام وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

۴- حضور اکرم ﷺ ختنہ کئے ہوئے' ناف بریدہ اور آلودگی سے پاک وصاف پیدا ہوئے۔

۵- فرشتے محسن انسانیت ﷺ کے گھوارے کو ہلایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے گھوارے میں کلام کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ چاند سے باتیں کیا کرتے۔ جس وقت آپ ﷺ اس کی طرف انگشت مبارک سے اشارہ فرماتے وہ آپ ﷺ کی طرف جھک جاتا۔

۶- حضور اقدس ﷺ کا ایک اسم مبارک احمد ﷺ ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے جب سے دنیا پیدا ہوئی کسی کا یہ نام نہ تھا تاکہ کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے کہ کتب سابقہ الہامیہ میں جو احمد ﷺ کا ذکر ہے وہ آپ ﷺ ہی ہیں۔

۷- آپ ﷺ رات کے وقت دولت خانے میں تبسم فرماتے تو گھر روشن ہو جاتا۔

۸- حضور سرور کائنات ﷺ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِیْ" (میں تو بانٹنے (تقسیم کرنے) والا ہوں اور اللہ دیتا ہے) پس ان خزانوں میں سے جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ آپ ﷺ ہی کے دست مبارک سے ملتا ہے کیونکہ آپ ﷺ حضرت باری تعالیٰ کے خلیفۂ مطلق و نائب کل ہیں۔ باذن الٰہی عطا فرماتے ہیں جو کچھ چاہتے ہیں۔

۹- حضور اکرم ﷺ سارے جہان (انس وجن وملائک) کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۱۰- حضور اکرم ﷺ کی شریعت تمام انبیاء علیہم السلام سابقین کی شریعتوں کی ناسخ ہے اور قیامت تک رہے گی۔

"ماخذات"

کتاب ہذا کی ترتیب وتالیف کے سلسلہ میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مؤلف/مترجم
۱-	القرآن الحکیم	(مختلف تراجم)
۲-	سیرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ
۳-	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۷ جلدیں)	مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ/سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ
۴-	سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (۱۰ جلدیں)	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ
۵-	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کامل (۲ جلدیں)	ابن ہشام/ترجمہ مولانا عبدالجلیل مولانا غلام رسول مہر
۶-	تاریخ مدینہ (اُردو)	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۷-	شواہد النبوت (اُردو)	حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ/ترجمہ بشیر حسین ناظم
۸-	سید الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم (۲ جلدیں)	(اول انعام صدارتی ایوارڈ یافتہ) قاضی عبدالدائم دائم
۹-	شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم	میاں عابد احمد
۱۰-	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱-	تجلیات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم	پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
۱۲-	کتاب الشفاء (ترجمہ) (۲ جلدیں)	قاضی عیاض/مترجم مولانا عبدالحکیم اختر
۱۳-	معارج النبوت (۳ جلدیں)	ملا معین واعظ الکاشفی/مترجم اقبال احمد فاروقی
۱۴-	مدارج النبوت (۲ جلدیں)	شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ/مترجم مفتی غلام معین الدین
۱۵-	تاریخ اسلام	پروفیسر محمد عبداللہ ملک ایم-اے
۱۶-	تاریخ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (مختلف جلدیں)	علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون/مترجم علامہ حکیم احمد حسین
۱۷-	مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا	ایم ایس ناز
۱۸-	نقوش رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر (۱۳ جلدیں)	ادارہ فروغ اردو لاہور
۱۹-	صحاح ستہ (اردو تراجم) (۲ جلدیں)	
۲۰-	رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم (۳ جلدیں)	قاضی سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ

(سابق وزیر داخلہ، وزیر مملکت و وزیر مواصلات)
فضیلۃ الشیخ السیّد یوسف السیّد ہاشم الرفاعی دامت برکاتہم